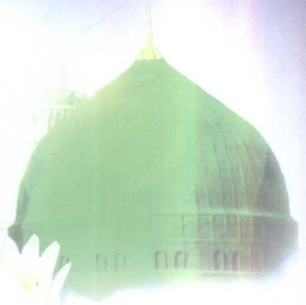


سیرتِ نبوی ﷺ
پر اعتراضات کا جائزہ

www.KitaboSunnat.com



ڈاکٹر محمد شمیم اختر قاسمی



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

معزز قارئین توجہ فرمائیں!

کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب

← عام قاری کے مطالعے کے لیے ہیں۔

← مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق و اجازت کے بعد آپ لوڈ (Upload)

کی جاتی ہیں۔

← دعوتی مقاصد کی خاطر ڈاؤن لوڈ، پرنٹ، فوٹوکاپی اور الیکٹرانک ذرائع سے محض مندرجات نشر و اشاعت کی مکمل اجازت ہے۔

☆ تنبیہ ☆

← کسی بھی کتاب کو تجارتی یا مادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی ممانعت ہے۔

← ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اخلاقی، قانونی و شرعی جرم ہے۔

﴿اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں﴾

← نشر و اشاعت، کتب کی خرید و فروخت اور کتب کے استعمال سے متعلقہ کسی بھی قسم کی معلومات کے لیے رابطہ فرمائیں۔

kitabosunnat@gmail.com

www.KitaboSunnat.com

جملہ حقوق محفوظ ہیں

نام کتاب

سیرت نبوی ﷺ

پر اعتراضات کا جائزہ

مصنف

ڈاکٹر محمد شمیم اختر قاسمی

اہتمام _____ ملک اسد علی قاسمی

مطبع _____ گنج شکر پریس

ناشر _____ مکتبہ قاسم العظمیٰ

www.KitaboSunnat.com

ملک اینڈ کمپنی

رحمان مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اردو بازار لاہور، پاکستان

042-37231119 . 0321-4021415

ترتیب

۱۱	حرف آغاز
۱۷	باب اوّل: سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراضات کا تاریخی جائزہ
۱۷	اعلان نبوت اور کفار مکہ کا ردِ عمل
۱۸	مخالفت کی وجوہات
۲۰	نبوت بشریت کے منافی ہے
۲۱	رسالت کا انکار
۲۲	قرآن کریم کا انکار
۲۳	کاہن ہونے کا الزام
۲۴	مجنون ہونے کا الزام
۲۵	جادوگر ہونے کا الزام
۲۵	شاعر ہونے کا الزام
۲۵	ابتر ہونا
۲۶	اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تنہا چھوڑ دیا ہے؟
۲۷	مطالبہ معجزات
۲۹	بعض علمی سوالات
۳۰	قرآن کریم کے کسی رئیس پر کیوں نہ نازل ہوا؟
۳۱	نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا رسانی
۳۲	اذیت پہنچانے کی مختلف ترکیبیں

۳۳	مدینے میں آپ کی آمد اور یہودیوں کا رد عمل
۳۵	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت و شخصیت پر یہودیوں کا حملہ
۳۶	احکام اسلام پر یہود کے اعتراضات
۳۶	منافقین کی ریشہ دوانیاں
۳۷	نئے دور کا آغاز
۳۹	سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر جارحیت کا تسلسل
۴۴	نیا دور، نئی حکمت عملی
۴۶	مستشرقین کے منصوبے
۴۸	منصوبے کی تکمیل کے لیے مستقل اداروں کا قیام
۵۲	دور جدید کے بعض متعصب مفکرین
۵۶	عظمت رسول کا اعتراف
۵۸	معاندین اسلام کے بعض اعتراضات
۶۱	حاصل بحث
۶۳	ماخذ و مراجع
۶۹	باب دوم: وحی اور اس کی کیفیت نزول
۶۹	وحی کی ضرورت
۷۰	وحی کی حقیقت
۷۱	وحی کے معنی و مفہوم
۷۳	وحی اور الہام میں فرق
۷۴	وحی کی اہم صورتیں
۷۵	کلام بالوحی
۷۵	وحی قلبی
۷۵	وحی ملکی
۷۶	وحی خاص کی قسمیں
۷۶	وحی مملو
۷۶	وحی غیر مملو

- ۷۸ حدیث قدسی
- ۷۹ نزول وحی کے طریقے
- ۸۰ قرآن لفظاً اور معناً وحی الہی ہے
- ۸۲ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کا آغاز خواب کی حالت میں کیوں ہوا؟
- ۸۳ نزول وحی کے وقت آپ کی کیفیت
- ۸۷ کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی نبوت کے بارے میں شک تھا؟
- ۹۰ کیا اس کیفیت کا تعلق مرگی سے ہے؟
- ۹۲ کیا نزول وحی میں آپ کی خواہش کا دخل تھا؟
- ۹۳ انبیاء سابقین پر بھی وحی آتی تھی
- ۹۶ کیا قرآن کا تعلق خواب سے ہے؟
- ۹۹ مآخذ و مراجع
- ۱۰۵ باب سوم: کیا قرآن حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تصنیف ہے؟
- ۱۰۶ قرآن مجید اللہ کی نازل کردہ کتاب ہے
- ۱۰۸ قرآن کا دعویٰ کہ وہ کلام الہی ہے
- ۱۰۹ قرآن کا چیلنج پوری دنیا اور قیامت تک کے لیے ہے
- ۱۱۰ قرآن کو کلام الہی سمجھنے کے باوجود انکار
- ۱۱۲ تمام کوششوں کے باوجود قرآن کا بدل تیار نہ کر سکے
- ۱۱۳ قرآن نے کفار مکہ کے دلوں کی دنیا بدل دی
- ۱۱۶ قرآن مجید حضور کا کلام ہوتا تو اس میں ان کی گرفت نہ ہوتی
- ۱۱۷ عرب کے ماحول میں قرآن کی تصنیف ناممکن تھی
- ۱۱۸ یک بارگی قرآن کے نازل نہ ہونے سے کلام الہی کی نفی نہیں ہوتی
- ۱۱۹ قرآن ایک عظیم معجزہ اور جملہ علوم و فنون کا مجموعہ ہے
- ۱۲۱ قرآن کریم آج تک تحریف و تبدیل سے پاک ہے
- ۱۲۲ تحریف قرآن کی تمام کوششیں ناکام ہوں گی
- ۱۲۳ مآخذ و مراجع

باب چہارم: معجزات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت

۱۲۵

۱۲۵

۱۲۶

۱۲۷

۱۲۸

۱۲۸

۱۲۹

۱۲۹

۱۳۰

۱۳۱

۱۳۲

۱۳۵

۱۳۸

۱۴۱

۱۴۲

۱۴۵

۱۴۷

۱۴۹

۱۴۹

۱۵۱

۱۵۲

۱۵۲

۱۵۳

۱۵۳

۱۵۶

۱۵۷

معجزات بے وجہ رونما نہیں ہوتے

انبیائے سابقین اور معجزات

انبیائے سابقین کے بعض معجزات

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کو بھی تسلیم کرنا چاہیے

حضور کو مختلف طبائع کے لحاظ سے معجزات عطا کیے گئے

حضور کے معجزات کی نوعیت

معجزات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعداد

معجزات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی قسمیں

حضور کے بعض اہم معجزات

حضور کی امیت

معجزہ شق القمر

شق صدر یا شرح صدر

اشیاء خورد و نوش میں اضافہ

شفائے امراض

پیشین گوئیاں

مآخذ و مراجع

باب پنجم: معراج نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت

بعض انبیاء سابقین کے واقعات معراج

معراج نبوی صلی اللہ علیہ وسلم معترضین کی نظر میں

انبیائے کرام کو معراج کیوں کرائی جاتی ہے؟

معراج نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی تمہید

قرآن میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج کا ذکر

معراج نبوی کی تفصیل احادیث کی روشنی میں

معراج سے نصیحت حاصل کریں

اس واقعہ پر کفار و مشرکین کا رد عمل

- ۱۵۷ مسلمانوں پر اس واقعہ کا اثر
- ۱۵۸ واقعہ معراج کب پیش آیا؟
- ۱۵۸ معراج کی روایتیں اور ان کے راوی
- ۱۵۹ معراج جسمانی تھی یا روحانی
- ۱۶۱ اسراء و معراج ایک ہی واقعہ ہے یا الگ الگ
- ۱۶۲ معراج کے انعامات
- ۱۶۲ امامت انبیاء کا واقعہ کب پیش آیا؟
- ۱۶۳ معراج کے بعض واقعات اور مشاہدات کی حکمتیں
- ۱۶۶ منکرین معراج کا حکم
- ۱۶۷ مآخذ و مراجع
- ۱۶۹ باب ششم: کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نئے مذہب کے بانی تھے؟
- ۱۷۰ دین اسلام کی مقبولیت پر اعتراضات
- ۱۷۱ سابقہ آسمانی کتابوں میں بعثت نبوی کا ذکر
- ۱۷۳ آیت قرآنی سے اس بشارت کی تائید
- ۱۷۵ اس بشارت کے دور رس اثرات
- ۱۷۶ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کس دین کی تبلیغ کی؟
- ۱۷۷ دین تو یکساں رہا، شریعت بدلتی رہی
- ۱۷۸ بعض انبیاء کو بعض پر فضیلت
- ۱۷۹ سارے انبیاء لائق تعظیم ہیں
- ۱۸۰ حاصل بحث
- ۱۸۳ مآخذ و مراجع
- ۱۸۵ باب ہفتم: کیا تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر مسیحیت کا اثر ہے؟
- ۱۸۶ مکہ کے ماحول میں تعلیم کا حصول ممکن نہ تھا
- ۱۸۷ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امیت کے دلائل
- ۱۸۸ کفار مکہ نے راہبوں سے علمی استفادہ کا الزام نہیں لگایا
- ۱۹۰ شام کے تجارتی سفر کا پس منظر

- ۱۹۱ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تجارتی اسفار صحیح تناظر میں
- ۱۹۲ شام کا دوسرا سفر اور سطور اسے ملاقات کی اصلیت
- ۱۹۳ ان واقعات کا کم زور پہلو
- ۱۹۵ غیر معمولی باتوں کا اثر آپ پر کیوں نہیں ہوا؟
- ۱۹۶ آیات قرآنی سے واقعہ کی تغلیط
- ۱۹۷ علماء و محدثین کے نزدیک تجارتی اسفار اور حدیث کی حقیقت
- ۲۰۰ مستشرقین کے دعویٰ کی کم زوری
- ۲۰۲ حاصل بحث
- ۲۰۳ مآخذ و مراجع
- ۲۰۵ باب ہشتم: رسول اللہ کے غزوات اور ان کے محرکات
- ۲۰۶ ہجرت مدینہ پر رد عمل
- ۲۰۷ میثاق مدینہ کے ذریعہ مدینہ کے داخلی انتشار کا انسداد
- ۲۰۸ قریش کی دھمکی
- ۲۰۸ ارد گرد کے قبائل میں قریش مکہ کی پوزیشن مستحکم تھی
- ۲۰۹ زیارت خانہ کعبہ کے لیے مسلمانوں پر پابندی
- ۲۰۹ مسلمانوں کے لیے مدافعت جنگ کے علاوہ کوئی چارہ نہ تھا
- ۲۱۱ قریش مکہ کی جانب سے حملہ کی پہل
- ۲۱۱ قریش کی جنگی کارروائیوں کا پتہ لگانا
- ۲۱۲ غزوہ بدر کے اسباب
- ۲۱۳ ابوسفیان کے ذریعہ مسلمانوں پر دوبارہ حملہ
- ۲۱۵ بنو قریظہ کی معاہدہ شکنی اور اس کا انجام
- ۲۱۵ غزوہ احد
- ۲۱۶ مدینہ سے بنو نضیر کا اخراج
- ۲۱۷ غزوہ خندق میں قریش ان کے اتحاد میں کی شکست
- ۲۱۸ بنی قریظہ کی غداری کا انجام
- ۲۱۹ صلح حدیبیہ - فتح مبین

- ۲۲۰ فتح خیبر کے بعد یہودیوں کے فتنہ سے نجات ملی
- ۲۲۱ غزوہ موتہ
- ۲۲۲ فتح مکہ: مسلمانوں کی کامیابی کا شاندار مظاہرہ
- ۲۲۳ معرکہ خنین میں مسلمانوں کی کامیابی
- ۲۲۴ روم کے عیسائیوں سے معرکہ آرائی
- ۲۲۵ حاصل بحث
- ۲۲۵ مآخذ و مراجع
- ۲۲۷ باب نہم: الغرائیق العلیٰ کا افسانہ
- ۲۲۸ واقعہ غرائیق سے مستشرقین کی دل چسپی
- ۲۲۹ سورہ نجم کب نازل ہوئی؟
- ۲۳۱ کیا سورہ بنی اسرائیل اور سورہ حج کی آیتوں سے اس کی تائید ہوتی ہے؟
- ۲۳۳ سورہ نجم کی آیتوں سے اس کی تصدیق ہوتی ہے؟
- ۲۳۵ سورہ کا اختتام بھی دل دہلا دینے والا ہے
- ۲۳۶ اضافی جملے بے جوڑ ہیں
- ۲۳۷ واقعہ صحیح ہوتا تو تفصیلات میں تضاد نہیں ہوتا
- ۲۳۸ اس واقعہ کے ناقابل تسلیم ہونے کے مزید دلائل
- ۲۴۰ مآخذ و مراجع
- ۲۴۱ باب دہم: تعداد ازدواج کا مسئلہ
- ۲۴۱ تعداد ازدواج اور انبیائے سابقین
- ۲۴۲ مختلف مذاہب میں تعداد ازدواج
- ۲۴۳ قدیم ہندوستان میں تعداد ازدواج
- ۲۴۳ اسلام میں تعداد ازدواج کی اجازت
- ۲۴۴ اس رخصت کے اثرات و فوائد
- ۲۴۵ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازدواجی زندگی
- ۲۴۶ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کثرت ازدواج کی خصوصی رعایت
- ۲۴۷ کثرت ازدواج کا سبب اصحاب کی دل جوئی تھا

- ۲۴۹ اسلام کی توسیع اور عداوتوں کا خاتمہ
- ۲۴۹ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا ہر گوشہ امت کے سامنے آنا بھی ضروری تھا
- ۲۵۰ حسن معاشرت کا اظہار
- ۲۵۱ تعلیم دین کی اشاعت
- ۲۵۲ عام مسلمانوں کے مقابلے میں حضور کے لیے پابندیاں زیادہ تھیں
- ۲۵۳ اقتدار کے نشہ نے آپ کو تعدد از دواج پر نہیں ابھارا
- ۲۵۳ تعدد از دواج بعض صورتوں میں شدید ضرورت بن جاتی ہے
- ۲۵۳ تعدد از دواج کی ممانعت عورتوں کے حق میں بھی ظلم ہے
- ۲۵۵ اسلام کے تعدد از دواج کی اہمیت کا اعتراف
- ۲۵۶ مسلمان دوسری قوموں کی بہ نسبت تعدد از دواج پر عمل کم ہی کرتے ہیں
- ۲۵۸ حاصل بحث
- ۲۵۹ مآخذ و مراجع
- ۲۶۱ باب یازدہم: نکاح زینبؓ کی حقیقت
- ۲۶۲ حضرت زیدؓ اور زینبؓ
- ۲۶۳ زینبؓ کے ساتھ زیدؓ کا نکاح
- ۲۶۳ میاں بیوی میں کشیدگی
- ۲۶۳ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اس کشیدگی کا اثر
- ۲۶۵ عرب معاشرے میں منہ بولے بیٹے کی حیثیت
- ۲۶۶ حضور کا ارادہ نکاح نہ ظاہر کرنے کی ایک اور وجہ
- ۲۶۷ حضرت زینبؓ کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح
- ۲۶۸ نبی کے لیے نکاح کا پیغام لے کر زیدؓ ہی کیوں گئے؟
- ۲۷۰ اس نکاح کا ایک اور فائدہ
- ۲۷۱ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے زینبؓ سے ملاقات کے مواقع
- ۲۷۱ نکاح زینبؓ کے دور رس اثرات
- ۲۷۳ مآخذ و مراجع
- ۲۷۵ کتابیات

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حرف آغاز

اللہ تبارک و تعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت و فلاح کے لیے ہر دور میں انبیاء و رسل کو مبعوث کیا۔ انہوں نے لوگوں کے سامنے جس دین کو پیش کیا، وہ اسلام تھا۔ (آل عمران: ۱۹) اسی دین کو تکمیل تک پہنچانے کے لیے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کیا گیا۔ آپ نے کبھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ میں سابقہ انبیاء کی تعلیمات کی نفی کرنے آیا ہوں، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ یہی فرمایا کہ میں ان کی تصدیق و تائید کرنے اور ان میں درآئی تحریفات کی اصلاح کرنے آیا ہوں۔ چونکہ انبیائے کرام کی آمد اور بعثت کا سلسلہ تا قیامت بند ہو گیا، اس لیے اسی دین کو سارے جہان کے لوگوں کے لیے لازم ٹھہرایا گیا۔ (الشوریٰ ۱۳) دین اصل ہے، اس میں کبھی کوئی تبدیلی نہ ہوئی اور نہ ہوگی۔ البتہ شرع و منہاج یعنی دستور اور طریقہ میں فرق کیا جاتا رہا۔ لیکن جب دین اسلام کی تکمیل کا اعلان حجۃ الوداع کے موقع سے کر دیا گیا تو اب اس میں کسی طرح کی کوئی تبدیلی اور کمی بیشی قیامت تک نہ ہوگی۔ (المائدہ: ۳) اب جو شخص اسلام کے علاوہ کسی دوسرے طریقے (دین) پر عمل کرے گا وہ عند اللہ مقبول نہ ہوگا۔ (آل عمران: ۸۵)

قرآن کی تصریحات کے مطابق تمام پیغمبروں کو بشیرو نذیر بنا کر بھیجا گیا ہے۔ (النساء: ۱۶۵) لیکن ہم صحیح صورت حال اور ان کی تعداد کا اندازہ نہیں کر سکتے۔ قرآن کریم میں بعض انبیاء اور ان کی قوموں کے حالات بیان کیے گئے ہیں، ان میں سے کسی کا اختصار کے ساتھ اور کسی کا وضاحت سے ذکر ہوا ہے اور بعض کے متعلق صرف اشارہ کر دیا گیا ہے۔ (النساء: ۱۶۵) لیکن ان اولوالعزم پیغمبروں کی زندگی اور دعوتی جدوجہد کا تفصیلی جائزہ بھی نہیں لیا جاسکتا، کیوں کہ تاریخی رکارڈ دستیاب نہیں ہیں۔ خود حضرت موسیٰ اور عیسیٰ تاریخ کے اوراق میں ایسے گم ہو گئے ہیں کہ ہم

کو ان کے حالات سے پوری طرح واقفیت حاصل نہیں کر سکتے۔ توریت و انجیل میں ان کے بارے میں جو تفصیلات ملتی ہیں، ان کا کلی اعتبار بھی نہیں کیا جاسکتا، کیوں کہ یہ تحریف و تلمیس سے محفوظ نہ رہ سکیں۔ چوں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان پر ایمان لانے کا حکم دیا ہے (البقرہ: ۱۳۶) اس لیے ہم ان کا احترام کرتے اور انہیں عقیدت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد احادیث میں سابقہ انبیائے کرام کا ذکر بہت اچھے انداز میں کیا ہے اور ان سے اپنا تعلق بتایا ہے۔ ایک حدیث میں فرمایا:

”انبیاء باہم عطا کی بھائیوں کی طرح ہوتے ہیں، جن کا باپ ایک ہوتا ہے اور امیں الگ الگ ہوتی ہیں اور ان کا دین ایک ہے۔“

بعض دوسری احادیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”کسی بندہ کے لیے مناسب نہیں ہے کہ وہ کہے کہ حضرت محمدؐ حضرت یونس بن مثنیٰ سے بہتر ہیں۔“

”تم مجھے حضرت موسیٰ پر ترجیح نہ دو۔“

”تم بعض نبیوں کو دوسرے نبیوں سے افضل نہ کہو۔“

ایک موقع سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا:

”میری اور مجھ سے پہلے گزرے ہوئے نبیوں کی مثال اس عمارت کی سی ہے کہ جس طرح کسی نے ایک خوب صورت حسین و جمیل عمارت بنائی مگر ایک کونے میں ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی گئی، لوگ اس عمارت کو دیکھ کر حیرت کرتے اور کہتے ہیں کہ یہ اینٹ بھی کیوں نہ رکھ دی گئی۔ آپؐ نے فرمایا: وہ اینٹ میں ہوں اور میں خاتم النبیین ہوں۔“

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا کی واحد عظیم ہستی ہیں جو تاریخ کے روشن دور میں مبعوث کیے گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اور نبوی کارناموں کا گوشہ گوشہ منور ہے۔ احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اقوال سے تھوڑی دیر کے لیے صرف نظر کر لیا جائے تو صرف قرآن کریم سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا بخوبی علم حاصل ہو سکتا ہے۔ اسی وجہ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک سائل کے جواب میں فرمایا:

’جو کچھ قرآن میں فرمادیا گیا ہے، اس کی عملی تصویر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔‘ جب کہ

احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کے اقوال کی روشنی میں اس کی مزید وضاحت ہو جاتی ہے۔ سیرت اور تاریخ کی کتابوں میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اثرات و احوال کو کمال احتیاط کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ جس سے آپؐ کے نبی برحق اور خاتم النبیین ہونے میں شک و شبہ نہیں رہ جاتا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغی مساعی اور دنیا پر آپؐ کے ذریعے جو خوش گوار اثرات مرتب ہوئے، واضح ہو کر سامنے آ جاتے ہیں۔

لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ اس عظیم ہستی (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کو معاندین اسلام خاص طور سے یہود و نصاریٰ نے جس انداز سے تنقید کا نشانہ بنایا ہے اور ان پر تہمتیں دھری ہیں، دیبا رو یہ کسی اور نبی کے ساتھ تو کیا، کسی بھی بڑے آدمی کے ساتھ بھی اختیار نہیں کیا ہوگا۔ حالاں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت بھی منفرد اور نرالی انداز میں ہوئی ہے۔ دنیا میں جتنے بھی انبیاء آئے سب نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث کیے جانے کی بشارت دی ہے، تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اہمیت لوگوں کے دلوں میں بیٹھ جائے۔ بلکہ حضرت عیسیٰؑ نے تو اپنی قوم سے یہ بھی فرمایا تھا: جب تک میں اس دنیا سے نہیں جاؤں گا آخری نبی نہیں آئے گا۔ برتا باس کی انجیل میں حضرت عیسیٰؑ کا یہ فرمان قابل ملاحظہ ہے:

”تمام نبیوں نے جو ایک لاکھ چوالیس ہزار ہوئے ہیں، جنہیں خدا نے دنیا میں بھیجا، پردے میں (ابہام کے ساتھ) بات کی ہے۔ مگر میرے بعد تمام نبیوں اور قدوسوں کا سر تاج آئے گا اور تمام پردے کی (اجمالی) باتوں کو جو نبیوں نے کیس واضح کرے گا، کیوں کہ وہ خدا کا رسول ہے۔“

ہندوؤں کی مذہبی کتابوں میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور دنیا پر آپؐ کے اثرات کی وضاحت کی گئی ہے اور آپؐ کو آخری نبی کے طور پر متعارف کرایا گیا ہے۔ ’پران‘ میں ہے:

”محمدؐ کے ذریعہ تاریکی دور ہوگی اور علم و روحانیت پروان چڑھے گی۔“
وید میں کہا گیا ہے:

”احمدؐ عظیم شخص ہیں، سورج کے مانند اندھیرے کو ختم کرنے والے، انہیں کو جان کر آخرت میں کامیاب ہوا جاسکتا ہے۔“

زرتشت جس کا شمار قدیم مذاہب میں ہوتا ہے، اس میں بھی نبیؐ کی بعثت کا ذکر بہت واضح انداز میں ملتا ہے:

”میں نے دین مکمل نہیں کیا۔ میرے بعد ایک نبی آئے گا جو اس کی تکمیل کرے گا اور

اس کا نام رحمۃ اللعالمین ہوگا۔“

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں خاص طور پر یہود و نصاریٰ نے جس دریدہ دہنی اور کذب و بہتان کا سلسلہ شروع کیا تھا، اس کی آخری اور مضبوط شکل مستشرقین کا وجود میں آتا ہے۔ انہوں نے براہ راست اسلامی علوم کا مطالعہ کیا اور خاص طور سے سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو موضوع بحث بنایا۔ اس کے بعد ’جدید تحقیقات‘ کے نام سے ان کی جو کاوشیں منظر عام پر آئیں ان میں دانستہ یا ناقص معلومات کی مدد سے نہایت شاطرانہ طریقے سے اسلامی تعلیمات کا مذاق اڑایا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کو مکروہ بنا کر پیش کیا گیا ہے۔ تاکہ مسلمان اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت و کردار سے متعلق شکوک میں مبتلا ہو جائیں اور نئی نسل اپنے نبی اور ان کی پیش کردہ تعلیمات سے انحراف کرنے لگیں۔ ایسے لوگوں کی ایک لمبی فہرست ہے جنہوں نے سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر گفتگو کی ہے۔ اپنے منصوبے کو بار آور بنانے کے لیے اب مغرب جدید ذرائع ابلاغ کی مدد سے مختلف قسم کے جھکنڈے بھی استعمال کر رہا ہے اور بڑے پیمانے پر نبی کے متعلق غلط فہمی پھیلا رہا ہے۔

”کائنات کی کوئی اور شخصیت اس قدر موضوع گفتگو نہیں بنی، جس قدر کہ سرور کائنات

کی ہمہ پہلو شخصیت۔ عالم اسلام میں قلم ان کے عشق و مستی میں سرشار تو عالم عیسائیت کا قلم بغض و عناد میں ڈوبا ہوا۔ ابو جہل و ابولہب نے اگر انہیں شاعر و ساحر و مجنون و مفتون قرار دیا تو صادق و امین و حلیم و کریم بھی تسلیم کرتے تھے۔ لیکن مغرب کی نظریں عرب جاہلیہ کے تعادل سے بھی عاری تھیں۔ انہیں سوائے قح کے کوئی حسن نظر نہیں آتا۔ اپنی کور چشمی کو وہ ان کی شخصیت کا عکس سمجھے، اپنی ذہنی قح کو الفاظ میں ڈھالا

اور اسے سیرت نگاری تصور کرتے رہے۔“

بہ حیثیت داعی امت ہمارا فریضہ ہے کہ ان کے جارحانہ حملوں کا مثبت انداز میں دفاع کریں اور سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے گوشوں کو آشکارا کریں۔ اللہ کا شکر ہے کہ ایسے لوگوں کی دریدہ دہنی کا علمائے اسلام نے بہتر طریقے سے تعاقب کیا ہے۔ اسی سلسلے کی ایک ادنیٰ کوشش زیر نظر کتاب ”سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراضات کا جائزہ“ ہے۔ امید ہے کہ اس کے

ذریعہ ان غلط فہمیوں کا ازالہ ہوگا، جنہیں بالخصوص مغرب برسوں سے پھیلارہا ہے اور جن کی پیروی میں بعض وقت برا دران وطن بھی ہرزہ سرائی کرتے نظر آتے ہیں۔

کتاب کے پہلے باب میں عہد نبوی سے لے کر عصر حاضر تک سیرت رسول ﷺ پر جس طرح کے اعتراضات کیے گئے ہیں، اسے تاریخی تسلسل کے ساتھ بالا اختصار بیان کیا گیا ہے اور اس فرق کو بھی واضح کیا گیا ہے کہ عہد نبوی میں کفار و مشرکین اور یہود و نصاریٰ نے جو اعتراضات کئے وہ زیادہ تر جہالت پر مبنی تھے، اس کے برعکس بعد کے عہد میں جو اعتراضات کیے گئے ہیں اور جس کا سلسلہ ہنوز جاری ہے۔ دوسرے باب کے تحت بعض مشہور اعتراضات کو مستند حوالوں اور آثار و قرآن کی روشنی میں بے نقاب کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر جن لوگوں نے اعتراضات کیے ہیں خاص طور پر مستشرقین نے۔ اسے زیر نظر کتاب میں تفصیل سے قلم بند نہیں کیا گیا ہے، بلکہ مرکزی نکتہ کو ہی سامنے رکھا گیا ہے۔ تاہم کہیں کہیں بعض اعتراضات کے اقتباس بھی نقل کر دیے گئے ہیں۔ اگر تمام اعتراضات کو کتاب میں جگہ دی جاتی تو بحث طویل ہو جاتی اور اس کی ضخامت بہت بڑھ جاتی۔

کتاب کی ترتیب کے وقت مصنف کے پیش نظر یہ بات بھی رہی ہے کہ اسلامی تعلیمات اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال و کردار اور اقوال میں کوئی فرق نہیں ہے۔ بات اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کی ہوگی تو وہ قرآنی تعلیمات کے عین مطابق ہوگی اور اگر صرف اسلامی تعلیمات کو ہی موضوع بحث بنایا جائے گا تو اس کی وضاحت اسوۂ حسنہ سے ضرور ہوگی۔ کتاب میں جہاں کہیں بھی اس قسم کی گفتگو ہوئی ہے، اس سے مصنف کی مراد یہی ہے۔

زیر نظر کتاب کا بیش تر حصہ ملک و بیرون ملک کے موقر رسائل و جرائد (ششماہی جہات الاسلام، لاہور، پاکستان: جولائی-دسمبر ۲۰۰۸ء، ماہ نامہ ترجمان القرآن، لاہور، پاکستان: مئی ۲۰۱۰ء، ماہ نامہ دارالعلوم دیوبند: ستمبر-اکتوبر ۲۰۱۰ء، جنوری ۲۰۱۱ء، ماہ نامہ تہذیب الاخلاق، علی گڑھ: دسمبر ۲۰۱۰ء، ماہ نامہ القاسم، اکوڑہ خٹک پاکستان: اکتوبر-نومبر، ۲۰۱۰ء، ماہ نامہ ترجمان دارالعلوم، نئی دہلی: جنوری-مارچ ۲۰۱۱ء، ششماہی عالمی السیرۃ، پاکستان: فروری ۲۰۱۱ء، سہ ماہی مطالعات، دہلی: جولائی-ستمبر ۲۰۱۱ء، ماہ نامہ معارف قاسم، دہلی: فروری-مارچ ۱۰۱۲ء) وغیرہ میں شائع ہو چکا ہے۔ اس پر بعض احباب نے خوشی کا اظہار کیا اور اسے وقت کی ایک اہم

ضرورت قرار دینے کے ساتھ اسے کتابی صورت میں شائع کروانے کا مشورہ دیا۔

ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی (سکریٹری تصنیفی اکیڈمی، مرکز جماعت اسلامی، نئی دہلی) مولانا محمد جرمیں کریمی (رکن ادارہ تحقیق و تصنیف اسلامی، علی گڑھ) ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی (استاذ فارسی) اور ڈاکٹر جمشید احمد ندوی (شعبہ عربی) علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میرے شکریے کے مستحق ہیں کہ ان لوگوں نے کتاب کی ترتیب و تہذیب اور تصحیح میں میری مدد کی اور مفید مشوروں سے نوازا۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل میں اس حقیر کوشش کو قبول عام عطا کرے اور اپنی رحمت سے میری کوتاہیوں اور لغزشوں کو درگزر فرمائے۔ (آمین)

محمد شمیم اختر قاسمی

باب اوّل

سیرت نبوی ﷺ پر اعتراضات کا تاریخی جائزہ

قرآن مجید کی تعلیمات اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کو معاندین اسلام خاص طور پر یہود و نصاریٰ نے جس انداز سے تاریخ کے ہر دور میں ہدف تنقید بنایا و یا رویہ کسی اور کتاب اور نبی کے ساتھ نہیں اختیار کیا گیا۔ حالاں کہ سابقہ انبیاء کی تعلیمات منسوخ ہو گئیں اور وہ قابل اتباع نہ رہیں۔ اس کے باوجود معاندین اسلام ان کی اسلام پر اہمیت جتانے کے لیے پیہم جدوجہد کر رہے ہیں اور پورے شجرہ اسلام کو مشکوک ٹھہرانے میں لگے ہوئے ہیں۔ ایسے لوگوں کی ہرزہ سرائی کا ایک طویل سلسلہ ہے۔ مروجہ زمانہ کے ساتھ ان کے اعتراضات کی نوعیت میں بھی اتارو چڑھاؤ ہوتا رہا ہے۔ جب کہ چودہ سو سال گزرنے کے بعد بھی آپ کی سیرت روز روشن کی طرح عیاں ہے اور اس کی تفصیلات کتب معتبرہ میں موجود ہیں۔

اعلان نبوت اور کفار مکہ کا ردِ عمل

چالیس سال کی عمر میں آپ کو نبوت کے عظیم منصب پر فائز کیا گیا۔ ابتدائی تین سالوں تک آپ نے خفیہ دعوت و تبلیغ کا فریضہ انجام دیا۔ اولین اسلام لانے والوں میں چار آدمی شامل ہیں: آزاد مردوں میں سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اسلام لائے۔ عورتوں میں حضرت خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا، غلاموں میں زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ اور بچوں میں حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا۔ (۱) ابتدائی عہد میں اور بہت سے لوگوں کے اسلام قبول کرنے کی شہادت ملتی ہے، جن کے نام اور ان کے قبول اسلام کی تفصیل کتب سیرت میں موجود ہے۔ (۲) ایک دوسری روایت سے یہ بھی پتا چلتا ہے کہ اس کے بعد مرد اور عورتیں

جماعت در جماعت اسلام میں داخل ہونے لگے، یہاں تک کہ مکہ میں اسلام کا ذکر پھیل گیا اور لوگوں میں اس کا چرچا ہونے لگا۔ (۳)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بچپن سے جوانی تک پوری کی پوری عمر مکہ میں گزاری۔ قریش مکہ شروع سے ہی آپ کی شرافت و دیانت داری کے نہ صرف معترف تھے، بلکہ اپنی امانتیں بھی آپ کے پاس جمع رکھتے تھے۔ یہ لوگ اپنے بعض امور میں آپ کو ہی اپنا حکم بناتے اور آپ کے فیصلے کو تسلیم کرتے تھے۔ ان سب خصوصیات کے باوجود جب آپ نے اپنی نبوت کا اعلان کیا تو یہ سب آپ کی نبوت کی تکذیب کرنے لگے۔ اس کا پہلا عمومی مظاہرہ اس وقت ہوا جب آپ کوہ صفا کی چوٹی پر تشریف لے گئے اور قریش کے اعیان و اشراف کو نام بہ نام پکارا اور اپنے قریب بلایا۔ آپ کی آواز سن کر سارے لوگ آپ کے گرد جمع ہو گئے۔ آپ نے اس وقت نہایت مؤثر انداز میں دین کی دعوت پیش کی۔ آپ کی ان باتوں کو سن کر سارا مجمع حیرت میں پڑ گیا اور آپس میں تبصرہ کرنے لگا کہ محمد کو کیا ہو گیا ہے؟ وہ ایسی بہکی باتیں کر رہا ہے؟ انھیں چہمی گویوں کے ساتھ سارے لوگوں نے اپنی اپنی راہ لی۔ اس موقع پر ابولہب بھی وہیں موجود تھا، اس نے بڑے سخت الفاظ میں کہا: 'غارت ہو، کیا تو نے اسی بات کے لیے ہمیں جمع کیا تھا۔' (۴) اس کے بعد کفار مکہ نے آپ کی نبوت اور آپ کے کام کی مخالفت شروع کر دی۔

مخالفت کی وجوہات

اللہ کے رسولؐ نے قریش مکہ کے سامنے اپنی نبوت کے جوفرائض بیان کیے وہ کوئی ایسے نہ تھے جن سے وہ ناواقف ہوں اور اس کی اہمیت و افادیت سے بے خبر تھے۔ آپ نے ان سے وہی کہا جو انبیائے سابقین اپنی قوم سے کہا کرتے تھے۔ یہی وہ باتیں تھیں جنہیں حضورؐ آخر وقت تک لوگوں کے سامنے پیش کرتے رہے۔ یہ امر بھی مسلم ہے جس کو انبیاء کی تاریخ بھی بتاتی ہے اور جس کی تائید عہد نبوی کے عیسائی عالم ورقہ بن نوفل کے بیان سے بھی ہوتی ہے کہ ہر نبی کی دعوت کو شروع میں اس کی قوم نے جھٹلایا اور ان کی تعلیمات کا مذاق اڑایا ہے۔ (۵) چنانچہ کفار مکہ کی مخالفت کی وجوہات تلاش کی جائیں تو مندرجہ ذیل باتیں سامنے آتی ہیں:

۱۔ غیر تربیت یافتہ اور تمدن ختموں کا خاصہ ہے کہ کوئی تحریک، جوان کے آبائی رسم و رواج

اور عقائد کے خلاف ہو، ان کو سخت برہم کر دیتی ہے۔ اس کے ساتھ ان کی مخالفت محض زبانی نہیں ہوتی اور ان کی عقلی انتقام کو خون کے سوا کوئی چیز بجا نہیں سکتی۔ عرب ایک مدت سے بت پرستی میں مبتلا تھا، غلیل بت شکن کی یادگار (کعبہ) تین سو ساٹھ معبودوں سے مزین تھی، جو ان کے عقیدے کے مطابق ہر قسم کے خیر و شر کے مالک تھے، اولاد دیتے تھے، معرکہ ہائے جنگ میں فتح دلاتے تھے (اور ان میں ہبل خدائے عظیم تھا)۔ خدایا تو سرے سے موجود نہ تھا یا تھا تو وجود معطل تھا۔

۲۔ اسلام کا اصل فرض اس طلسم کو دفعتاً برباد کر دیتا تھا، لیکن اس کے ساتھ قریش کی عظمت و اقتدار اور عالم گیر اثر کا بھی خاتمہ تھا۔ اس لیے قریش نے شدت سے مخالفت کی اور ان میں جن لوگوں کو جس قدر زیادہ نقصان پہنچنے کا اندیشہ تھا، اسی قدر مخالفت میں زیادہ سرگرم تھے۔ اپنے جاہ و منصب کی بنا پر قریش کا خیال تھا کہ نبوت کا منصب بھی اگر کسی کو ملتا تو مکہ یا طائف کے کسی رئیس کو ملتا۔ عرب میں ریاست کے لیے دولت اور اولاد زینہ سب سے اہم چیز تھی اور حضور ان سے محروم تھے۔

۳۔ ابرہہ اشرم نے کعبہ کو ڈھانے کے ارادے سے جو ذلیل حرکت کی تھی، اس سے قریش کے دل میں عیسائیت سے سخت نفرت ہو گئی تھی۔ اسلام اور نصرانیت میں بہت سی باتیں مشترک تھیں۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ اس زمانہ میں اسلام کا قبلہ بیت المقدس تھا۔ ان اسباب سے قریش کو خیال ہوا کہ آں حضرت عیسائیت قائم کرنا چاہتے ہیں۔

۴۔ آپ کی مخالفت میں خاندانی رقابت کا بھی بڑا دخل تھا۔ قریش میں دو قبیلے بڑے اہم اور ایک دوسرے کے حریف تھے۔ بنو ہاشم اور بنو امیہ۔ پہلے تو بنی ہاشم کا پلا بھاری تھا مگر ہاشم کے انتقال کے بعد بعض وجوہ سے ان کا اثر و رسوخ کم ہوتا جا رہا تھا اور بنو امیہ کا قبیلہ عروج حاصل کر رہا تھا۔ آں حضرت کی نبوت کو خاندان بنی امیہ اپنے رقیب (ہاشم) کی فتح خیال کرتا تھا۔ اس لیے سب سے زیادہ اسی قبیلہ نے محمد کی مخالفت کی۔ ابوسفیان کی دشمنی معروف ہے، وہ اسی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ عقبہ بن ابی معیط جو حضور کا شدید دشمن تھا، اموی تھا۔ قبیلہ بنو مخزوم میں ولید بن مغیرہ اسی خاندان کا رئیس تھا، اس کی بھی عداوت مشہور ہے۔ یہ قبیلہ بھی بنو ہاشم کی برابری کا

دعویٰ کرتا تھا۔ اس لیے دشمن قبیلہ یہ برداشت کرنے کو تیار نہ تھا کہ قبیلہ بنو ہاشم پھر سے اثر و رسوخ حاصل کرے اور نبوت کا دعویٰ کرے۔

۵۔ مخالفت کے اسباب میں بد اخلاقی کو بھی بڑا دخل تھا۔ تمام رؤسا بد اخلاقی کے حد درجہ دل دادہ تھے۔ جھوٹ، چوری، زنا کاری کے علاوہ اولاد کے قتل کرنے میں بھی دریغ نہ کرتے تھے۔ اللہ کے رسولؐ نے ایک طرف بت پرستی کی برائیاں بیان کیں تو دوسری طرف ان بد اخلاقیوں پر سخت دار و گیر کرتے تھے۔ جس سے ان کی عظمت و اقتدار کی شاہنشاہی متزلزل ہوتی جاتی تھی۔

لیکن مخالفت کی جو سب سے بڑی وجہ تھی اور جس کا اثر تمام قریش بلکہ تمام عرب میں یکساں تھا، وہ یہ تھی کہ جو معبود سیکڑوں برس سے عرب کے حاجت روائے عام تھے اور جن کے آگے وہ ہر روز پیشانی خم کرتے تھے، اسلام ان کا نام و نشان مٹا دینا چاہتا تھا۔ (۶)

نبیؐ ان کے بتوں کی بے وقعتی اور بے چارگی کا جس طرح بھانڈا پھوڑ رہے تھے، اس سے یہ لوگ حد درجہ بوکھلائے ہوئے تھے۔ ان معبودان باطل پر ان کا یہاں تک اعتقاد تھا اور وہ لوگ اس خوش فہمی میں مبتلا تھے کہ محمدؐ جو ہمارے بتوں کی برائی بیان کر رہا ہے، یقیناً یہ معبود اس کی اس ناشائستہ حرکت پر گرفت کریں گے۔ مگر انہوں نے جو سوچا، ویسا کچھ بھی نہ ہوا تو بجائے اس کے کہ وہ ان باطل خداؤں سے بے زاری ظاہر کرتے، حضورؐ کی مخالفت پر کمر بستہ ہو گئے۔ (۷)

نبوت بشریت کے منافی ہے

نبیؐ کی نبوت کا انکار کرتے ہوئے قریش مکہ نے کہا بھلا وہ آدمی کیسے اتنا عظیم مرتبہ حاصل کر سکتا ہے جو کل تک ہمارے ساتھ کھاتا پیتا تھا، ہماری مجلسوں میں اٹھتا بیٹھتا تھا، بازاروں میں آمد و رفت کرتا تھا۔ اس کام کے لیے کوئی دوسری شخصیت ہوتی ہے جو انسانوں میں سے نہیں ہوتی۔ کفار مکہ کے اس اعتراف کا ذکر قرآن میں اس طرح کیا گیا ہے:

وَقَالُوا مَالِ هَذَا الرَّسُولِ يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِي فِي الْأَسْوَاقِ ۚ
(الفرقان: ۷)

”اور کہتے ہیں یہ کیسا رسول ہے جو کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے۔“

قرآن کفار مکہ کے اس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے کہتا ہے:

قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ (الم سجدہ: ۶)

”اے نبی! ان سے کہو، میں تو ایک بشر ہوں تم جیسا۔“

ایک اور مقام پر کفار مکہ کے اعتراض کا جواب دیتے ہوئے اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا:

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ أَنْ يُؤْمِنُوا إِذْ جَاءَهُمُ الْهُدَىٰ إِلَّا أَنْ
قَالُوا أَبَعَثَ اللَّهُ بَشَرًا رَسُولًا ۖ قُلْ لَوْ كَانَ فِي الْأَرْضِ
مَلَائِكَةٌ يَمْنُونَ مُمْطِنِينَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِم مِّنَ السَّمَاءِ مَلَكًا
رَّسُولًا ۗ (نبی اسرائیل: ۹۵، ۹۴)

”لوگوں کے سامنے جب کبھی ہدایت آئی تو اس پر ایمان لانے سے ان کو کسی چیز نے
نہیں روکا مگر ان کے اسی قول نے کہ کیا اللہ نے بشر کو پیغمبر بنا کر بھیج دیا۔ ان سے کہو،
اگر زمین میں فرشتے اطمینان سے چل پھر رہے ہوتے تو ہم ضرور آسمان سے کسی
فرشتے ہی کو ان کے لیے پیغمبر بنا کر بھیجتے۔“

کفار کے باطل نظریات اور خیالات کی تردید میں قرآن میں یہ صراحت موجود ہے:

وَمَا أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِينَ إِلَّا إِنَّهُمْ لَيَأْكُلُونَ الطَّعَامَ
وَيَمْشُونَ فِي الْأَسْوَاقِ ۖ (الفرقان: ۲۰)

”اے نبی! تم سے پہلے جو رسول بھی ہم نے بھیجے تھے وہ سب بھی کھانا کھانے
والے اور بازاروں میں چلنے پھرنے والے لوگ ہی تھے۔“

رسالت کا انکار

شروع سے ہی آپؐ بے داغ شخصیت کے مالک تھے اور آپؐ کی ہر بات کو لوگ اہمیت
دیتے تھے، مگر جب آپؐ نے اپنی رسالت کا اعلان کیا تو ان لوگوں نے سرے سے آپؐ کے نبی
ہونے کا ہی انکار کر دیا۔ آپؐ اپنی رسالت کی تصدیق کے لیے قرآن سے دلائل پیش کرتے، اس
کے جواب میں کفار مکہ کہتے رسول ایسی بے ٹکی باتیں نہیں کہتا۔ چنانچہ آپؐ کی رسالت کی توثیق

کرتے ہوئے اور منکرین کے اعتراضات کے جواب میں حق تعالیٰ نے فرمایا:

يَسْ ۙ وَالْقُرْآنِ الْحَكِيمِ ۝ إِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ ۝ (یس: ۱-۳)
 ”یس، تم قرآن حکیم کی کہ تم یقیناً رسولوں میں سے ہو۔“

قرآن کریم کا انکار

قرآن کریم بے شمار خصوصیات کی حامل کتاب ہے۔ اس کی خوبی یہ بھی ہے کہ جو کوئی اس کی آواز پر کان دھرتا ہے تو وہ سیدھا اس کی طرف کھنچا چلا آتا ہے اور اس سے قلب و ذہن کو سرور حاصل ہوتا ہے۔ جب بھی قرآنی الفاظ کفار و مشرکین کے کانوں میں پڑتے تو نہ جیابے کے باوجود بھی بعض لوگ اس کو سننے کی کوشش کرتے۔ چنانچہ اس کی اثر آفرینی سے انہیں یہ خطرہ لاحق ہوا کہ اگر یہی حال رہا تو مبادا سارے لوگ اسلام کی گود میں نہ داخل ہو جائیں۔ اس لیے اس کے اثر کو لوگوں کے درمیان کم یا ختم کرنے کے لیے انہوں نے اس کے متعلق مختلف قسم کی باتیں کہیں۔ قرآن مجید نے ان کی ان باتوں کا کئی مقام پر نہ صرف تذکرہ کیا ہے، بلکہ اس کا جواب بھی بڑے خوب صورت انداز میں دیا ہے:

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنَّ هَذَا إِلَّا إِفْكُ افْتَرَاهُ وَأَعَانَهُ عَلَيْهِ قَوْمٌ آخَرُونَ ۖ فَقَدْ جَاءُوا ظُلْمًا وَزُورًا ۖ وَقَالُوا آسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ۖ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلَىٰ عَلَيْهِ بُكْرَةً ۖ وَأَصِيلًا ۖ قُلْ أَنْزَلَهُ الَّذِي يَعْلَمُ السِّرَّ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ إِنَّهُ كَانَ غَفُورًا رَحِيمًا ۝ (الفرقان: ۲-۶)

”جن لوگوں نے نبی کی بات ماننے سے انکار کر دیا ہے وہ کہتے ہیں کہ یہ (قرآن) ایک من گھڑت چیز ہے، جسے اس شخص نے آپ ہی گھڑ لیا ہے اور کچھ دوسرے لوگوں نے اس کام میں اس کی مدد کی ہے، بڑا ظلم اور سخت جھوٹ ہے جس پر یہ لوگ اتر آئے ہیں۔ کہتے ہیں یہ پرانے لوگوں کی لکھی ہوئی چیزیں ہیں جنہیں یہ شخص نقل کراتا ہے اور وہاں سے صبح و شام سنائی جاتی ہیں۔ اے نبی! ان سے کہو کہ اسے نازل کیا ہے اس نے

جوز میں وآسمان کا مجید جانتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ بڑا غفور و رحیم ہے۔“

أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ ۚ قُلْ إِنِ افْتَرَيْتُهُ فَلَا تَمْلِكُونَ لِي مِنَ
اللَّهِ شَيْئًا (الاحقاف: ۸)

”کیا ان کا کہنا یہ ہے کہ رسولؐ نے اسے خود گھڑ لیا ہے، ان سے کہا اگر میں نے اسے
خود گھڑ لیا ہے تو تم مجھ کو خدا کی پکڑ سے کچھ بھی نہ بچا سکو گے۔“

ایک نبی جس کو کتاب ہدایت سے نوازا گیا، عمر کے ایک خاص حصے تک لوگوں کی فلاح
اور بھلائی کا کام کرتا رہا، لیکن جب پیغام نبوت کو وسیع کرنے کی بات آئی تو اس کے متعلق خرافات
وضع کیے اور اس کی اہمیت کو گھٹانے کی کوشش کرنے لگے۔ ان کی اس لا حاصل جدوجہد پر کڑی
ضرب لگاتے ہوئے اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا:

مَنْ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَوْ قَالَ أُوحِيَ إِلَيَّ وَلَمْ يُوحَ إِلَيْهِ
شَيْءٌ ۖ

”اور اس شخص سے بڑا ظالم اور کون ہوگا جو اللہ پر بہتان گھڑے، یا کہے کہ مجھ پر
وحی آتی ہے، دراصل حالے کہ اس پر کوئی وحی نازل نہ کی گئی ہو۔“

حضور اکرمؐ نوشت و خواند سے واقف نہ تھے۔ اس بات کا علم کفار مکہ کو بھی تھا۔ پھر یہ
کیسے ممکن تھا کہ اللہ کے رسولؐ اتنا جامع اور ادبیت و اعجاز سے بھرپور کلام وضع کر کے اسے اللہ کی
طرف منسوب کرتے۔ اس میں کفار مکہ یہ اضافہ کرتے کہ دراصل قرآن سابقہ آسمانی کتابوں کی
تعلیمات سے اخذ کیا ہوا ہے جسے محمدؐ نے اہل کتاب کے پڑھے لکھے لوگوں سے سیکھ کر تیار کیا ہے۔
حقیقت واقعہ یہ ہے یہ لوگ ایک طرف قرآن مجید کو محمدؐ کی تصنیف قرار دیتے تھے تو دوسری طرف وہ
یہ بھی کسی نہ کسی طرح مانتے تھے کہ یہ انسانی کلام نہیں ہے۔ (۸) اس اعتراف کے باوجود کفار مکہ
قرآن کے ساتھ کیا رویہ اختیار کرتے، اس کے متعلق قرآن میں ہی یہ صراحت موجود ہے:

لَا تَسْمَعُوا لِهَذَا الْقُرْآنِ وَالْعَوَا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَعْلَمُونَ ۝

(حم السجہ: ۲۶)

”اس قرآن کو سنو ہی مت اور جب یہ سنایا جائے تو اس میں غلط ڈالو، شاید کہ اسی طرح تم غالب آ جاؤ۔“

کاہن ہونے کا الزام

جو کچھ اللہ کی طرف سے آپ پر نازل ہوتا، اسے دوسروں تک پہنچانے کے لیے آپ تمام لوگوں سے ملتے۔ اپنی گفتگو کو مزید مستحکم کرنے کے لیے انبیائے سابقین کی قوم کی بد اعمالیوں اور گمراہیوں کا حوالہ دیتے اور اس نا فرمانی کی وجہ سے جو عذاب الہی ان پر نازل ہوا اس سے بھی آپ خبردار کرتے۔ اس سے پہلے کہ لوگ آپ کی باتوں کو دھیان سے سنتے اور اس سے عبرت و نصیحت حاصل کرتے، مشرکین یہ کہہ کر اسے بے اثر کر دیتے کہ آپ تو کاہن ہیں، اس لیے کہ آپ گزرے زمانے کی باتیں بیان کرتے ہیں۔ قرآن نے ان کی ان مہمل باتوں کا جواب اس طرح دیا ہے:

فَذَكِّرْ فَمَا أَنْتَ بِنِعْمَتِ رَبِّكَ بِكَاهِنٍ وَلَا مَجْنُونٍ ﴿٢٩﴾ (الطور: ۲۹)
 ”پس اسے نبی، تم نصیحت کیے جاؤ، اپنے رب کے فضل سے نہ تم کاہن ہو اور نہ مجنون۔“

مجنون ہونے کا الزام

ایسا بھی ہوتا کہ آپ کفار و مشرکین کو جو کچھ کہتے یا سناتے اسے وہ بغور سنتے، مگر جیسے ہی کوئی بات ان کے منشا اور مرضی کے خلاف ہوتی، فوراً اس کی تردید کرنے لگتے اور اس سے آگے بڑھ کر پاگل اور مجنون کا ہر بونگ مچاتے ہوئے اپنی راہ لیتے۔ اس سلسلے میں قرآن میں یہ صراحت ملتی ہے:

وَإِنْ يَكَادُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَيُزْلِقُونَكَ بِأَبْصَارِهِمْ لَمَّا سَمِعُوا الذِّكْرَ وَيَقُولُونَ إِنَّهُ لَمَجْنُونٌ ﴿٥١﴾ (القم: ۵۱)
 ”جب یہ کافر لوگ کلام نصیحت (قرآن) سنتے ہیں تو تمہیں ایسی نظروں سے دیکھتے ہیں کہ گویا تمہارے قدم اکھاڑ دیں گے، اور کہتے ہیں کہ یہ ضرور دیوانہ ہے۔“

وَقَالُوا يَا أَيُّهَا الَّذِي نَزَّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ إِنَّكَ لَمَجْنُونٌ ﴿٢٠﴾ (الحج: ۲۰)

”اور کہتے ہیں اے وہ شخص جس پر قرآن نازل ہوا ہے، بے شک تو یقیناً دیوانہ ہے۔“

جادوگر ہونے کا الزام

کفار مکہ کی شدید مخالفت کے باوجود آئے دن لوگ حلقہ اسلام میں داخل ہو رہے تھے۔ اس وقت مخالفین مکہ کی جو ذہنی کیفیت تھی اس کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ وہ بوکھلائے ہوئے لہجے میں کہتے: یقیناً آپ جادوگر ہیں اور جس پر چاہتے ہیں جادو کر دیتے ہیں۔ ان کے اس رویہ کا ذکر قرآن اس طرح کرتا ہے:

وَعَجَبُوا أَنْ جَاءَهُمْ مُنْذِرٌ مِنْهُمْ ۖ وَ قَالَ الْكَافِرُونَ هَذَا
سِحْرٌ كَذَّابٌ ﴿٣﴾ (ص: ۳)

”ان لوگوں کو اس بات پر بوجھ ہوا کہ ایک ڈرانے والا خود انہیں میں کا آگیا۔
مکرمین کہنے لگے یہ ساحر ہے، سخت جھوٹا ہے۔“

شاعر ہونے کا الزام

قریش مکہ کو اپنی زبان پر بڑا ناز تھا۔ اس کے مقابلے میں کسی اور زبان کو اہمیت نہ دیتے تھے۔ جب حضور ان کے سامنے قرآنی آیات تلاوت کرتے تو اس کی فصاحت و بلاغت اور اس کے اعجاز و انداز سے چونک پڑتے اور سوچنے پر مجبور ہو جاتے کہ ایک امی اس قدر عمدہ کلام کیسے پیش کر سکتا ہے، ہونہ ہو آپ شاعر ہیں، اس لیے ایسا ادبیت سے رچا بسا کلام پیش کرتے ہیں۔ چنانچہ وہ لوگ کلام الہی کی معنویت کو گھٹانے کے لیے کہتے:

بَلَىٰ هُوَ شَاعِرٌ ﴿٥﴾ (الانبياء: ۵)

”بلکہ یہ شخص شاعر ہے۔“

ابتر ہونا

نبی اکرم کی کوئی اولاد نہ رہنے نہ رہی، ایام طفلی میں ہی ان کا انتقال ہو گیا۔ آپ کی

شخصیت کو مجروح کرنے کے لیے کفار مکہ نے اسے بھی نشانہ بنایا اور کہا کہ اللہ تعالیٰ ان سے ناراض ہیں، اس لیے کسی اولاد زینہ کو زندہ رہنے نہ دیا۔ لڑکا تو بڑھا پے کا سہارا ہوتا ہے، اس سے ہی باپ، دادا اور خان دان کا نام روشن ہوتا ہے۔ اس لیے آپ کا تعلق سماج سے کٹ گیا ہے۔ مکہ کے سردار عاص بن وائل سہمی کے سامنے جب رسول اللہ کا ذکر کیا جاتا تو وہ کہتا اچی چھوڑو انہیں وہ تو اہتر ہیں، مرجائیں گے تو کوئی نام لیوا نہیں رہے گا۔ (۹) قرآن میں اس غلط نظریہ کی تغلیط اس طرح کی گئی ہے:

إِنَّا آعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ ۖ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ۚ إِنَّ شَانِئَكَ
هُوَ الْأَبْتَرُ ۚ

(الکوثر: ۱-۳)

”اے نبی! ہم نے تمہیں کوثر عطا کر دیا، پس تم اپنے رب ہی کے لیے نماز پڑھو اور قربانی کرو، تمہارا دشمن ہی جڑ کاٹا ہے۔“

اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تنہا چھوڑ دیا ہے؟

حضور کی ایک خاص صفت یہ تھی کہ آپ تنہائی کو زیادہ پسند کرتے، تاکہ یکسوئی سے اپنے رب کے حضور راز و نیاز کر سکیں۔ بلا ضرورت آپ ادھر ادھر نہ جاتے تھے۔ نبوت سے سرفراز کیے جانے کے بعد بھی دین کی تبلیغ کے لیے عموماً تنہا ہی جاتے۔ خانہ کعبہ میں بھی تنہا ہی عبادت کرتے تھے۔ حالاں کہ آپ کے اصحاب اور جاں نثاروں کی کمی نہ تھی۔ اس تنہائی اور اکیلا پن کو کفار مکہ نے غلط جامہ پہنایا۔ ایک مرتبہ آپ کسی جسمانی تکلیف میں مبتلا ہوئے تو دو تین دن تک رات کے آخری حصے میں بیدار ہو کر مصروف عبادت نہ ہوئے، یا کسی وجہ سے جبرئیل امین وحی لے کر نہ آئے۔ اس پر ام جمیل نے آپ کو طعنہ دیا کہ اے محمد میں دیکھتی ہوں کہ تمہارے شیطان (جبرئیل امین) نے تمہیں تنہا چھوڑ دیا ہے، دو تین رات سے وہ نہیں آتے ہیں۔ مشہور روایت کے مطابق اللہ تبارک و تعالیٰ نے اسی طعن کے جواب میں سورہ الضحیٰ نازل کی، (۱۰) جس میں فرمایا گیا ہے:

وَالضُّحَىٰ ۚ وَاللَّيْلِ إِذَا سَجَىٰ ۚ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ ۖ وَمَا قَلَىٰ ۚ
وَلِلْآخِرَةِ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْأُولَىٰ ۚ وَتَسْوَفُ يُعْطِيكَ رَبُّكَ

فَقَرَضْنِي ۖ اَلَمْ يَحْذَرَ يَتِيمًا قُلُوْبِي ۖ وَوَجَدَكَ ضَالًّا
فَهَلَيْ ۖ وَ وَجَدَكَ غَافِلًا فَاَعْلَىٰ ۖ فَاَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا
تَقْمَرُ ۖ وَ اَمَّا السَّاهِلَ فَلَا تَنْهَرُ ۖ وَ اَمَّا بِرِيْعَمَ رَبِّكَ
فَحَدِّثْ ۖ (النبي: ۱-۱۱)

”قسم ہے روز روشن کی اور رات کی جب کہ وہ سکون کے ساتھ طاری ہو جائے۔
(اے نبیؐ) تمہارے رب نے تم کو ہرگز نہیں چھوڑا اور نہ وہ ناراض ہوا اور یقیناً
تمہارے لیے بعد کا دور پہلے دور سے بہتر ہے اور عنقریب تمہارا رب تم کو اتنا
دے گا کہ تم خوش ہو جاؤ گے، کیا اس نے تم کو یتیم نہیں پایا اور پھر ٹھکانہ فراہم کیا اور
تمہیں نادانف راہ پایا اور پھر ہدایت بخشی اور تمہیں نادار پایا اور پھر مال دار
کر دیا، لہذا یتیم پر سختی نہ کرو اور سائل کو نہ جھڑکو اور اپنے رب کی نعمت کا اظہار کرو۔“

مطالبہ معجزات

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نچا دکھانے کے لیے بعض وقت یہ لوگ آپ سے کہتے کہ اگر
واقعی آپ نبی ہیں اور اللہ کے محبوب ہیں تو ہمیں کوئی ایسا معجزہ دکھائیے جسے نہ ہماری آنکھوں نے کبھی
دیکھا اور نہ کانوں نے کبھی سنا ہو۔ حالاں کہ ان کے سامنے قرآن مجید کھلا ہوا معجزہ تھا۔ معجزات کے
ضمن میں ان کے جو مطالبات تھے، اس پر قرآن کریم میں اس طرح روشنی ڈالی گئی ہے:

وَ قَالُوا لَنْ لَّوْمٍ لَّكَ حَتَّىٰ تَنْجِرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَكْبُوعًا ۖ
اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَ عِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهَارَ
خِلَالَهَا تَفْجِيْرًا ۖ اَوْ تُسْقِطَ السَّمَاءُ كَمَا زَعَمَتْ عَلَيْنَا
كِسْفًا اَوْ تَاْتِي بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا ۖ اَوْ يَكُوْنَ لَكَ بَيْتٌ
مِّنْ زُخْرَفٍ اَوْ تَرْفِي فِي السَّمَاءِ ۚ وَلَنْ لَّوْمٍ لِّرَقِيْكَ حَتَّىٰ
نَنْزِلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نُّقْرُوْهُ ۚ (نبي اسراء: ۹۰-۹۳)

”اور انہوں نے کہا: ہم تیری بات نہ مانیں گے یہاں تک تو ہمارے لیے زمین

کو پھاڑ کر ایک چشمہ جاری کر دے، یا تیرے لیے مجھوروں اور انگوروں کا ایک باغ پیدا ہو اور تو اس میں نہریں جاری کر دے، یا تو آسمان کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے ہمارے اوپر گرادے جیسا کہ تیرا دعویٰ ہے، یا خدا اور فرشتوں کو رو در رو ہمارے سامنے لے آئے، یا تیرے لیے سونے کا ایک گھر بن جائے، یا تو آسمان پر چڑھ جائے اور تیرے چڑھنے پر بھی ہم یقین نہ کریں گے جب تک تو ہمارے اوپر ایک ایسی تحریر نہ اتار لائے جسے ہم پڑھیں۔“

کفار مکہ نے بیک وقت کئی معجزات طلب کر ڈالے، جو منشاء نبوت کے خلاف تھا۔ اللہ کے رسول ان کو ہدایت کا راستہ دکھانے کے لیے آئے تھے، نہ کہ ان کی خواہشات کی پیروی کرنے۔ ان کے سوالوں کے جواب میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا:

وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِنْ رَبِّهِ قُلْ إِنَّ اللَّهَ يُضِلُّ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي إِلَيْهِ مَنْ أُنَابَ ۖ (الرعد: ۲۷)

”یہ لوگ جنہوں نے (رسالت محمدی کو ماننے سے) انکار کر دیا ہے، کہتے ہیں اس شخص پر اس کے رب کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نہ اتری، کہو، اللہ جسے چاہتا ہے گمراہ کر دیتا ہے اور وہ اپنی طرف آنے کا راستہ اسی کو دکھاتا ہے جو اس کی طرف رجوع کرے۔“

جو سوالات اور مطالبات کفار نے حضور سے کیے، اس سے ان کا منشا ہرگز یہ نہ تھا کہ اگر یہ پورے ہو جائیں تو وہ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لے آئیں گے، بلکہ یہ ان کا تمسخر تھا، اسی زعم میں انہوں نے اللہ کے رسول سے یہ سوال بھی کیا کہ اگر آپ اللہ کے واقعی نبی ہیں جیسا کہ آپ کا دعویٰ ہے تو آپ اپنے اللہ سے روزانہ ہمارے سامان کا نرخ معلوم کر کے بتائیے تاکہ ہم اسی کے مطابق اپنا سامان فروخت کریں، جس سے زیادہ منافع ہو۔ اس پر اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے نبی کے ذریعے اس کا جواب دیا:

قُلْ لَا أَمْلِكُ لِنَفْسِي نَفْعًا وَلَا ضَرًّا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ وَلَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ الْغَيْبُ لَا سْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسْنِيَ السُّوءُ إِنْ أَنَا إِلَّا نَذِيرٌ وَبَشِيرٌ لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ۖ (الاعراف: ۱۸۸)

”اے نبیؐ، ان سے کہو کہ میں اپنی ذات کے لیے کسی نفع اور نقصان کا اختیار نہیں رکھتا، اللہ ہی جو کچھ چاہتا ہے وہ ہوتا ہے اور اگر مجھے غیب کا علم ہوتا تو میں بہت سے فائدے اپنے لیے حاصل کر لیتا اور مجھے کبھی نقصان نہ پہنچتا۔ میں تو محض ایک خبردار کرنے والا اور خوش خبری سنانے والا ہوں ان لوگوں کے لیے جو میری بات مانیں۔“

کفار مکہ کے مطالبات میں جو چیز مخفی تھی وہ یہ کہ حضورؐ کی رسالت کا انکار کیا جائے اور ان کا مذاق اڑایا جائے۔ اس لیے وہ جان بوجھ کر ایسے مطالبات کرتے تھے جن کا پورا ہونا ممکن نہ تھا۔ چوں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ دلوں کے حال سے بخوبی واقف ہے، اس لیے ان کے مطالبات کو اہمیت نہ دی گئی۔ یہاں تک کہ ان مطالبات سے کفار کے کیا مقاصد تھے اس پر سے بھی پردہ اٹھایا گیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِمُ أَبْصَارًا مِّنَ السَّمَاءِ فَظَلُّوا فِيهِ يَعْزُجُونَ ﴿١٥﴾
لَقَالُوا إِنَّمَا سُكِّرَتْ أَبْصَارُنَا بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَّسْحُورُونَ ﴿١٦﴾

(الحجر: ۱۴-۱۵)

”اگر ہم ان پر آسمان کا کوئی دروازہ کھول دیتے اور دن دھاڑے اس میں چڑھنے بھی لگتے تب بھی وہ یہی کہتے کہ ہماری آنکھوں کو دھوکا ہو رہا ہے، بلکہ ہم پر جادو کر دیا گیا ہے۔“

ایک دوسرے موقع پر فرمایا گیا:

وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ لَا أُنْزِلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِّن رَّبِّهِ ۖ إِنَّمَا أَنْتَ مُنْذِرٌ وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ﴿٤٠﴾
(الرعد: ۴۰)

”یہ لوگ جنہوں نے تمہاری بات ماننے سے انکار کر دیا ہے، کہتے ہیں کہ اس شخص پر اس کے رب کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نہ اتری، تم تو محض خبردار کر دینے والے ہو اور ہر قوم کے لیے ایک رہنما ہے۔“

بعض علمی سوالات

کفار مکہ اپنی دھن میں لگے رہے کہ کوئی ایسی صورت بنے کہ جس سے سرعام نبیؐ کی

قدر و منزلت گھٹائی جائے، تاکہ ان کے ساتھی بھی ان کا ساتھ چھوڑ دیں۔ اسی زعم میں نصر بن الحارث اور عقبہ بن ابی معیط یثرب کے یہودی عالم کی خدمت میں پہنچے اور بعض علمی سوالات سیکھ کر آئے۔ ان کے سوالات بڑے پایہ کے تھے۔ لیکن ساتھ ہی اس یہودی عالم نے یہ بھی بتا دیا کہ اگر وہ ان سوالوں کا صحیح صحیح جواب دے دیں تو سمجھ لینا کہ یہ وہی برگزیدہ نبی ہیں جن کی آمد کی بشارت کتب سابقہ میں دی گئی ہے۔ (۱۱) ان کے سوالات یہ درجہ ذیل ہیں:

۱۔ اصحاب کہف کون تھے؟

۲۔ ذوالقرنین کون تھے؟

۳۔ روح کیا ہے؟

ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ان سوالوں کے ذریعہ وہ بازی مار جائیں گے۔ لیکن جب انہوں نے یہ سوالات اللہ کے رسولؐ کے سامنے پیش کیے تو انہیں منہ کی کھانی پڑی۔ چنانچہ اللہ کے رسولؐ نے ان کے اول الذکر دونوں سوالوں کا جواب دے دیا جس کی تفصیل سورہ کہف اور سورہ بنی اسرائیل میں موجود ہے۔ آخری سوال کے متعلق نبیؐ نے اللہ کے حکم سے فرمایا:

وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ ۚ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي (بنی اسرائیل: ۸۵)

”یہ لوگ آپ سے روح کے متعلق سوال پوچھتے ہیں، کہو یہ روح میرے رب کے حکم سے آتی ہے۔“

قرآن کریم مکے کے کسی رئیس پر کیوں نہ نازل ہوا؟

حضور اکرمؐ شروع سے ہی کفایت شعار تھے۔ کسب معاش کے لیے آپ نے تجارت کے علاوہ اور دوسرے بھی کام کیے۔ اس سے جو منافع ہوتا، اس میں سے اتنا ہی آپ رکھتے کہ جس سے گزر بسر ہو سکے۔ ازدواجی رشتہ قائم ہونے کے بعد حضرت خدیجہؓ نے اپنی ساری دولت و تجارت کا مختار کل بتا دیا۔ اس کے باوجود آپؐ نے ذخیرہ اندوزی کو کبھی پسند نہ کیا۔ اس لیے حضورؐ کی ظاہری شان و شوکت مکہ اور طائف والوں کے نزدیک بچ معلوم ہوئی جسے انہوں نے غربت و افلاس پر محمول کیا اور قرآن کریم کی اہمیت گھٹانے کے لیے یہ طعنہ دیا کہ ایسے لوگوں پر اللہ اپنا کلام نازل کرتا ہے جن کی سماج میں کوئی حیثیت نہیں، کیا مکہ میں کوئی رئیس اللہ کو نہ ملا تھا کہ جس پر

اپنا کلام نازل کرتا۔ ایسے مفسرین پر قرآن کا نزول ہی بے وقعتی ظاہر کرتا ہے، بھلا ہم اس کی باتوں کو کیوں مانیں۔ قرآن میں ان کی اس لغویائی کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَقَالُوا لَوْلَا نُنَزِّلَ هَذَا الْقُرْآنَ عَلَى رَجُلٍ مِّنَ الْقُرَيْشِيِّينَ

(الزخرف: ۳۱)

عَظِيمٌ ⑤

”کہتے ہیں یہ قرآن دونوں شہروں کے بڑے آدمیوں میں سے کسی پر کیوں نازل نہ کیا گیا۔“

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا رسانی

حضور طائف اس مقصد سے تشریف لے گئے کہ شاید وہاں کے لوگ ایمان کی دولت سے سرفراز ہو جائیں، مگر وہاں کے لوگوں نے آپ کے ساتھ جو سلوک کیا وہ مکہ والوں نے بھی نہ کیا تھا۔ آپ طائف کے تین مشہور سرداروں سے ملے اور انہیں دین کی دعوت دی تو ان میں سے ایک نے آپ کی نبوت کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا کہ کیا خدا کو تیرے سوا نبی بنانے کے لیے کوئی نہ ملا تھا۔ دوسرے نے کہا کہ اگر خدا نے تجھے نبی بنا کر بھیجا ہے تو کعبے کا پردہ چاک کر دے۔ تیسرے نے کہا کہ میں تم سے ہرگز بات نہیں کر سکتا، کیوں کہ تم اگر رسول ہو تو تمہاری باتوں کو رد کرنا میرے لیے انتہائی خطرناک بات ہے اور اگر تم نے اللہ پر جھوٹ باندھ رکھا ہے تو پھر مجھے تم سے بات ہی نہیں کرنی چاہیے۔ (۱۲) اس طعن و تشنیع کے علاوہ ان لوگوں نے آپ کے پیچھے اوباش قسم کے لڑکوں کو لگا دیا جو مستقل ٹھنڈے مارتے اور آپ پر پتھر برساتے تھے۔ اس سنگ باری کی وجہ سے آپ کا جسم لہولہاں ہو گیا۔ زخموں کی تاب نہ لا سکے تو مجبور ہو کر وہاں سے نکلے اور قریب کے ایک باغ میں پہنچے۔ اس وقت آپ نے جس صبر و تحمل کا مظاہرہ کیا اس کی نظیر نہیں ملتی۔

بعض شریک و شریکین جب بھی حضور کو کہیں آتے جاتے دیکھتے تو جھگ کرنا شروع کر دیتے اور برا بھلا کہتے۔ کبھی طعن کے انداز میں کہتے کہ یہ نبی ہیں جو ہمیں سمجھانے آئے ہیں۔ اس طرح کی باتوں سے ان کا مدعا یہ ہوتا کہ آپ دل برداشتہ ہو جائیں اور اپنے کام سے باز آ جائیں۔ قرآن نے کفار کے اس رویے کا بھی پردہ فاش ان الفاظ میں کیا ہے:

وَإِذَا رَأَوْكَ إِن يَتَّخِذُوكَ إِلَّا هُزُوًا ۚ أَلَمْ يَكُنْ لِّلَّذِينَ بَعَثَ اللَّهُ

(الفرقان: ۲۱)

رُسُلًا ⑥

”یہ لوگ جب تمہیں دیکھتے ہیں تو تمہارا مذاق بنا لیتے ہیں۔ (کہتے ہیں) کیا یہ شخص ہے جسے خدا نے رسول بنا کر بھیجا ہے؟“

مکہ چون کہ مرکزی مقام تھا، اس لیے یہاں پورے عرب کی آمد و رفت کا سلسلہ جاری رہتا، خاص طور سے بعض اہم مواقع پر لوگوں کی بڑی بھیڑ ہو جاتی تھی۔ ایسے موقعوں پر اللہ کے رسولؐ ان نو واردوں سے ملتے اور ان کے سامنے دین پیش کرتے۔ کفار مکہ اکثر و بیش تر ان سے پہلے ہی مل لیتے اور ان کے کان بھر دیتے کہ یہاں ایک شخص ہے جو اپنے آپ کو اللہ کا نبی کہتا ہے، حالاں کہ وہ بہت بڑا جادوگر ہے، جو کوئی اس کے قریب جاتا ہے یا اس کی باتوں کو سنتا ہے وہ اس کے جادو کے اثر سے گمراہ و بے دین ہو جاتا ہے۔ لہذا اگر وہ تمہارے پاس آئے تو تم اس کی طرف التفات نہ کرنا اور اپنے کانوں میں روئی ٹھونس لینا، تاکہ اس کی باتیں تمہارے کانوں تک نہ پہنچیں۔

اسی طرح بڑے بڑے مجموعوں میں کفار مکہ آپ کو اپنے آبائی دین کا منکر بتاتے۔ کچھ لوگ تو صرف اس کام پر مامور تھے کہ حضور کہاں جا رہے ہیں اور کس سے مل رہے ہیں، اس پر نظر رکھیں۔ خاص طور سے ابولہب وہاں پہنچ جاتا اور مخاطب کو روکتا کہ آپ کی باتوں کو نہ سنے۔ (۱۳)

اذیت پہنچانے کی مختلف ترکیبیں

نفرت و عداوت میں کفار و مشرکین یہاں تک گر گئے تھے کہ حضورؐ کے جسم مبارک پر غلاطت ڈال دیتے۔ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ ابو جہل اور اس کے کچھ ساتھی حرم میں موجود تھے۔ وہیں آپؐ نماز ادا کر رہے تھے۔ ابو جہل نے حضورؐ کو نماز پڑھتا دیکھ کر کہا: کون ہے جو اونٹ کی اوجھ لائے اور حضورؐ کی پشت پر رکھ دے۔ بد بخت و شقی عقبہ بن ابی معیط اٹھا اور اونٹ کی اوجھ لا کر سجدہ کی حالت میں آپؐ کی پشت پر رکھ دی۔ (۱۴) خاص طور سے ابو جہل، عقبہ بن ابی معیط، ابولہب اور اس کی بیوی آپؐ کو اذیت پہنچانے میں پیش پیش تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ اللہ کے رسولؐ نے فرمایا: میں دو بدترین پڑوسیوں کے درمیان رہتا تھا۔ ابولہب اور عقبہ بن ابی معیط۔ یہ دونوں میرے دروازے پر نجاستیں لا کر ڈالا کرتے تھے۔ (۱۵) ان کے رویے سے دل برداشتہ ہو کر حضورؐ فرماتے تھے: ”اے عبد مناف! کیا پڑوسی کا یہی حق ہے جسے تم ادا کر رہے ہو۔“ ابولہب کی بیوی ام جہیل آپؐ کے راستے میں کانٹے ڈال دیا کرتی تھی۔ (۱۶)

ایسے لوگوں کی تعداد بھی خاصی تھی جنہوں نے طے کر لیا تھا کہ کچھ بھی ہو جائے حضورؐ کے پیش کردہ دین کو مکہ میں پنپنے نہیں دیں گے۔ اسی سبب سے انہوں نے حضورؐ کی رسالت کو مجروح کرنے میں ذرا بھی تاثر نہ کیا۔ ابو جہل بن ہشام، ابولہب بن عبدالمطلب، اسود بن عبدیغوث، حارث بن قیس، ولید بن مغیرہ، امیہ بن خلف، ابو قیس بن الفا کہ بن مغیرہ، عاص بن وائل، نصر بن الحارث، منہ بن الحجاج، زہیر بن امیہ، سائب بن صفی، اسود بن عبدالاسد، عاص بن سعید بن العاص، عقبہ بن ابی معیط، ابن الاسدی ہذلی، حکم بن ابی العاص، عدی بن حمران وغیرہ۔ ان میں بیش تر لوگ آپ کے پڑوسی تھے۔ (۱۷) جو ہر وقت ایذا رسانی کے درپے رہتے تھے۔

یہ لوگ آپ کے مشن کے اثرات کو کم کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے تو آخر میں آپ کے قتل کا منصوبہ بنایا، تاکہ ہمیشہ کے لیے نعوذ باللہ آپ کا کام تمام کر دیں۔ خاص طور پر اس کا مظاہرہ ہجرت مدینہ کے وقت کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے ناپاک منصوبوں کو خاک میں ملا دیا اور آپ صحیح وسلم ہجرت کر کے مدینہ پہنچ گئے۔

مدینے میں آپ کی آمد اور یہودیوں کا رد عمل

آپ اللہ کے حکم سے ہجرت کر کے مدینہ پہنچے۔ آپ کی آمد پر نہ صرف مدینہ کے مسلمانوں نے خوشی کا اظہار کیا، بلکہ یہودیوں کے بعض سنجیدہ اور فہیم لوگوں نے بھی اظہار مسرت کیا۔ کیوں کہ یہود بھی توقع لگائے بیٹھے تھے کہ نبی بنی اسرائیل میں سے ہوں گے، جن کے وارث اور امین ہم ہیں۔ لیکن جب انہیں پتا چلا کہ ایسا نہیں ہے تو ان کی دل چسپی حضورؐ سے نہ صرف ختم ہو گئی بلکہ وہ مخالفت پر اتر آئے۔ رومانوی سیرت نگار کونستینٹین ویرژیل جو ریچو (Constantin Virgil Gheroghiu) نے اپنی کتاب La vie de (عکس سیرت) میں لکھا ہے کہ یہود کی محمدؐ سے مخالفت کا آغاز حضورؐ کے قبا پہنچنے کے بعد ہی ہو گیا تھا اور مدینہ پہنچنے کے بعد اس میں تیزی آ گئی تھی۔ یہودیوں نے نبیؐ کے متعلق اپنے مفاد میں جو مفروضہ تیار کر رکھا تھا، آپ نے قیام قبا کے خطبہ جمعہ میں ہی اس کا بھانڈا پھوڑ دیا، جس سے ان کی توقعات پر پانی پھر گیا۔ اب کیا تھا، یہودیوں کے سرداروں نے طرح طرح سے مدینہ میں افواہیں پھیلائیں اور نووارد مہاجرین کے تعلق سے انصار کے دلوں میں نفرت و عداوت پھیلانے کی کوشش کی۔ (۱۸)

یہودیوں میں سب سے پہلے یاسر بن اخطب (حی بن اخطب کا بھائی) خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور آپؐ کے کلام سے متاثر ہو کر اپنی قوم سے کہنے لگا: ”میرا کہا مانو! یہ وہی نبی ہیں جس کے ہم منتظر تھے، وہ آگئے ہیں۔“ (۱۹) اس تین کے باوجود انہوں نے آپؐ کی مخالفت کی۔ ان کے نظریات کے مطابق نبیؐ کو بنی اسرائیل میں سے ہونا چاہیے تھا۔ بنی اسرائیل خود کو خدا کی منتخب قوم سمجھتے تھے۔ اپنی قوم سے باہر کسی اولوالعزم کا وجود انہیں گوارا ہی نہ تھا۔ جب انہیں یہ معلوم ہوا کہ رسول عربیؐ کسی قبیلہ کے لیے کسی ترجیحی سلوک کے قائل نہیں اور وہ حضرت عیسیٰ بن مریمؑ کو بھی خدا کا ایسا ہی برگزیدہ نبی بتلاتے ہیں جیسے حضرت موسیٰؑ کو تو انہیں رسول پاکؐ سے کوئی دل چسپی نہ رہی اور وہ بھی مسلمانوں کے بڑھتے ہوئے اقتدار کو مشکوک نظروں سے دیکھنے لگے۔ (۲۰) قاضی محمد سلیمان منصور پوری لکھتے ہیں:

”محمدؐ نے اپنی بہترین تعلیم کی تبلیغ شروع کی تو یہود نے سخت بیچ و تاب کھایا اور آخر یہی فیصلہ کیا کہ محمد رسول اللہؐ کو بھی دیسا ہی ظلم و ستم کا آماج گاہ بنایا جائے جیسا کہ مسیحؑ کو بنا چکے تھے۔“ (۲۱) محمد حسین ہیکل لکھتے ہیں:

”یہود مدینہ آستین چڑھا کر رسول اللہؐ کے سامنے اس شدت سے مجادلہ پر اتر آئے، جس کے سامنے قریش مکہ کے مظالم بھی گرد تھے۔ انہوں نے ہر قسم کے فریب و جہل کے ساتھ انبیائے سابقین کی تعلیم سے ایسی پیشین گوئیاں وضع کر لیں جو رسول اللہؐ کے منصب (رسالت) پر حصر ہو سکتی تھیں۔ وہ آں حضرتؐ کے ساتھ آپؐ کے دوست داران مہاجر و انصار کو بھی اس قسم کے سوالات سے پریشان کرنے میں کوتاہی نہ کرتے۔ (انہوں نے) مدینہ ہی کے رہنے والے ایسے لوگوں کو بھی اپنے ساتھ شریک کر لیا تھا جو منافق تھے اور مصنوعی اتحاد پر ہیز گاری کے اظہار میں اسلام کا سوا گم بھر رکھا تھا۔ آج سے وہ بھی یہود کو دیکھ کر مسلمانوں کے سامنے اسلام پر اعتراض کرنے لگے۔ ان تمام طائفوں کا مقصد ایک ہی تھا مسلمانوں کے دلوں میں خدا اور اس کے رسولؐ پر اعتقاد میں تزلزل پیدا کرنا۔“ (۲۲)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت و شخصیت پر یہودیوں کا حملہ

یہود و منافقین مدینہ کی آبادی کا اہم حصہ تھے۔ دونوں آپس میں مل کر نہ صرف اسلام اور مسلمانوں کا مذاق اڑاتے تھے بلکہ حضور کی مجلس میں آتے اور ذمہ داری کے ذریعے انہیں مطعون کرتے اور استہزائیہ و حقارت آمیز جملے کہتے تھے، جس سے مسلمانوں کی دل آزاری تو ہوتی ہی تھی، حضور کو بھی اس کی وجہ سے بڑی تکلیف ہوتی تھی۔ ان کی اس ذلیل حرکت کا ذکر قرآن نے اس طرح کیا ہے:

مِنَ الَّذِينَ هَادُوا يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَنْ مَوَاضِعِهِمْ وَ يَقُولُونَ
سَمِعْنَا وَ عَصَيْنَا وَ اسْمَعِ غَيْرَ مُسْمِعٍ وَ رَاعِنَا لَيْتَا بِالنِّسْتِهِمْ وَ
طَعْنَا فِي الدِّينِ ۚ وَ لَوْ أَنَّهُمْ قَالُوا سَمِعْنَا وَ أَطَعْنَا وَ اسْمَعِ وَ
انْظُرْنَا لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَ أَقْوَمًا ۚ وَلَكِنْ لَعَنَهُمُ اللَّهُ بِكُفْرِهِمْ
فَلَا يُؤْمِنُونَ إِلَّا قَلِيلًا ۝ (النساء: ۴۶)

”جن لوگوں نے یہودیت کا طریقہ اختیار کر رکھا ہے، ان میں سے کچھ لوگ ہیں جو الفاظ کو ان کے محل سے پھیر دیتے ہیں اور دین حق کے خلاف نیش زنی کرنے کے لیے اپنی زبانوں کو توڑ مڑ کر کہتے ہیں سمعنا و عصینا اور اسمع غیر مسمع اور راعنا۔ حالانکہ اگر وہ کہتے سمعنا و اطعنا اور اسمع اور انظرنا تو یہ انہی کے لیے بہتر تھا اور زیادہ راست بازی کا طریقہ تھا۔ مگر ان پر تو ان کی باطل پرستی کی بدولت اللہ کی پھٹکار پڑی ہوئی ہے، اس لیے وہ کم ہی ایمان لاتے ہیں۔“

ایسی صورت میں بھی ان کے ساتھ سختی کرنے کے بجائے حضور صبر و تحمل سے کام لیتے رہے۔ یہود و منافقین آپ سے ملتے تو آپ کو سلام کرنے کے بجائے ’السام علیکم‘ کہتے، جس کا معنی و مطلب یہ ہوتا کہ ’تمہاری موت ہو۔ ایک بار حضرت عائشہؓ ان کے اس جملہ پر سخت برہم ہوئیں اور ان کے حق میں کہا ’السام علیکم و لعنکم اللہ و غضب علیکم‘ اس وقت بھی اللہ کے رسولؐ نے حضرت عائشہؓ کو سمجھایا اور کہا ’نرم خوئی کا مظاہرہ کرو اور سختی اور بدکلامی سے اجتناب کرو۔‘ (۲۳)

احکام اسلام پر یہودیوں کے اعتراضات

یہود مدینہ اگر ایک طرف مسلمانوں کے وجود کا صفایا کرنے کے لیے قریش مکہ کے ساتھ ساز باز کیے ہوئے تھے تو دوسری طرف وہ مسلمانوں کے دل سے اسلام کی تعلیمات کو مشکوک ٹھہرانے کے لیے بڑے الٹے سیدھے اعتراضات کرتے تھے تاکہ مسلمان متفرق ہو کر محمدؐ سے الگ ہو جائیں اور انہیں مدینہ سے نکال باہر کریں۔ یہ ایسی کوشش تھی کہ اگر وہ کامیاب ہو جاتے تو مسلمانوں کے لیے بڑے مسائل پیدا ہو جاتے۔ مگر خود اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے رسول کی زبان سے معقول جواب دیا۔ ان کے چند اعتراضات یہاں درج کیے جاتے ہیں:

۱۔ اسلام مسلمانوں کو مجبوری میں حکم دیتا ہے کہ جنابت کی حالت میں پاکی حاصل کرنے کے لیے تیمم کیا جاسکتا ہے۔ اس پر یہود یہ اعتراض کرتے کہ سابقہ کتابوں میں اس قسم کی اجازت نہیں ہے تو پھر یہ کیسا اسلام ہے اور اللہ کی کیسی کتاب ہے کہ جس میں ناپاکی کی حالت میں محض تیمم کر لینے کے بعد نماز کی اجازت دیتا ہے۔ یہ کوئی خدائی مذہب نہیں ہو سکتا۔ اس سے بہتر توریت پرستوں کا مذہب ہے۔

۲۔ اسلام نے کم زور طبقات مثلاً یتیموں، عورتوں اور کم زوروں کے حقوق متعین کر دیے تو اس سے یہودیوں کی ظلم و زیادتی کی راہیں مسدود ہونے لگیں تو یہودیوں نے اس کے خلاف بے بنیاد باتوں کی تشریح کی، ان کی پوری کوشش یہ رہی کہ وہ ان اصلاحات کو ناکام بنادیں۔

۳۔ تحویل قبلہ کا حکم آیا تو یہود نے اس کو بھی برداشت نہ کیا اور کہا کہ یہ مسلمان بھی کیا عجیب لوگ ہیں کہ بیٹھے بٹھائے انہوں نے اپنا قبلہ بدل دیا اور نئے قبلہ کی طرف منہ پھیر لیا۔

منافقین کی ریشہ دوانیاں

اسلام اور پیغمبر اسلام کے مشن کی مخالفت میں مدینہ میں منافقین کا بھی ایک بڑا قوی گروہ تھا۔ اس کی حیثیت مارا ستین کی تھی۔ یہ بہ ظاہر مسلمان ہونے کا دم بھرتے تھے مگر اندر سے اسلام کو کم زور کرنے کے لیے کمر بستہ تھے اور بڑی ہوشیاری کے ساتھ یہود مدینہ کو تقویت پہنچاتے تھے۔ ان کا سردار عبداللہ بن ابی بن سلول تھا۔ اسے نہ تو اپنے خان دان کے مسلمانوں

سے محبت تھی اور نہ ہی رسولی اللہؐ سے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ حضورؐ کے مدینہ پہنچنے کے بعد اسے ملنے والا وہ سماجی تفوق حاصل نہ ہو سکا جس کا وہ دعوے دار تھا اور جس کو حاصل کرنے کی اس نے پوری تیاری کر لی تھی۔ اسی عناد میں اس نے اسلام کو جڑ سے اکھاڑنے کی ٹھان لی اور اپنا ایک گروہ بنالیا۔ یہ سب حضورؐ کی خفیہ تدابیر کو نہ صرف افشا کرتے، بلکہ وہ بعض مواقع پر کھلے عام محمدؐ کا مذاق اڑاتے تھے۔ (المجادلہ: ۸) منافقین آپس میں بیٹھ کر اللہ اور اس کے رسول کے حق میں بدگوئی بھی کرتے تھے۔ کوئی اگر یہ کہتا کہ ہو سکتا ہے نبی کو اس کا علم ہو جائے تو شامت آجائے گی۔ اس پر یہ کہتے کہ اس کی کیا پروا، وہ تو ’کان ہی کان ہیں‘ یعنی جو سنتے ہیں ان سنی کر دیتے ہیں، یا جو بات ہم توڑ مڑ کر کہتے ہیں اسے وہ مان لیتے ہیں۔ (النور: ۶۱) اس لیے یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہاں سب کچھ ہونے کے باوجود مسلمانوں پر ہر وقت خوف و ہراس کے بادل منڈلاتے رہتے تھے۔ (۲۳)

نئے دور کا آغاز

فتح مکہ کے بعد خطہ عرب میں کوئی ایسی چنگاری نہ بجی جو مسلمانوں کی جمعیت کو بے آسانی خاکستر کر سکے۔ وصال نبویؐ کے بعد صحابہ کرام دین اسلام کی اشاعت کی جدوجہد کرتے رہے، جس کے نتیجے میں بہت جلد اسلام دور دراز ملکوں میں پہنچ گیا۔ مصر، فرانس اور افریقہ کے عیسائی ہوں یا یہودیوں کی مختصر تعداد، سب نے مسلمانوں کی اطاعت قبول کی۔ اسلام کی اس مقبولیت اور برتری دیکھ کر عیسائیوں کے بعض مذہبی رہنماؤں نے کروٹ بدلی اور اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کے لیے اسلام اور نبیؐ کی سیرت کو ہدف تنقید بنایا اور پروپیگنڈے کے زور پر آپ کی شخصیت کو مجروح کرنے کی کوشش کی۔ اس میں وہ اس حد تک بڑھ گئے کہ انہیں یہ احساس تک نہ رہا کہ جو کچھ کہا جا رہا ہے، اس کا تعلق پیغمبر اسلام کی سیرت و شخصیت سے ہے بھی کہ نہیں اور اس کا انجام کیا ہوگا۔

تاریخی حوالوں سے واضح ہوتا ہے کہ سب سے پہلے جس مذہبی رہنما نے اسلام اور نبیؐ کی سیرت پر اعتراض کیا وہ جان آف دمشق (پ: ۶۰-۶۷ء) تھا۔ اس نے پیغمبر اسلام کے خلاف نفرت اور دشمنی کی آگ بھڑکادی اور اس کے پیروؤں نے حضورؐ پر طرح طرح کے الزام و اتہام لگائے اور اسلام کا تعارف ایک نبی کا ذب کے بت پرستانہ مذہب کی حیثیت سے کرایا۔ (۶۵)

جان کے بعد عیسائی دنیا کے بہترے علماء اور مذہبی رہنماؤں نے قرآن کریم اور حضور کی ذات گرامی کو کئی سو سال تک موضوع بحث بنائے رکھا اور حیرت انگیز افسانے تراشے۔ اس دور میں ان لوگوں نے زیادہ زور اس بات پر دیا کیا کہ آپ امی نہیں بلکہ بہت پڑھے لکھے شخص تھے، توریت اور انجیل سے اکتساب کر کے آپ نے قرآنی عبارتیں تیار کیں، بہت بڑے جادوگر کے ساتھ آپ (العیاذ باللہ) حد درجہ ظالم، سفاک اور جنسی طور پر پراگندہ شخصیت کے حامل تھے۔ (۲۶) مندرجہ ذیل اقتباسات سے ان کے ذہنی خبیث کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے:

ملکہ الزبیتہ کے زمانے کے ایک عیسائی مبلغ ہنری اسمتھ کے حوالے سے رابرڈنڈور نے اسلام میں حرمت خنزیر کی جو علت بیان کی ہے، وہ انتہائی معتمد خیر اور دل آزار ہے۔ ایک نبی برحق کے متعلق جس نے دنیا کو انسانیت کا درس دیا اور اسے بہترین زندگی گزارنے کا سلیقہ سکھایا، اس طرح کی باتیں کرنا عداوت کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا۔ وہ لکھتا ہے:

”ایک شام..... اپنے محل میں شراب سے مخور بیٹھا تھا کہ اسے اندازہ ہوا کہ اس پر اس کی بیماری کا دورہ پڑنے والا ہے (یعنی وحی آنے والی ہے) لہذا تیزی سے اٹھ کر روانہ ہوا، بہانہ یہ بنایا کہ اسے فرشتے سے گفتگو کرنے کے لیے بلایا جا رہا ہے، کوئی اس کے پیچھے نہ آئے، مبادا وہ فرشتے کو دیکھتے ہی ختم ہو جائے۔ اس خیال سے کہ کہیں گرنے سے چوٹ نہ آجائے وہ گوبر کے ایک ڈھیر پر بیٹھ رہا، جہاں سے وہ اس حالت میں اڑھکتا گرا کہ دانت پر دانت جمے ہوئے تھے اور منہ سے کف جاری تھا۔ یہ دیکھ کر وہاں پر موجود بہت سارے خنزیر دوڑ کر حملہ آور ہوئے اور ننگے بوٹی کر کے اس کا خاتمہ کر ڈالا۔ اس کی بیوی اور اہل خانہ نے جو شور سنا تو دوڑے اور اپنے آقا کی لاش اس حالت میں پائی کہ اس کا پیش تر حصہ کھایا جا چکا تھا۔ بچے کچھ اعضا کو انہوں نے یکجا کر کے ایک تابوت میں بند کیا جو سونے چاندی سے گھڑا گیا تھا اور یہ اعلان کیا کہ اللہ کے فرشتوں نے اس کا بدن مشکل سے ہی زمین پر چھوڑا ہے اور اس کی روح کو خوشی خوشی آسمانی مسرتوں سے ہم کنار کر دیا گیا ہے۔“ (۲۷)

ایولوگس (م ۸۵۹ء) نے کتے کی حرمت کے بارے میں جو افسانہ گھڑا ہے، وہ بڑا ہی

تکلیف دہ ہے:

”جب اسے احساس ہوا کہ موت قریب ہے تو اس نے پیشین گوئی کی کہ اس کی موت کے تیسرے دن فرشتہ آکر اس کا جسد آسمان پر لے جائیں گے۔ جب اس کی روح واصل جہنم ہوگئی تو اس کے معتقدین اس کی لاش کے پاس بیٹھ کر انتظار کرنے لگے، لیکن جب کوئی فرشتہ نہ آیا تو معتقدین نے سمجھا کہ شاید ان کی موجودگی آسمانی مہمانوں کی آمد میں خلل ہے۔ لہذا لاش کے (جو بگڑ کر متعفن ہوگئی تھی) پاس سے ہٹ گئے۔ اس کے بعد آسمانی فرشتوں کی جگہ کتے، بچے، جنہوں نے لاش کو چڑنا چھاڑنا شروع کر دیا، جو کچھ بچا اسے مسلمانوں نے ذبح کر دیا، اسی حرکت کے باعث مسلمان کتوں سے انتقام لینے کے لیے ہر سال ان کا قتل عام کرتے ہیں۔“ (۲۸)

اسلام نے شراب کو اس لیے حرام قرار دیا ہے کہ وہ ام الحیثاء ہے۔ اس کے استعمال کے بعد انسان کا حاسہ بگڑ جاتا ہے اور اس سے طرح طرح کی جسمانی، سماجی و معاشرتی بیماریاں اور برائیاں پیدا ہوتی ہیں۔ لیکن مغربی ذہن نے اس کی حرمت کی جو وجہ بیان کی ہے اس سے اس کی ذہنی پراگندگی کا اندازہ ہوتا ہے۔ چنانچہ جان مانڈیول ایک من گھڑت کہانی کے ذریعے یہ باور کرانے کی کوشش کرتا ہے:

”..... کو ایک نیک راہب سے محبت تھی۔ یہ راہب ایک صحرا میں رہتا تھا۔ اکثر و بیش تر اپنے لوگوں کے ساتھ اس راہب کے پاس جایا کرتا تھا۔ وہ اور اس کے آدمی رات رات بھر شوق سے اس کی باتیں سنا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ اس کے آدمیوں نے سوچا کہ اس راہب کو قتل کر ڈالیں۔ ایک رات ایسا ہوا کہ نے عمدہ شراب پی اور سو گیا۔ اس کے آدمیوں نے کی تلوار لی اور اس راہب کو قتل کر کے خون آلودہ تلوار میان میں واپس رکھ دی۔ صبح جب راہب کو مردہ پایا تو غم و غصہ میں اپنے آدمیوں کو قتل کرنے پر آمادہ ہو گیا۔ لیکن سب کے سب لوگوں نے یک زبان ہو کر کہا کہ خود اس نے تو راہب کو نشے کے عالم میں قتل کیا تھا اور شیوے کے طور پر اس کی خون آلودہ تلوار دکھائی، تب اس نے شراب اور اس کے پینے والوں پر لعنت بھیجی۔“ (۲۹)

سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر جارحیت کا تسلسل

اشاعت اسلام کے نتیجے میں جہاں جہاں مسلمانوں کی حکومت قائم ہوئی وہاں

دوسرے لوگوں کی طرح یہود و نصاریٰ کو ہر طرح کی آزادی حاصل تھی۔ حد درجہ رعایت و مراعات ملنے کے باوجود اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف دریدہ دہنی کے ارتکاب سے باز نہ آئے اور اپنے دل کا چور چھپانہ سکے۔ (۳۰) اس کی واضح مثال یہ ہے کہ عیسائیوں کی طرف سے ۸۵۰ء میں ایک تحریک 'تحریک منافرت' کے نام سے چلائی گئی۔ اس کی ابتدا دایہ عیسائی عالموں کے ذریعہ ہوئی جن کے رویہ نے مسلمانوں میں بے چینی پیدا کر دی۔ ان میں سے ایک عیسائی راہب پرفیکٹس (Perfectus) تھا۔ اس نے عیسیٰ کی الوہیت کا اعلان کیا اور حضور کی شان میں گستاخی کا ارتکاب کیا۔ اس نے بائبل کے حوالے سے کہا کہ "..... بہت سے جھوٹے نبی میرے بعد آئیں گے اور ان میں سب سے بڑا کذاب..... تھے۔" (۳۱) دوسرا شخص عیسائی تاجر جان تھا۔ یہ اپنا سامان فروخت کرتے وقت حضورؐ کے حق میں ذم کا پہلو تلاش کرتا اور اسے لوگوں میں باور کرانے کی کوشش کرتا تھا۔ (۳۲) پادری 'آزک' بھی ان ہی لوگوں میں ہے۔ اس نے بھری عدالت میں شان رسالت میں حد درجہ گستاخی کا ارتکاب کیا۔ اولو جیس اور الوارو بھی اپنی بدزبانی اور عداوت اسلام کی وجہ سے عیسائی حلقوں میں بڑا مقبول سمجھا گیا۔ (۳۳) یہ پروپیگنڈا اتنا خطرناک ثابت ہوا کہ عیسائی دنیا کے دلوں میں اسلام اور محمدؐ کے خلاف نفرت و عداوت کا شعلہ بھڑک اٹھا۔ ایسے لوگوں کی ایک بڑی تعداد ہے جنہوں نے شان رسالت کے خلاف تحریک منافرت میں حصہ لیا اور اسلام اور پیغمبر اسلام کی تعلیمات اور شخصیت کو داغ دار کرنے کی کوشش کی۔ ادھر مسلم حکومتوں میں بعض وجوہ سے انتشار کے واضح آثار دکھائی دینے لگے تھے۔ اس صورت حال میں عیسائیوں کے لیے زیادہ مشکل نہ رہا کہ وہ مسلمانوں کے خلاف سرعام بغاوت کر دیں۔ صلیبی جنگیں برسوں کے اسی پروپیگنڈے کا ثمرہ تھیں۔ (۳۴)

مسلمانوں کے آپسی انتشار نے عالم اسلام کو شدید نقصان پہنچایا۔ یہ ایسی کم زوری ثابت ہوئی کہ عیسائی دنیا کے لیے یہ کام آسان نظر آنے لگا کہ وہ ایک ایسی جنگ برپا کرے کہ جس میں مسلمانوں کا بالکل صفایا نہیں تو کم از کم معاملہ عیسائیوں کے برعکس ہو جائے۔ لیکن یہ کام ابھی عیسائی دنیا کے لیے آسان نہیں تھا۔ یورپ کی یہ جنگ کئی صدیوں پر محیط ہے۔ صلیبی جنگوں کی معرکہ خیزی سے صرف نظر کرتے ہوئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ عیسائی پروپیگنڈے کا اثر عیسائیوں میں غیر معمولی ہوا اور پوپ کی اپیل پر لوگوں نے جوش و جذبہ کے ساتھ اس جنگ میں شرکت کی۔

چور اچکوں نے بھی اسے اپنی بخشش اور مغفرت کا نادر موقع جانا اور گناہوں کے کفارہ کے لیے شریک جنگ ہوئے۔ (۳۵) مگر صلاح الدین ایوبی کی حکمت اور دوراندیشی نے عیسائی دنیا کو اس کے ناپاک مقاصد میں ناکام کر دیا۔ اب انہوں نے اپنی اسلام دشمنی کو بار آور بتانے کے لیے جو طریقہ اختیار کیا وہ پریگنڈ انہیں بلکہ فکری مطالعہ تھا۔ عیسائیوں کی آئندہ حکمت عملی کا اندازہ مندرجہ ذیل اقتباس سے لگایا جاسکتا ہے:

”صلیبی جنگوں میں ناکامی کے بعد یورپ کے علما اور اہل کلیسا نے علمی اور فکری محاذ پر مسلمانوں کو شکست دینے کا فیصلہ کیا اور استعراق کے پردے میں عربی اور اسلامی علوم کی حفاظت و تحقیق کے نام پر اسلام اور پیغمبر اسلام کے بارے میں غلط فہمی پھیلانے کا منصوبہ بنایا۔ اسلامی عقائد و نظریات میں تشکیک پیدا کرنے اور مسلمانوں کی نئی نسل کو دین سے برگشتہ کرنے کے لیے اسلامی فرقوں اور ابتدائی صدیوں کے دوران میں پیش آنے والے علمی و فکری مباحث پر نام نہاد تحقیق ہوئی۔ اسلامی نظریہ جہاد اور اسلامی ریاست میں غیر مسلم رعایا کی حیثیت کے بارے میں محکمہ خیر معلومات اور نتائج اخذ کیے گئے، فقہ اسلامی کے بنیادی مآخذ کی محنت و اعتبار کے بارے میں شکوک پھیلانے گئے مسلمان، علما کی علمی و فکری کوششوں کی تحقیر کی گئی۔ اسلامی تحقیق کے نام پر ایسے مراکز، تعلیمی ادارے اور رسائل و مجلات جاری کیے گئے جن میں سارا زور شعار اسلام کی توہین اور مسلم زعماء کی تحقیر پر صرف ہوتا رہا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مغربی عیسائیت کا یہ حملہ صلیبی حملوں سے کہیں زیادہ خطرناک ثابت ہوا۔ مسلمانوں کی نئی تعلیم یافتہ نسل کی اکثریت نہ صرف عیسائی تحقیقی مراکز کی کوشش کو اسلام اور علوم اسلامیہ پر آخری سند بلکہ اسلامی تعلیمات اور بنیادی قدروں کو بے قیمت، بے معنی اور ذلت و پستی کا سبب سمجھنے لگی ہے۔ عیسائی مستشرقین کی اس کوشش میں متعصب یہودی مستشرق بھی پیش پیش رہے۔“ (۳۶)

یورپی عیسائی کلیسا سے وابستہ اہل علم اور دانشوروں نے، کس طرح اسلامی علوم کی قدروں و منزلت کو گھٹانے کی کوشش کی ہے، اس کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ کلیسا کے زیر اثر پیٹر ونیر تیل (Peter the Venerable) کے ایمپریلاٹین زبان میں ترجمہ قرآن کی ناقص کوشش ۱۱۳۳ء میں سامنے آئی۔ اس کا سہرا ایک انگریز دانشور رابرٹ کے سر جاتا ہے۔ اس کا

مقدمہ 'ونیزیل' نے لکھا۔ اس گروہ کے بعض لوگوں نے اسے خوب پسند کیا۔ جب کہ بعض دوسرے افراد نے اسے عیسائیت کے لیے ایک بدنامدارغ قرار دیا، کیوں کہ اس میں حقیقت سے چشم پوشی اور فرضی باتوں کو غیر معمولی اہمیت دی گئی تھی۔ 'ونیزیل' نے ان لوگوں کو جس طرح خاموش کرنے کی کوشش کی اس سے اس گروہ کا تعصب اور لائحہ عمل کھل کر سامنے آ جاتا ہے:

”اگر میری مساعی صرف اس لیے لا حاصل نظر آ رہی ہیں کہ دشمن پر اس سے کوئی اثر نہیں ہوگا۔ تو عرض یہ ہے کہ ایک عظیم بادشاہ کے ملک میں کچھ کام ضرورتوں کے پیش نظر اور کچھ کام آرائش و زیبائش کے لیے اور کچھ دونوں کے لیے کیے جاتے ہیں۔ صاحب امن سلیمان نے دفاع کے لیے ہتھیار بنوائے جن کی ضرورت اس کے دور میں نہیں تھی۔ داؤد نے ہیکل کی آرائشی اشیاء تیار کروائیں، جب کہ یہ اشیاء ان کے عہد میں استعمال نہیں کی جاسکتیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ میرا کام لا حاصل نہیں کہا جاسکتا، کیوں اگر ہم راہ مسلمان اس سے راہ حق (Conversion) پر نہیں لائے جاسکتے تو وہ محقق جو تلاش حق میں سرگرداں ہیں، چرچ کے ان کم زور اراکین کو آگاہ کرنے سے ہرگز گریز نہیں کریں گے جو بے آسانی متزلزل ہو جاتے ہیں یا غیر ارادی طور پر معمولی باتوں سے ہراساں ہو جاتے ہیں۔“ (۳۷)

علوم اسلامیہ کے مطالعہ سے اس کی دل چسپی اسلام کو سمجھنے کے لیے نہیں تھی، بلکہ اسلام کے کم زور پہلوؤں کو تلاش کر کے کلیسا کو وہ مواد فراہم کرنا تھا جس کے ذریعہ اسلام پر بے جا اور متعصبانہ حملہ کیا جاسکے۔ انہوں نے عیسائیت کی سر بلندی کے لیے نہ صرف اسلام کو گم راہ مذہب کہا بلکہ موسیٰ کے ذریعہ جس دین کی دنیا میں اشاعت ہوئی اسے بھی اس نے اسی خانے میں رکھا، البتہ اس کا ٹیکھا رنگ اسلام سے متعلق زیادہ واضح تھا۔

۱۲۸۰ء میں ایک یہودی پروفیسر 'ابن کمونہ' نے اپنی کتاب میں اسلام پر شدید تنقید کی۔ اس کا کہنا تھا کہ شرعی قوانین انصاف کے اصولوں کے متصادم ہیں۔ اس نے نبی کریم کی ذات اقدس کے حوالے سے یہ بھی کہا کہ اس بات کا کوئی ثبوت نہیں ہے کہ محمد کی ذات ہر لحاظ سے کامل تھی۔ اسلام قبول کرنے والوں نے اسلام کی حقانیت سے متاثر ہو کر نہیں، بلکہ اپنے مفاد کی خاطر اسلام قبول کیا۔ (۳۸)

عیسائی دنیا کا ایک مشہور مصنف 'راجر بیکن' ہے۔ اس نے عیسائیت کی برتری واضح کی اور دین محمدی کی اہانت جس انداز میں کی ہے اس سے اس کی بددیانتی کھل کر سامنے آ جاتی ہے۔ اس نے اپنے ہم خیال لوگوں کو مشورہ دیا کہ اسلامی تعلیمات اور اس کی آفاقیت کو بے وقعت ثابت کرنا ہے تو سوائے اس کے اور کوئی دوسرا راستہ نہیں کہ دو طریقے اختیار کیے جائیں۔ ایک معجزات کا انکار کیا جائے اور دوسرے فلسفہ پر بحث و تحقیق کی جائے۔ بعد میں اس نے اپنی ساری توجہ اس بات پر مرکوز کر دی کہ اسلامی فلسفہ کی افادیت کا اعتراف کیا جائے، کیوں کہ فلسفہ بددیونوں کا اہم ترین ہتھیار ہے اور منطقی انداز اختیار کر کے اسلام کو اکھاڑ پھینکا جائے۔ (۳۹)

'بیکن' کا ہم خیال 'ریمنڈنل' بھی ہے، جو کبھی کلیسا کا رکن رہ چکا تھا۔ اس نے اپنی ساری توانائی اسلام کے خلاف نفرت انگیز لٹریچر تیار کرنے میں صرف کر دی۔ اسے مسلمانوں کی تباہی سے کم کوئی دوسری چیز مطمئن نہیں کر سکتی تھی۔ وہ کئی کتابوں کا مصنف بھی ہے۔ اس کا سب سے بڑا کارنامہ Refutation of Infidel Errors (لادینی اغلاط کا ابطال) نامی کتاب ہے۔ اس نے خود عربی زبان سیکھی۔ راہبوں کا ایک سلسلہ قائم کیا۔ مقصد اسلام اور محمد کی حیات طیبہ کا راست عربی سے مطالعہ کر کے تنقید کرنا تھا۔ اپنے مختصر نظریں کی اشاعت کے لیے وہ تیونس بھی گیا اور وہاں اسلام اور پیغمبر اسلام کی شان میں کھلے عام گستاخی کا مرتکب ہوا جس کی وجہ سے شہر کے قاضی نے قیدی سزا سنائی اور پھر اسے شہر بدر کیا گیا۔ اس کا نعرہ تھا 'عیسائی شریعت و قانون مقدس ہے اور مورون (مسلمانوں) کا جھوٹا'۔ (۴۰)

جان دی سیکویہ (Juan de Segovia) پندرہویں صدی عیسوی کا مشہور بشارت اور پوپ کا پر جوش حامی تھا۔ آخر عمر میں اس نے علوم اسلامیہ کا مطالعہ شروع کیا اور پھر قرآن مجید کا ترجمہ کیا۔ اس نے اپنے ترجمہ کے ذریعہ لوگوں کو سابقہ حکمت عملی سے ہٹ کر نئے پیرائے میں اسلام پر اعتراض کرنے کا مشورہ دیا۔ عیسائی مذہب کی برتری ثابت کرنے کے لیے اس نے اجتماع اور کانفرنسوں کا بھی انعقاد کیا۔ (۴۱)

اسی صدی کا ایک اور عالم اور فلسفی نکولاس آف کیوسا (Nicholes of Cusa) ہے اس نے برسوں اسلام کے خلاف مواد جمع کیا۔ اس نے ازالہ اسلام کے لیے کانفرنس بھی منعقد کیں۔ ۱۴۶۰ء میں اس نے The Cribration of Alcoran کے نام سے ایک کتاب لکھی،

جس میں قرآنی مضامین کی چھان بین تفصیلی انداز میں کی اور یہ مفروضہ پیش کیا کہ قرآنی مضامین کے تین عناصر ہیں: پہلا منطوریات، دوسرا عیسائیت کے اختلافی نظریات جن سے یہودی مشنریوں نے روشناس کرایا، تیسرا وہ رد و بدل، تحریف و تصرف جو وصال نبوی کے بعد یہود نے (نعوذ باللہ) قرآن میں کیا ہے۔ اس کے نظریے کے مطابق نہ صرف جنگ و تبلیغ بلکہ فلسفہ بھی اسلام کے خلاف بے کار اور بے اثر ہے۔ وہ خود قرآن میں نقائص کا متلاشی رہا اور دوسروں کو بھی اس راہ پر گامزن ہونے کی دعوت دیتا رہا۔ (۴۲)

ژان ژرمان (Jean Jerman) چدرہویں صدی کا ایک فرانسیسی بپ تھا۔ اس کا انداز فکر دوسرے لوگوں سے مختلف تھا۔ اس نے اپنے دور میں عیسائی حکمرانوں کو ابھارا کہ متفق ہو کر اسلام کے خلاف تلوار اٹھائیں اور عیسائیت کو فتح و حکم رانی سے ہم کنار کریں۔ اس نے بڑی کوشش کی کہ مغرب کو متحد کر کے کسی نہ کسی طرح پھر سے صلیبی جنگ چھیڑ دی جائے اور عیسائیت کو بزور شمشیر رائج کیا جائے۔ یہ شخص اس قدر متعصب تھا کہ مسلمان تو مسلمان، ان عیسائیوں سے بھی متنفر تھا جو کبھی کسی مسلمان ملک میں گئے ہوں یا جنہوں نے اسلام میں پائی جانے والی کسی حقیقت کا اعتراف کیا ہو۔ (۴۳)

اینیس سلوئیس (Aenias Silvius) ایک اطالوی پوپ تھا۔ اس کا انتقال ۱۳۶۳ء میں ہوا۔ اس نے بھی اپنی تمام علمی و فکری صلاحیت کو اس کام کے لیے صرف کر دیا کہ اسلام کی تخریب کی جائے اور عیسائیت کی تعمیر۔ (۴۴)

نیا دور، نئی حکمت عملی

جان آف دمشق کے بعد سیرت نبوی کو مشکوک بنانے کی جو کوشش مختلف پیرائے میں کی گئی وہ اس کے منصوبوں کو مکمل کامیابی نہ دلا سکی۔ یہی وجہ ہے کہ وہ لوگ اپنے منصوبوں کو بار آور بنانے کے لیے اپنی حکمت عملی میں تبدیلی کرتے رہے۔ اسی کا ایک ثمرہ در درخت مستشرقین کا گردہ ہے، جو باضابطہ سولہویں صدی عیسوی میں وجود میں آیا۔ یہ بھی کلیسا کا پیدا کردہ تھا، اس لیے وہ انیسویں صدی تک کلیسا کی مقرر کردہ پالیسی پر کاربند رہا، بعد میں یہ کلیسا کی گرفت سے آزاد ہو گیا تو اس کے مطالعہ و تحقیق کا میدان بھی مزید وسیع ہو گیا۔ تحریک استشرقہ کی تاریخ اور ان کے کام

کی نوعیت کی وضاحت کرتے ہوئے ڈاکٹر ثار احمد لکھتے ہیں:

”تحریک استعراق کو اگر خلاف اسلام سرگرمیوں کی علامت مانا جائے تو یہ امر واقعہ ہے کہ اس قسم کی سرگرمیوں کا آغاز دراصل ظہور اسلام کے ساتھ ہی ہو گیا تھا اور باقاعدہ ایک تحریک کی شکل اختیار کرنے سے پہلے بھی اہل مغرب کی طرف سے اسلام کے خلاف بالعموم اور پیغمبر اسلام کے خلاف بالخصوص بغض و عداوت کا اظہار موقع بہ موقع تاریخ کے مختلف ادوار میں ہوتا رہا اور دفور جذبات سے سرشار ردی، باز نطنی، لاطینی، مسیحی اور یہودی روایتیں صدیوں سینہ بہ سینہ منتقل ہوتی رہیں، افواہوں کے دوش پر سفر کرتی رہیں اور کبھی کبھار تحریر و تصنیف اور وقائع و اشعار کے قالب میں دھلیقی رہیں اور ان کی اپنی آئندہ نسلوں کے لیے سرمایہ افتخار بنتی رہیں۔ چنانچہ ظہور اسلام کے بعد سے کوئی چار ساڑھے چار سو سال تک اسلام اور پیغمبر اسلام کے حوالہ سے ان کی مخالفت و مخالفت کا عام انداز یہی رہا اور اس تمام عرصہ میں بلکہ اس کے بعد بھی مغربی دنیا اس قابل نہ ہو سکی کہ حقائق و واقعات کا صحیح ادراک کر سکے اور مسلمانوں کی تاریخ و ثقافت کو علم کی روشنی میں جان سکے۔ اس صورت حال کا ایک بہ ظاہر سبب ان کے دلی جذبات کے علاوہ یہ تھا کہ صحیح معلومات کے لیے اصل اسلامی یا مذہب رسائی ممکن نہ تھی۔ پھر تعصب، سنی، سنائی، باتوں، غلط فہمیوں اور خود ساختہ مفروضات نے انہیں اس قابل ہی نہ رکھا کہ وہ اسلام اور پیغمبر اسلام کی حقیقی تصویر دیکھ سکیں۔ اس پر مستزاد تصادم و کشمکش کے وہ واقعات تھے جو تاریخ میں بار بار دہرائے گئے، خاص طور پر آنے والے زمانہ میں صلیبی محاربات کا سلسلہ جس سے دشمنی و عداوت کا ایسا نشہ ان پر طاری ہوا جو آج تک نہیں اترتا۔ صلیبی جنگوں کے طویل محاربات میں دنیائے مغرب کی ناکامی سے نہ صرف یہ کہ یورپ کی مشترکہ عسکری قوت پاش پاش ہو گئی بلکہ یہی شکست اس بات کا زبردست محرک بن گئی کہ جنگی محاذ پر پسا ہونے کے بعد ذہنی و فکری محاذ پر اسلام اور دنیائے اسلام کو زک پہنچائی جائے۔ اس کی تدبیر اس سے بہتر کوئی اور نہ تھی کہ اسلام، اسلامی عقائد، پیغمبر اسلام اور اسلامی معاشرہ کو ہدف تنقید بنایا جائے۔ چنانچہ اس کام کے لیے جذباتی طوفان پہلے سے موجود تھا، پھر لاطینی آباد کار اور مسلم علاقوں سے آئے ہوئے عیسائی اور یہودی، اسلام اور مسلمانوں کے

متعلق جو کچھ علم و معلومات رکھتے تھے، وہ کتنی ہی ناکارہ و خام سہی، ان کے لیے بہر حال مفید مطلب تھیں جن کی مدد سے اسلام اور پیغمبر اسلام کی (خاکم بہ دہن) ایک نفرت انگیز کریمہ النظر اور بھیا تک تصویر پیش کی جاسکتی تھی اور سیرت رسول کو افراط و تفریط کے سانچوں میں ڈھال کر محض خیالی اور قیاسی انداز سے پیش کیا جاسکتا تھا۔ مختصر یہ کہ اس پورے عرصہ میں یہ حیثیت مجموعی پیغمبر اسلام کے بارے میں مغرب کے پاس معلومات انتہائی مبہم اور ناقص تھیں اور اس خلا کو افسانہ طرازی اور دیو مالائی اسلوب سے پر کیا گیا۔“ (۴۵)

مستشرقین کے منصوبے

مستشرقین نے اپنے مقاصد کی تکمیل کے لیے جو منصوبہ بنایا وہ حسب ذیل ہے:

- ۱۔ مشرقی علوم خصوصاً عربی زبان سے واقفیت۔
- ۲۔ علوم اسلامی کا مطالعہ تاکہ کمزور پہلو کو دریافت کر کے وہاں سے دباؤ ڈالا جاسکے۔
- ۳۔ اسلام کے خلاف مناسب دلائل کی فراہمی۔
- ۴۔ مسیحی تقدس سے لبریز فلسفہ جو عالم اسلام کے اذہان کو متاثر کر سکے۔
- ۵۔ ایسا لٹریچر جو مسلمانوں کی اسلام سے وابستگی ختم کر سکے۔
- ۶۔ تبلیغی سرگرمیاں تاکہ مسلم معاشرہ کو عیسائی بنایا جاسکے۔

اس کام کو انجام دینے کے لیے ۱۵۳۹ء میں عربی کا اولین شعبہ فرانس میں قائم کیا گیا، اس کی صدارت کی ذمہ داری ’گلاؤم پوسٹال‘ (Guillaume Postal) نے سنبھالی۔ یہ ایک بڑا مسیحی عالم تھا۔ اسے گروہ مستشرقین کا باؤ آدم تصور کیا جاتا ہے۔ اس کی محنت سے مستشرقین کی ایک بڑی جماعت تیار ہو گئی جس میں جوزف، اسکالینجر نے بڑی شہرت حاصل کی۔ ان لوگوں کی کاوش اور سنجیدہ مطالعہ سے ان کی تحقیق عربی زبان میں شائع ہونے لگی۔ اسی صدی کے آخر میں لندن میں عربی کا شعبہ قائم ہوا۔ اس ابتدائی کوشش کے بعد یہ سلسلہ آگے بڑھتا رہا، یہاں تک کہ سترہویں صدی میں مغربی دنیا میں اسلامی لٹریچر کے مطالعہ کو ہی معیار بنا کر اسلام پروار کرنا شروع کر دیا گیا۔ بقول علامہ شبلی نعمانی:

”سترہویں صدی کے سنین وسطی یورپ کے عصر جدید کا مطلع ہے، یورپ کی جدوجہد، سنی و کوشش اور حریت و آزادی کا دور اسی عہد سے شروع ہوتا ہے۔ ہمارے مقصد کی جو چیز اس دور میں پیدا ہوئی وہ مستشرقین یورپ کا وجود ہے، جن کی کوشش سے نادر الوجود عربی کتابیں ترجمہ اور شائع ہوئیں، عربی زبان کے مدارس علمی و سیاسی اغراض سے جا بجا ملک میں قائم ہوئے اور اس طرح وہ زمانہ قریب آتا گیا کہ یورپ اسلام کے متعلق خود اسلام کی زبان سے کچھ سن سکا۔“ (۳۶)

اسلامی علوم کے مطالعہ اور واقفیت کے جو ادارے اور شعبے قائم ہوئے ان میں ایک ادارہ روم میں بھی قائم ہوا، جو پوپ اربن ہشتم کی کوشش کے نتیجے میں وجود میں آیا۔ اس کا نام ہی اس نے ’کالج آف پروپیگنڈا رکھا۔ یہاں مشرقی علوم کا مطالعہ بڑی سرگرمی سے کیا جاتا تھا۔ ۱۶۳۸ء میں آکسفورڈ میں شعبہ عربی قائم ہوا۔ ’ایڈورڈ پوکاک‘ اس کے اولین صدر ہوئے۔ ان کے ہم عصروں میں ’اسکا لئجر‘ اور ’ہوتنگر‘ نے بھی بڑی شہرت حاصل کی۔ ان کی کوششوں سے کم پڑھے لکھوں نے بھی فائدہ اٹھایا۔ B. de Herbdot نے مستشرقین کے فراہم کردہ مواد پر ایک کتاب ۱۶۹۷ء میں لکھی جس کا نام Bibliothque Oriental ہے۔ یہ کتاب مغرب میں ’انسائیکلو پیڈیا آف اسلام‘ کا کام دیتی تھی۔ اسی عہد کے سنجیدہ مطالعہ میں بقول علامہ شبلی: اتفاقاً یا قصداً ان مستشرقین نے ابتداءً جن عربی کتابوں کا ترجمہ کیا وہ اکثر ان مسیحی مصنفین کی تصنیفات تھیں جو قرون ماضیہ میں اسلامی ممالک کے باشندے تھے، یعنی سعید بن بطریق (م ۹۳۹ء) جو اسکندریہ کا پٹریارک تھا اور ابن العمید المکین (۱۲۷۳ء) جو سلاطین مصر کا ایک درباری تھا اور ابو الفرج بل العمری المصطفیٰ (۱۲۸۶) مصنف تاریخ دول۔ (۳۷)

جس مقصد کے حصول کے لیے یورپ نے مختلف اداروں میں عربی علوم سے واقفیت کے ادارے قائم کیے وہ ان کے حق میں مفید ثابت ہوئے اور عربی علوم کی منتقلی کا کام تیزی سے بڑھتا رہا، اسی ضمن میں اسلام کے خلاف زہریلا مواد خاصا تیار ہو گیا۔ تاہم اس گروہ کے بعض منصف خیال مصنفین کے قلم سے کچھ ایسے علمی کام ہوئے جو خود مستشرقین کے حق میں شدید تنقید تھے۔ چنانچہ رچرڈ سائمن (Rechard Simon) نے ۱۶۸۳ء میں مسلمانوں کے عقائد و دیانت داری پر مبنی کتاب لکھی جس پر اس کے ساتھیوں نے اسے مطعون کیا۔ اے ریلنڈ (A Relend) نے

بھی اسی انداز میں اپنی کتاب تحریر کی۔ فلسفی پیریل (Perre Bayle) نے سیرت پر ایک منصفانہ کتاب ۱۶۹۷ء میں تحریر کی۔ اس صدی میں ہنری اسٹب (D. Henry stubb) نے Rise and Fall of Mohametanism کے نام سے ایک کتاب لکھی جو یقیناً اپنی چھوٹی موٹی خامیوں کے باوجود سیرت پر عمدہ تصنیف ہے، جس میں غیر جانب دارانہ مطالعہ کے پیش کرنے کے ساتھ مغرب کے فکر کے متعلق معذرت ظاہر کی گئی ہے۔ (۳۸)

منصوبے کی تکمیل کے لیے مستقل اداروں کا قیام

جامعات اور تعلیم گاہوں میں عربی علوم اور زبان و ادب سے واقفیت کی کوشش کے نتیجے میں مستشرقین کی ایک بڑی تعداد تیار ہو گئی۔ تاہم ان کے لیے اس امر کی شدید ضرورت محسوس کی گئی کہ ایسا ادارہ قائم کیا جائے جہاں بیٹھ کر یہ لوگ اپنے ہدف کو پایہ تکمیل تک پہنچا سکیں۔ چنانچہ اس منصوبہ کو کامیاب بنانے کے لیے مختلف ممالک میں علوم شرقیہ کے مطالعہ اور بحث و تحقیق کے ادارے قائم کئے گئے۔ جہاں سے کچھ کارآمد تحقیقات سامنے آئیں۔ یہ ماہرین بھی اس تعصب سے بالاتر نہ تھے جو مغرب کی گھٹی میں پڑا تھا۔ مذہبی عصبیت و جدل نے ماہرین کی نگرانی میں نئی راہ اختیار کی۔ غیر مفید حقائق بے دردی سے نظر انداز ہوئے، کارآمد مواد کا خرد بینی سے مطالعہ کیا گیا اور اب جو اعتراضات سامنے آئے، ان میں شاطرانہ مہارت پائی گئی، جسے رد کرنا عام انسان کے لیے آسان نہ تھا۔ یہ اعتراضات عیسائی دنیا کے لیے خوش کن، عالم اسلام کے لیے کرب انگیز اور غیر جانب دار لوگوں کے لیے گم راہ کن تھے۔ (۳۹)

سیرت نبوی ﷺ پر اعتراضات کے تعلق سے جو باتیں صدیوں سے منتقل ہوتی چلی آرہی تھیں، وہ ایسی تھیں جو آگے چل کر عیسائی اہل قلم اور ماہرین تعصب کا پردہ فاش کرتیں۔ چنانچہ عیسائی دنیا سے اس عناد کے دھبہ کو کم کرنے کے لیے مستشرقین سامنے آئے اور اپنے ہم خیال لوگوں کے بعض نظریات کی تردید کی۔ مثلاً 'اڈورڈ پوکاک' نے لکھا کہ 'مطلق ثابت کی کہانی پر مسلمان جی کھول کر ہنستے ہیں اور اسے محض عیسائی ذہن کی ایچ قرار دیتے ہیں'۔ ہمسفرے پریدو نے اس کبوتر کے من گھڑت قصے کی تردید کی جو حضور کو اپنی آواز سے وحی کے الفاظ کان میں پہنچاتا تھا۔ اس نے کہا کہ یہ سب بے بنیاد اور حقائق سے بعید باتیں ہیں اور یہ کہ ایسی

چالیس عربوں کی نظر سے پوشیدہ نہیں رہ سکتی تھیں۔ چنانچہ ایسے لوگوں کی خامہ فرسائی کا ذکر کرتے ہوئے ڈاکٹر عبدالقادر جیلانی لکھتے ہیں:

”مذہبی جہل و تنگ نظری نے ان پر اس قدر غلبہ کیا کہ حضور کی ذات گرامی پر تمہتوں اور الزامات کے انبار لگا دیے۔ ہر بری بات منسوب کی، معصیات تک وضع کیں۔ چڑیا چڑے کی کہانیاں گھڑیں۔ وحوش و بہائم کی دل خراش داستانیں ترتیب دیں۔ کنوئیں کا افسانہ تراشا۔ بیماری کے قصے تیار کیے۔ چنگیز کے اسلاف سے تعلق ثابت کرنے کے لیے خراسان کی وطنیت منسوب کی۔ ہسپانیہ کے مفروضہ سفر کے اہتمام کیے۔ راہیوں سے نام نہاد تعلیم کے حصول کے ڈھول پیئے۔ عیسائی فوج میں تربیت کی داستان تراشی۔ فرضی حکم ران کے خون کا الزام رکھا۔ کلیسا کی عہدہ داری اور الوہیت (کے دعوے) کی تہمت دھری۔ پھر جو کروٹ بدلی تو جہنم کے شیاطین کو بھی پناہ مانگنے پر مجبور کر دیا۔“ (۵۰)

۸ مئی ۱۸۴۰ء کو تھامس کارلائل نے اڈنبرا میں تاریخ کے ہیروز اور ہیروز شپ پر طویل لکچر دیا۔ اس میں اس نے پیغمبر اسلام کو دنیا کی عظیم ترین شخصیت کے طور پر قبول کیا اور ان کے پیغمبرانہ کام کو تسلیم کیا۔ اس نے اپنی تقریر میں عیسائی دنیا کو خبردار کیا کہ:

”محمدؐ کے بارے میں ہمارے موجودہ خیالات کہ وہ (نحوذ باللہ) ایک دھوکے باز پیغمبر تھے اور ان کا پیش کردہ مذہب خرافات کا مجموعہ ہے۔ غور و فکر کی روشنی میں یہ باتیں بے وزن دکھائی دیتی ہیں۔ جس دروغ گوئی کا انبار ہم نے اس مقدس ہستی کے گرد لگادیا ہے وہ اس عظیم ہستی کے لیے نہیں، ہم مسیحیوں کے لیے باعث شرم ہے۔ گزشتہ بارہ صدیوں کے نشیب و فراز سے گزرتے ہوئے اس پیغمبر عالی مقام کا پیغام آج بھی ۱۸ کروڑ انسانوں کے لیے مشعل راہ ہے۔ کیا یہ ۱۸ کروڑ انسان خدا کے بتائے ہوئے نہیں ہیں؟ ان تمام افراد کو بھٹکے ہوئے اور گم کردہ راہ سمجھیں تو سوچنے کا مقام ہے کیا جعلی پیغام بارہ صدیوں تک اس کامیابی سے آگے بڑھ سکتا ہے؟ کیا میرے ہم مذہب بھائی بہن یہ بات نہیں جانتے کہ آج بھی کرہ ارض پر قرآن کریم کے اصول آگے بڑھ رہے ہیں۔ بناوٹ بناوٹ ہوتی ہے اور اسے ظاہر ہونے میں صدیاں نہیں لگتیں۔“

انسانی دنیا پر حضور کے اثرات کی وضاحت کرتے ہوئے اس نے اپنے خطاب میں یہ بھی کہا تھا:

”وہ لوگ جو محمدؐ کے کردار پر انگشت نمائی کرتے ہیں، آپ کو جانتا چاہیے کہ وہ اپنے جھوٹ کا جالاکھاں بنے ہیں؟ ان لوگوں کے حسد پر جنہوں نے دو تین صدیوں بعد اس مقدس ہستی کے بارے میں کہانیاں گھڑیں۔ خدا کی قسم! محمدؐ اتنے عظیم انسان تھے کہ اگر انہوں نے کوئی غلطی بھی کی ہوتی تو زمانے بھر کے لیے بھلائی اور خوبی کا معیار بن جاتی۔ میں آپ کو ایک راز کی بات بتاتا ہوں۔ نسل در نسل دنیا میں لوگ آتے رہیں گے، جاتے رہیں گے، صحرا کے اس فرزند کی عظمت کو پوری طرح ایک شخص بھی سمجھ نہ سکے گا۔ ریت کے سمندر میں پیدا ہونے والی ہستی دنیا بھر کو گلزار بنانے کا درس دے گئی۔“ (۵۱)

کارلائل کے اس لیکچر سے مستشرقین کے گروہ میں ہلچل پیدا ہو گئی۔ کیوں کہ اس نے مغرب کے معاندانہ رویے کا بھانڈا پھوڑ دیا۔ اب مستشرقین کے دعوے کے دبدبے طنطنے میں بدل گئے، لے وہی رہی سر میں فرق آ گیا۔ اب مستشرقین کے دوا گروہ سامنے آئے۔ ایک نے یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ نفسیاتی اعتبار سے رسولؐ نارمل تھے، لیکن وحی اور پیغام الہی کے بارے میں (نعوذ باللہ) پر خلوص نہیں تھے۔ دوسرے نے کہا کہ وہ پیغام الہی اور فرائض نبوت پر پختہ یقین رکھتے تھے، لیکن نعوذ باللہ ذہنی طور پر متوازن نہیں تھے۔ پھر ایک تیسرا گروہ وجود میں آیا جس نے بیچ کی راہ نکالنے کی کوشش کی۔ اس نے کہا کہ وہ غیر مخلص تو نہیں تھے تاہم قرآن کو وحی باور کرنے میں انہیں غلط فہمی ہوئی تھی۔ (۵۲)

نیک نیتی ان کے کاموں میں کتنی ہے اس کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ ’نکلسن‘ نے ’پامر‘ کے ترجمہ قرآن پر دیباچہ لکھا۔ اس میں وہ حضورؐ کے خلوص کا اعتراف کرتا ہے۔ مگر ساتھ ہی وہ یہ بھی کہتا ہے: ’جب حالات کے جبر کے تحت پیغمبر ایک حکم راں اور قانون ساز میں ڈھل گئے تو بھی یہ ایک نفسیاتی ضرورت تھی کہ وہ خود کو الہامی پیغامات کا منتخب ذریعہ سمجھتے رہیں۔‘ (۵۳)

’وہ‘ نے حضورؐ کے کئی اور مدنی دور میں فرق کیا اور مدنی دور کو خواہشات نفس کی پیروی

قراردیتے ہوئے یہاں تک لکھا کہ وہ مدینے میں حکم راس کے طور پر تھے اور مال و دولت کی ذخیرہ اندوزی میں مصروف ہو گئے۔ (۵۴)

’میوزن نے حضور کی شان اقدس میں جو بہتان تراشے ہیں اس کا آئینہ دار اس کی کتاب لائف آف محمد ہے، رہ رہ کر اس نے مسلمانوں کے قلب و ذہن کو مسموم کیا۔ وحی کے متعلق اس نے لکھا کہ اس کے متعلق خود نبی کو یقین نہیں تھا۔ واقعہ غرائق اور دوسرے امور کی اس نے جو توجیہ کی ہے اس سے اس کے دل کا چور سامنے آ گیا۔ (۵۵)

’اسپرنگر کے نزدیک (نعوذ باللہ) آپ ایک بہروپے سے زیادہ کچھ نہیں تھے۔ اس نے لکھا ہے کہ: ’اسلام..... کا کارنامہ ہے۔ یہ اس بہروپے (فحش) کی اپنی تعلیمات بھی نہیں، تاہم اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس بہروپے نے اسے اپنی بدکرداری اور ذہنی بے راہ روی سے آلودہ کیا اور یہ تمام قابل اعتراضات تعلیمات اس کی اپنی ہیں۔‘ (۵۶)

جارج برناڈشا سے کون واقف نہیں، اس کی علمی بصیرت کے سبب ہی قائل ہیں۔ لیکن نبی کی ذات بابرکات کو دے لفظوں میں اس نے جس انداز سے مجروح کرنے کی کوشش کی ہے اس سے اس کی تمام کاوشیں مشکوک ہو کر رہ جاتی ہیں اور اس سے اس کا عناد کھل کر سامنے آ جاتا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے:

”محمد عربیؐ نے خود قبائل کو پتھروں کی پرستش سے ہٹا کر ایک خالص توحید کے منوانے کا

عزم تو کر سکتے تھے، مگر حسین خاتون کارو کرنا ان کے بس میں نہیں تھا۔“ (۵۷)

پروفیسر مارگو لیٹھ نے سیرت نبویؐ پر ایک کتاب تحریر کی۔ بہ قول علامہ سید سلیمان ندوی: اس سے زیادہ زہریلی کوئی کتاب سیرت نبویؐ پر انگریزی میں نہیں لکھی گئی۔ اس میں اس نے ہر واقعہ کے متعلق انتہائی سنجیدہ پہنچا کر سیرت نبویؐ کو بگاڑ کر دکھانے کی پوری کوشش کی ہے۔ (۵۸)

’مفکمری واٹ‘ نے محمد ایت مکہ، محمد ایت مدینہ اور محمد دی سلطین کے نام سے سیرت نبویؐ پر کتابیں تحریر کی ہیں۔ اپنی چرب زبانی اور کمال دانش مندی سے اس نے بڑی شہرت حاصل کی۔ مسلم حلقوں میں بھی اس نے خاص اثر و رسوخ حاصل کیا۔ لیکن یہ کتنا بڑا متعصب اور اسلام دشمن تھا اس کے متعلق سید صباح الدین عبدالرحمن لکھتے ہیں: وہ انہی مستشرقین میں سے ہے جو انتہائی زہریلی باتیں اپنے طاق و داور ماہر انداز میں کہہ کر اپنی مطلب براری کی کوشش کرتے ہیں۔ (۵۹)

قرآن مقدس اور آپ کی تعلیمات نے دنیا میں جو انقلاب برپا کیا وہ روز روشن کی طرح عیاں ہے۔ مگر تعصب کی اتنی دیزینک آنکھوں پر چڑھی ہوئی ہے کہ یہ جلی کارناے اسے دکھائی نہیں دیتے۔ اس کی ایک واضح مثال یہ ہے کہ ۱۹۳۴ء میں باز نطینی حکم راس ’مینول ثانی‘ اور ایران کے ایک عالم کے درمیان ہوئے مناظرہ میں ’مینول‘ نے کھلے عام کہا تھا:

”مجھے دکھاؤ محمد ایسی کیا نئی شے لے کر آئے ہیں سوائے غیر انسانی اور ظالمانہ چیزوں کے۔ انہوں نے اپنے عقیدے کو پھیلانے کے لیے کھوار کا استعمال کیا۔ خدا خون بہانے سے خوش نہیں ہوتا، نہ ہی عقل کے مطابق عمل کرنا خدا کی تعلیمات کے خلاف ہے۔ ایمان روح کی پیدائش ہے جسم کی نہیں۔ جو شخص کسی کا عقیدہ بننا چاہتا ہے اسے چاہیے کہ وہ اپنے اندر بولنے اور قائل کرنے کی صلاحیت پیدا کرے۔ ایک عقل مند آدمی کو قائل کرنے کے لیے مضبوط بازوؤں اور ہتھیاروں کی ضرورت نہیں ہوتی۔“ (۶۰)

دورِ جدید کے بعض متعصب مفکرین

مستشرقین نے ایک طرف نبیؐ کو دنیا کا سب سے بڑا معیوب انسان باور کرایا تو دوسری طرف اپنی تحریر میں جگہ جگہ ان کے محاسن بھی بیان کیے ہیں تاکہ توازن برقرار رہے۔ اس کی تفصیل میں جانے کا یہاں موقع نہیں ہے۔ اس طرح کے زہریلے لٹریچر کو پڑھ کر مغرب میں جو نسل تیار ہوئی یا اس کی فکر سے دوسرے لوگ متاثر ہوئے انہوں نے اپنے پیش روؤں کو بھی پیچھے چھوڑ دیا اور پورے سرمایہ اسلام پر ہی زبان طعن دراز کرنے لگے۔ ایسے لوگوں کو مغرب نے خوب سراہا اور داد تحسین دی۔

رابرٹ اسپینسر ایک امریکی مصنف ہے۔ اس نے چھ کتابیں لکھیں ہیں۔ ان کتابوں کا موضوع اسلام اور دہشت گردی ہے۔ وہ اسلام دشمن ویب سائٹ Jhad Watch اور Dhimi Watch کا بھی بانی ہے۔ اس سے صاف واضح ہوتا ہے کہ اس کی دشمنی اسلام اور پیغمبر اسلام سے کس حد تک بڑھی ہوئی ہے۔

سرگئی ترکوف (Sergei Tirkovich) سریائی امریکی تاریخ داں اور سیاسی تجزیہ نگار ہے۔

اس کے تجزیوں کا سارا زور اسلام کو ایک پر تشدد مذہب ثابت کرنے اور یہ باور کرانے پر ہے کہ محمدؐ کی سیرت نقائص کا مجموعہ ہے۔

دی۔ ایس۔ ناچپیل (V.S. Naipaul) نوٹیل پرائز حاصل کرنے والا ہندو پس منظر کا حامل برطانوی مصنف ہے۔ اس نے اپنی تحریروں کے ذریعے اسلام کے خلاف بہت ساری بدگمانیاں پیدا کیں۔ اس کا کہنا ہے کہ اسلام نے اس دین کو قبول کرنے والوں کی زندگی پر انتہائی خراب اثرات مرتب کیے ہیں اور ان لوگوں نے اپنی ثقافت اور تاریخ کو بھلا دیا ہے۔

اوریا نالاسی (Oriana Falase) ایک اطالوی صحافی ہے۔ اسلام کے حوالے سے دو کتابوں کا مصنف بھی ہے۔ اسے ۲۰۰۷ء میں اسلام کے خلاف جدوجہد کے حوالے سے بین الاقوامی ایوارڈ سے بھی نوازا گیا ہے۔ اس نے اسلام کے حوالے سے لکھا ہے:

”اسلام ایک تالاب ہے اور تالاب کا ساکن پانی کا چیل ہوتا ہے..... یہ بھی صاف نہیں ہوتا..... یہ آسانی سے آلودہ ہو جاتا ہے۔ بالکل کم تر حیثیت کے موشیوں کے لیے بنائے گئے پانی کے چمید کی طرح..... تالاب زندگی سے پیار نہیں کرتا۔ یہ موت سے محبت کرتا ہے۔“

گیرٹ ولڈر (Geert Wilders) نیدر لینڈ کا رہنے والا ہے۔ اس نے بار بار قرآن پر پابندی لگانے کی بات کہی ہے اور قرآن کو مغرب سے تمام اختلافات کی اصل قرار دیتا ہے۔ اس کی انتہا پسندی تمیزی سے یورپ میں مقبول ہو رہی ہے۔ قرآن اور مسلمانوں پر جارحانہ تنقید کر کے سکھ رائج الوقت بننا جا رہا ہے۔ اس نے محمدؐ کے بارے میں لکھا کہ وہ ایک دہشت گرد انسان تھے۔ ۲۰۰۸ء میں اس نے ایک فلم ’قتلہ بنائی‘ جس میں قرآن پر شدید تنقید کی ہے۔

Par Rebertson اسلام پر یہ الزام عائد کرتا ہے کہ یہ بد امنی کا مذہب ہے اور بنیاد پرست مسلمان شیطانی مذہب کے پیروکار، اسامہ بن لادن محمدؐ کا سچا پیروکار ہے۔

Jerry Falwell محمدؐ کے متعلق باور کرانا چاہتا ہے کہ نعوذ باللہ وہ دہشت گرد تھے۔

Franking Graham اسلام کو ایک جھوٹا اور بدی پر مشتمل مذہب سمجھتا ہے۔ اس کا

کہنا ہے کہ اسلام کو ماننے والے لوگوں کو طالبان کے زیر اثر علاقوں میں چلا جانا چاہیے۔

ان کے علاوہ اور بھی غیر مسلم دانش ور اور اہل قلم ہیں جنہوں نے سیرت رسول ﷺ کو

مشکوٰۃ ٹھہرانے کی کوشش کی ہیں۔ ان کے نام یہ ہیں: ڈینیل پائپس (Danial Pipes)،
 Ba'at Ya'oran، گبریل برجت (G Brigitte Gabriel)، برناڈیوس، مانگل انفرے
 (Michel Onfray)، ریچرڈ ڈاؤکنس (Richerd Dawkins)، سیم ہریس (Sam Harris)،
 کرسٹوفر ہکنس (Christopher Hitchens)، ریچرڈ کیریئر (Richerd Carrier)،
 پاٹ کنڈل (Pat Condell)، آر۔ البرٹ مولر (R. Albert Mohler) وغیرہ۔

نام نہاد مسلم مفکرین کی بھی بڑی تعداد ہے اور ان کی ہرزہ سرائی بھی بڑی تکلیف دہ
 ہے۔ ان لوگوں نے مادیت اور شہرت کی لالچ میں اپنے دین و ایمان اور ضمیر کا سودا کیا اور اسلام کو
 داغ دار کرنے میں مصروف ہو گئے۔ ان میں سے چند یہ ہیں:

ہندوستانی نژاد مسلمان رشدی سے کون واقف نہیں ہے۔ اس نے نبی کی سیرت و
 شخصیت اور ازواج مطہرات پر جو غلیظ حملہ کیا ہے وہ انتہائی دردناک ہے۔ اس کی کتاب
 'شیطانی آیات' پر لوگوں نے شدید احتجاج کیا، اس کے بعد اس کی اشاعت پر نہ صرف پابندی
 لگائی گئی بلکہ خود اسے بھی روپوش ہونا پڑا۔

'ایمان ہر ایسی علیٰ صومالیہ سے تعلق رکھنے والی خاتون ہے۔ وہ اپنی تعلیم کے دوران ہی
 اسلام سے بے زار ہو گئی اور گیارہ ستمبر کے واقعے کے بعد اس نے اسلام سے لاطعلق کا اعلان
 کر دیا۔ اس کا کہنا تھا کہ قرآن کے ساتھ اپنے اتنے پرانے تعلق کے باوجود آج کے بعد سے
 قرآن میرے لیے ایک تاریخی ریکارڈ سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتا۔ اس نے اسلام کے خلاف
 ہرزہ سرائی کے علاوہ پیغمبر اسلام کی شان میں گستاخانہ باتیں کہیں اور Theo Von Gogh کی
 بدنام زمانہ فلم Submission ہے۔ اس میں مسلمان عورتوں اور حضرت عائشہؓ کو موضوع بحث
 بنایا گیا تھا، اس میں اسکرین پلے کرنے پر اس کو مسلم تنظیموں کی طرف سے جان کا خطرہ لاحق ہوا،
 جس کے بعد اس نے خود کو منظر عام سے غائب کر لیا۔

'تسلیمہ نسرین' یہ ایک بنگلہ دیشی مصنفہ ہے جو خود کو سیکولر باور کراتی ہے۔ اس نے بھی
 اسلام کے خلاف دریدہ دہنی میں عالم گیر شہرت حاصل کی۔ توہین رسالت اور اسلام کے خلاف
 ہرزہ سرائی کے بعد بنگلہ دیش میں اس کا رہنا ناممکن ہو گیا۔

'گمدی علام' مصری نژاد اطالوی منہ پھٹ صحافی ہے۔ اس نے مارچ ۲۰۰۸ء میں

پوپ بینی ڈکٹ کے ہاتھوں کیتھولک فرقے میں شمولیت اختیار کی۔ اس کا کہنا ہے کہ اسلام تشدد کا مذہب ہے جو نفرت اور عدم برداشت کی تعلیم دیتا ہے۔

’نونی درویش‘ اسرائیل کی حامی ویب سائٹ کی بانی ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ اسلام محض ایک مذہب نہیں بلکہ یہ مطلق العنان ریاست ہے۔ اس کی کتاب: Now they Call Me Infidel Why I Renounced Jihad for America, Idrael and the War on Terror نے غیر معمولی شہرت حاصل کی۔

Nyamko Sabuniswui: سویڈن میں صنفی مساوات کی وزیر ہے اور یہ حجاب پر پابندی کی انتہائی سخت حامی ہے۔ وہ اسکول کی طالبات کے Gynocological Examination کی حامی ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ میں یہ بات کسی صورت میں برداشت نہیں کر سکتی کہ خواتین اور بچوں کو مذہب کے نام پر دبا یا جائے۔ اس نے اسلام میں اصلاحات کرنے کا تو کوئی دعویٰ نہیں کیا، مگر اسلامی تعلیمات کو ناقابل قبول ضرور قرار دیا ہے۔

’خالد دوران‘ اس نے مراکش اور پاکستان میں مشرقی زبانوں میں اسلام کی تعلیم حاصل کی۔ اس کو اسلامو فاسزم کی اصطلاح کا بانی کہا جاتا ہے۔

’احسان جامی‘ ڈچ سیاست داں ہے جس نے محمدؐ کی ذات کو شدید تنقید کا نشانہ بنایا۔ ’ولید شوبیت‘ PLO کا سابق رکن جس نے اسرائیل کے خلاف حملوں میں حصہ لیا۔ یہ بھی اسلام کے خلاف ہرزہ سرائی میں معروف ہوا۔

’ابن وراق‘ پاکستان سے تعلق رکھنے والا سیکولر مصنف اور Institute for the Secularisation of Islamic Society کا بانی ہے۔ اس نے سات کتابیں تصنیف کی ہیں۔ اس نے دوسرے اسلام دشمن مصنفین کے ساتھ مل کر ۲۰۰۷ء میں ’سیکولر اسلام سٹ‘ میں شرکت کی۔ اس میں سلمان رشدی بھی شامل تھا۔ اس کانفرنس نے اسلامی قوانین، شریعت، فتویٰ، ریاستی مذہبی قوانین کو ختم کرنے کا مطالبہ کیا۔ اس کے علاوہ ان افراد نے (ان میں ارشاد مانجی اور وفا سلطان بھی شامل ہیں) توہین رسالت کے قوانین پر بین الاقوامی انسانی حقوق کے چارٹر کے تحت پابندی کا مطالبہ کیا۔

’وفا سلطان‘ شام سے تعلق رکھنے والی سنی مسلمان گھرانے میں پیدا ہونے والی خاتون

ہے۔ دنیا بھر میں اپنی اسلام دشمنی کی وجہ سے جانی جا رہی ہے۔ اسلام کے بارے میں اس کا کہنا ہے کہ بغیر اسلام نے فرمایا ہے کہ مجھے اس وقت تک لوگوں سے جنگ کرنے کا حکم دیا گیا ہے جب تک وہ اسلام قبول نہ کر لیں۔ پھر وہ اسلامی تعلیمات پر براہ راست حملہ کرتی ہے اور کہتی ہے:

”اسلام کے مسائل کی جڑیں اس کی تعلیمات میں ہیں۔ اسلام صرف ایک مذہب

نہیں، بلکہ یہ ایک سیاسی نظریہ بھی ہے جو تشدد کی تعلیم دیتا ہے اور اپنے ایجنڈے کو

طاقت کے زور پر نافذ کرتا ہے۔“

’ارشاد مانچی‘ اس خاتون کا تعلق کنیڈا سے ہے۔ یہ خود کو مسلمان کہتی ہے مگر اسلام کی تمام تعلیمات سے اس کو اختلاف ہے۔ یہ The trouble with Islam نامی کتاب کی مصنفہ ہے جس کا کئی زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے۔ کتاب کے نام سے ہی واضح ہوتا ہے کہ اس نے اسلام کو کس طرح توڑ مڑ کر دنیا کے سامنے پیش کیا ہے۔ (۶۱)

عظمت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اعتراف

اس میں کوئی شک نہیں کہ مستشرقین کی صدیوں پر محیط کاوشوں کے نتیجے میں کچھ مثبت باتیں بھی سامنے آئیں۔ تاہم اس محنت کے پیچھے جو عوامل کارفرما تھے وہ یہ کہ اسلام کے اندر داخل ہو کر اسلام اور محمدؐ پر اس چابک دستی سے حملہ کیا جائے کہ لوگوں کو اس کی صداقت کا یقین ہو جائے۔ اس کی ایک واضح مثال ’جرمی زیدان‘ کی کتاب ’حمدن اسلام‘ ہے۔ جو بظاہر مسلمانوں کی مدح سرائی میں لکھی گئی ہے، لیکن در پردہ مسلمانوں پر سخت اور تحقباتانہ حملہ ہے۔ باوجود اپنی پر فریبیوں کے مگر گہری کتاب پھیل گئی۔ (۶۲) اسی طرح میور کی کتاب لائف آف محمدؐ ہے۔ اس کتاب کے بعض مباحث کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ مجموعی طور پر اس نے نبیؐ کی نبوت اور آپؐ کی تبلیغی مساعی کا اعتراف کیا ہے۔ انتہائی زہریلی کتاب لکھنے کے باوجود مارگو لیتھ اپنی کتاب کی ابتداء میں ہی لکھتا ہے:

”محمدؐ کے سوانح نگاروں کا ایک وسیع سلسلہ ہے جس کا ختم ہونا غیر ممکن ہے، لیکن اس

میں جگہ پانا قابلِ فخر بات ہے۔“ (۶۳)

’ہانگل ہارٹ‘ نے دنیا کی سو عظیم شخصیات کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے۔ اپنے

انتخاب میں اس نے نبی اکرمؐ کو سب سے اونچا مقام دیا ہے اور سب سے پہلے آپؐ کا ذکر کیا ہے۔ وہ اپنے مضمون کی شروعات اس طرح کرتا ہے:

”محمدؐ تاریخ کے واحد شخص تھے جنہوں نے اعلیٰ ترین کامیابی حاصل کی۔ مذہبی سطح پر بھی اور دنیاوی سطح پر بھی۔ محمدؐ نے معمولی حیثیت سے آغاز کر کے ایک عظیم ترین مذہب کی بنیاد رکھی اور اس کو پھیلایا۔ وہ انتہائی موثر سیاسی لیڈر بن گئے۔ ان کی وفات کے تیرہ صدیوں بعد آج بھی ان کے اثرات غالب اور طاقت ور ہیں۔“ (۶۳)

بہت کم عرصے میں نبیؐ کے اثرات دنیا میں پھیل گئے اور آپؐ کے ماننے والوں کی تعداد میں غیر معمولی اضافہ ہوا، اس کا بجا اعتراف کرتے ہوئے ’جوزف شاخت‘ لکھتا ہے:

”نبیؐ کو اپنی رسالت کی صداقت پر پختہ یقین تھا، وہ ہر شک و شبہ سے بالاتر ہے۔ آپؐ کی شخصیت کا جو پہلو نہایت شدت سے ابھرا وہ آپؐ کا دینی جذبہ تھا۔ جب اس کا احتجاج آپؐ کی غیر معمولی سیاسی صلاحیتوں سے ہوا تو آپؐ کی رسالت دنیا میں ہی کامیابی سے ہم کنار ہو گئی۔ کئی برس آپؐ کا صبر و استقامت اور مدینے میں آپؐ کے مدبرانہ اعمال اور منصوبے، یہ سب آپؐ کی اس نظریاتی جدوجہد کے مظاہر تھے، جس کے لیے آپؐ ساری عمر تنگ کوشش کرتے رہے۔ آپؐ کی غیر معمولی شخصیت نے جس کے اثر و نفوذ نے آپؐ کی کامیابی کی راہیں ہموار کیں، اسلام پر اپنے امنٹ اثرات چھوڑے ہیں۔“ (۶۵)

بیروت کے مسیحی اخبار الوطن نے ۱۹۱۱ء میں لاکھوں عرب عیسائیوں سے سوال کیا کہ دنیا کا سب سے بڑا انسان کون ہے؟ اس کے جواب میں ایک عیسائی عالمؒ ’داور مجا عرض‘ نے مختلف دلائل و حاسن کے ذریعہ ثابت کیا کہ محمدؐ دنیا کی سب سے عظیم ہستی ہیں۔

مغرب کے دوش بہ دوش یا اس کی برپا کی ہوئی تحریک کے زیر اثر ہندوستان میں بھی ایسے غیر مسلم مفکرین کی کمی نہیں، جنہوں نے سیرت رسولؐ کا مطالعہ ہر دو پہلو سے کیا ہے۔ موقع محل کو دیکھ کر انہوں نے بھی محمدؐ پر زبان طعن و دراز کی ہے۔ گنگا پر سادا و پادھیائے بھی ان میں سے ایک ہیں۔ انہوں نے اسلام کا مطالعہ تعصب کی عینک لگا کر کیا ہے۔ ان کی معروف کتب ’مصابیح الاسلام‘ اس کی آئینہ دار ہے۔ اس میں انہوں نے اسلام کے بہت سے موضوعات سے بحث کی

ہے اور جگہ جگہ اسلامی اصول و اقدار پر نشتر زنی کی ہے۔ خاص طور پر تعدد و ازدواج پر بحث کرتے ہوئے اس نے نبی کو حد درجہ شہوت پرست ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ کتاب کے مقدمہ میں اس نے اپنی لچھے دار باتوں سے ہر دو فریق کی حمایت حاصل کرنے کی کوشش کی ہے اور خود کو غیر جانب دار بتایا ہے۔ باوجود اپنے عناد کے وہ نبی کے متعلق لکھتا ہے:

”حضرت محمد صاحب کے لیے یہ کچھ کم عزت کی بات نہیں ہے کہ ان کی عین حیات میں ان کی عظمت کا سکہ سارے عرب میں بیٹھ گیا اور روئے زمین کی آبادی کا ایک حصہ آج بھی حضرت محمد صاحب کا معتقد ہونے کو اپنا فخر سمجھتا ہے..... جب میں قرآن شریف پڑھنے لگتا ہوں تو حضرت محمد کی خردمندی اور حوصلہ کی داد دینے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اگرچہ میرے اعتقادات اور مسلمانوں کے مروجہ اعتقادات میں مشرق و مغرب کا بعد ہے۔“ (۶۶)

بیسویں اور رواں صدی میں بھی مفتی رحمان کی اشاعت کے لیے مغرب سرگرم ہے۔ پوپ بنی ڈکٹ نے ستمبر ۲۰۰۶ء میں جرمنی کی ایک یونیورسٹی میں خطاب کے دوران اسلام اور محمدؐ جو اعتراضات کیے ہیں اس کی واضح مثال ہے۔ ڈاکٹر عبدالقادر جیلانی لکھتے ہیں:

”کائنات کی کوئی اور شخصیت اس قدر موضوع گفتگو نہیں بنی، جس قدر کہ سرور کائنات کی ہمہ پہلو شخصیت۔ عالم اسلام میں قلم ان کے عشق و مستی میں سرشار تو عالم عیسائیت کا قلم بغض و عناد میں ڈوبا ہوا۔ ابو جہل و ابولہب نے اگر انہیں شاعر و ساحر و مجنون و مفتون قرار دیا تو صادق و امین و حلیم و کریم بھی تسلیم کرتے تھے۔ لیکن مغرب کی نظریں عرب جاہلیہ کے تعادل سے بھی عاری تھیں۔ انہیں سوائے حج کے کوئی صن نظر نہیں آیا۔ اپنی کورجشی کو وہ ان کی شخصیت کا عکس سمجھے۔ اپنے ذہنی حج کو الفاظ میں ڈھالا اور اسے سیرت نگاری تصور کرتے رہے۔“ (۶۷)

معاندین اسلام کے بعض اعتراضات

بیش تر مستشرقین اور مفکرین مغرب نے حضورؐ کی سیرت کو مکروہ بنا کر پیش کرنے کی کوشش کی ہے اور دانستہ یا غیر دانستہ شو کریں کھائی ہیں۔ جوزف شاخت، ہمبرے پریڈ، ریلانڈ، ریسکی، ایڈمنڈ ڈوٹے، سینٹ الہری، دی انکونا، سائمن اوکلے، ایڈورڈ گمن، جارج سیل،

گوئے، دیون پوٹ، باس جوتھ اسمتھ، اسٹیلے لین پول، ریٹان، واشٹنٹن اردنگ، ایچ جی ویلز، کاسکائی، بکر، گرم، ولہا وزن، جان کریر، تولد کی، اسپرنگر، دوزی، گولڈزیئر، وبر، ڈیوڈ مارگولیتھ، ہنری لیمن، ولیم میور وغیرہ ان ہی لوگوں میں سے ہیں۔ ان کی صدیوں پر محیط کاوشوں کے جو نتائج برآمد ہوئے ہیں وہ وہی ہیں جس کی ابتدا شروع میں ہوئی تھی۔ حکمت عملی کے بدلنے کے ساتھ آخر تک وہی باتیں الفاظ کے رد و بدل کے ساتھ دہراتے رہے۔ لیکن دل چسپ بات یہ بھی ہے کہ مستشرقین کے ان پر اگندہ اعتراضات و خیالات کا جواب خود ان کے گروہ کے بعض لوگوں نے بھی دیا ہے اور اسے تعصب و عناد کا شاخ و ثمر قرار دیا ہے۔ مغربی دنیا کی طرف سے سیرت رسولؐ پر جو اعتراضات کیے جاتے ہیں ان میں سے چند یہ ہیں:

☆ پیغمبر اسلام کا نام محمد نہیں، موہومٹ (شہزادہ تاریکی) تھا۔

☆ محمد خج ذات تھے۔

☆ محمد دراصل ایک مسیحی پادری تھے اور خواہش کر بیٹھے کہ پوپ منتخب کر لیے جائیں۔ ان کی یہ خواہش پوری نہ ہوئی تو کلیسا سے قطع تعلق کر لیا اور ایک نئے دین اسلام کو ایجاد کر لیا۔

☆ مخالف مسیح اور دشمن عیسائی تھے۔

☆ ترکوں کے پیغمبر تھے۔

☆ حیوان تھے اور صرف حیوانی زبان عربی جانتے تھے۔

☆ شہوت پرست تھے اور اپنے پیر و کاروں کو بھی اس میں ملوث کیا۔

☆ نبوت نتیجہ تھی ان کی خود بیانی یا خود ایجادی اور التقاء نفس کا۔

☆ وہ خواب بہت دیکھا کرتے تھے، وحی بھی بہ طور خواب دیکھا کرتے تھے۔

☆ دوسروں کو یقین دلانے کے لیے کہ ان پر وحی آتی ہے محض ایک ڈھونگ تھا اور اسی کے

لیے انہوں نے ایک سفید دودھیارنگ کے کبوتر یا فاختہ کو سدھار کھا تھا، جو ان کے کندھے پر بیٹھا رہتا تھا اور وقفہ وقفہ سے چوہنج مار کر ان کے کان میں دانی چکا کرتا تھا۔ اس طرح

وہ دوسروں پر یتاثر قائم کرتے تھے کہ فرشتہ ربانی (جبرئیل) ان پر وحی کرتا ہے۔

☆ اعصابی امراض، توہمات اور فریب حسی میں مبتلا تھے۔

☆ نزول وحی کے وقت مرگی کا دورہ پڑتا تھا۔

- ☆ وہ اپنے الہامی اور انبیائی مشن کے بارے میں خود مشکوک تھے۔
- ☆ مذہب کی تشکیل میں شام کے مسیحی اثرات کو بڑا دخل تھا۔ اس لیے کہ نسٹوری راہب سے خاص ملاقات تھی۔
- ☆ ان کو بائبل کی تعلیمات کا علم تھا۔
- ☆ نبوت کا تسلسل برقرار نہیں رہا۔
- ☆ اسلام کی ترویج و اشاعت کے لیے تشدد کا مظاہرہ کیا اور تنکوار سے کام لیا۔
- ☆ حضور کی کئی زندگی مکہ تک پیغمبرانہ رہی، لیکن مدینہ جا کر بادشاہی میں بدل گئی۔
- ☆ دنیا داری کی ہی حکمت اور عملی بہانہ جوئی اختیار کی۔
- ☆ کار نبوت کی ابتدا میں تو ایمان داری سے یہودی اور عیسائی طور و طریق اور نظام کو اپنایا اور اپنے مذہب کے لیے انہیں بنیاد بنایا۔ لیکن جب مطلب نکل گیا تو اس سے برأت ظاہر کر دی۔
- ☆ شاید اسلام یہودیت کا ایک حصہ بن جائے۔
- ☆ منشور مدینہ میں نبی کا مقام و مرتبہ غیر متعین تھا۔
- ☆ نبی کی ہجرت سے کفار مکہ بڑے خوش ہوئے۔
- ☆ محمد نے بلادِ جہ قریش کو اپنے خلاف بھڑکایا۔
- ☆ غزوات محض لوٹ مار کی ہمیں تھیں اور غربت و تنگ دستی دور کرنے کا ذریعہ۔
- ☆ نبی کا لایا ہوا انقلاب اور مذہبی اصلاحات اس لیے کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتی کہ وہاں کا ماحول ان کے موافق اور مناسب نہیں تھا۔
- ☆ اسلام ایک بدقسمت تاریخی حادثہ تھا اور محمد مرگی میں مبتلا ہو کر مر گئے جو شدت بھوک کا نتیجہ تھا۔
- ☆ اسلام ایک اشتراکی رجحان تھا اور محمد صرف ایک معاشرتی و سماجی مصلح تھے نہ کہ پیغمبر۔
- ☆ لونڈی اور غلام بنانے کی اجازت دی اور اس پر عمل کیا۔
- ☆ داستانِ غرائق، شیطانی آیات کو نبی نے قبول کیا۔
- ☆ مطلقہ عورتوں اور چچا زاد بہنوں سے شادی کرنا ان کے نزدیک کوئی عیب کی بات نہ تھی۔

- ☆ اپنی نبوت کا جواز پیدا کرنے کے لیے پہلے تمام انبیائے بنی اسرائیل کو تسلیم کیا، بعد میں بڑے نبی بن گئے اور ختم نبوت کا اعلان کر دیا۔
- ☆ محمد نے معجزات کی نسبت محض انبیائے ماضی کے ہم پلہ ثابت کرنے کے لیے قائم کی تھی۔ (۶۸)

حاصل بحث

عیسائی دنیا کی مظلوبیت مسلمانوں کے ہاتھوں ہوئی۔ وہ ایک رعایا کی حیثیت سے مسلم ممالک میں کافی عرصہ تک رہے، مسلمانوں نے ان کے ساتھ جس فراخ دلی اور رواداری کا مظاہرہ کیا اس کی نظیر نہیں ملتی۔ باوجود اس کے وہ اسلام اور مسلمانوں کے بڑھتے اثرات سے اندر ہی اندر کڑھتے رہے اور موقع و مناسبت سے اسلامی احکام اور حضور کی سیرت پر اعتراض بھی کرتے رہے، جن سے ان کی اسلام دشمنی واضح ہو جاتی ہے۔ اختلاف رائے کا حق سب کو ہے مگر بدزبانی اور بہتان تراشی کسی کو بھی پسند نہیں۔ کیا مسلمانوں نے سابقہ انبیاء اور ان کی تعلیمات کے متعلق اپنی زبان کو کبھی آلودہ کیا اور انہیں خدا کا فرستادہ اور نبی ماننے سے انکار کیا ہے۔ مسلمانوں کا رویہ اہل کتاب کے متعلق ہمیشہ نرم رہا اور وہ انہیں ایک قسم کے مختلف دھارے سمجھتے رہے ہیں۔ پھر کیا وجہ ہے کہ عیسائی دنیا اور خاص طور پر مستشرقین کبھی یہ باور کرانے کی کوشش کرتے ہیں کہ اسلام کوئی مذہب نہیں ہے، کبھی انہوں نے پیغمبر اسلام کی ذات بابرکات کو مجموعہ خرافات ثابت کرنے کی کوشش کی، یہاں تک کہ مقدس کتاب کو کلام الہی ماننے سے انکار کیا اور اسے محمد کی تصنیف قرار دینے اور ثابت کرنے کے لیے بے بنیاد شواہد پیش کرتے رہے۔ ایسے لوگوں کی ایک بڑی تعداد ہے جن کا ہم ٹھیک طریقے سے شمار بھی نہیں کر سکتے اور نہ ان کی یادہ گوئی کا مزید تذکرہ کر کے اپنے خیالات کو پراگندہ کرنا چاہتے ہیں۔ مختصر لفظوں میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ مستشرقین نے ہر اس چیز کے خلاف اپنی صلاحیتیں صرف کیں جس کا تعلق اسلام سے تھا۔ جو چیز قلعہ اسلام کے لیے جتنی ناگزیر تھی وہ اسی شدت کے ساتھ مستشرقین کی فتنہ انگیزوں کا نشانہ بنی۔ انہوں نے قرآن حکیم کے خلاف دل کھول کر تشزئی کی۔ احادیث مبارکہ سے امت کے اعتماد کو ختم کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگایا اور تعلیمات اسلام کو اس انداز میں پیش کیا کہ

جو بھی دیکھے کراہت محسوس کرے۔ اسلام میں جو چیز بالخصوص مستشرقین کے حملے کا نشانہ بنی وہ حضور کی سیرت طیبہ ہے۔ حالاں کہ سیرت مبارکہ روز روشن کی طرح عیاں ہے۔ ابوحنیفان باوجود دشمن ہونے کے ہرقل کے دربار میں کوئی ایسی بات نہ کہہ سکا جو جھوٹی ہو۔ وہ کافر ضرور تھا، لیکن اس کے نزدیک جھوٹ ایک اخلاقی مرض تھا۔ اس لیے وہ جھوٹ نہ بول سکا اور کفار مکہ آپ سے شدید عداوت رکھنے کے باوجود آپ کو صادق اور امین کہہ کر پکارتے تھے۔ مستشرقین ان سب حقیقتوں سے آشنا ہونے کے باوجود روایتی تعصب اور تنگ نظری سے دامن نہ چھڑا سکے، انہوں نے حضور کے دامن کو داغ دار کرنے کے لیے مختلف انداز اختیار کیے، کبھی آپ کو اپنے ڈراموں، فلموں اور تصویری کہانیوں کے ناپسندیدہ کرداروں کی شکل میں پیش کیا، کبھی آپ کے جسم مبارک کو جہنم کے پست ترین درجوں میں دکھایا، غرض کہ جو بھی اخلاقی برائی ہو سکتی تھی (نعوذ باللہ) آپ کو اس میں گرفتار دکھایا۔ یہ باتیں یقیناً اہل اسلام کے لیے کرب ناک ہیں۔ بقول علامہ اسد:

”یورپین کا رویہ اسلام کے بارے میں اور صرف اسلام ہی کے بارے میں دوسرے غیر مذاہب اور تمدنوں سے بے تعلقی کی ناپسندیدگی ہی نہیں، بلکہ گہری اور تقریباً بالکل مجنونانہ نفرت ہے۔ یہ محض ذہنی نہیں ہے، بلکہ اس پر شدید جذباتی رنگ بھی ہے۔ یورپ بدھوت اور ہندو فلسفوں کی تعلیمات کو قبول کر سکتا ہے اور ان مذہبوں کے متعلق ہمیشہ متوازن اور منکرانہ رویہ اختیار کر سکتا ہے، مگر جیسے ہی اسلام کے سامنے آتا ہے، اس کے توازن میں خلل پڑ جاتا ہے اور جذباتی تعصب آ جاتا ہے۔ بڑے سے بڑے یورپین مستشرقین بھی اسلام کے متعلق لکھتے ہوئے غیر معقول جانب داری کے مرکب ہو گئے ہیں..... اس طریقہ عمل کا نتیجہ یہ ہے کہ یورپ کے مستشرقین کے ادب میں ہمیں اسلام اور اسلامی معاملات کی بالکل مخدوشہ تصویر ملتی ہے۔ یہ چیز کسی ایک خاص ملک میں محدود نہیں، بلکہ جرمنی، روس، فرانس، اٹلی، ہالینڈ، غرض ہر جگہ جہاں یورپین مستشرقین نے اسلام سے بحث کی ہے، انہیں جہاں کہیں بھی کوئی واقعی یا محض خیالی ایسی بات نظر آتی ہے جس پر اعتراض کیا جاسکے، وہاں ان کے دل میں بدعتی کی سریت کی گدگدی ہونے لگتی ہے۔“ (۶۹)

اسلام اور سیرت رسول پر خاص طور پر مغربی مصنفین اور دانشوروں نے جو بہتان تراشی کی ہے اور اس سلسلے میں آئندہ ان کی کیا پیش رفت ہوگی اس کی وضاحت کرتے ہوئے

The Prophet of the Desert (پیغمبر صحرا) کے مصنف علامہ شیخ خالد لطیف گابانے جس حقیقت کا اظہار کیا ہے وہ بہت دل چسپ اور قابل ملاحظہ ہے:

”گزشتہ صدیوں میں اسلام اور پیغمبر اسلام کو غلط تعبیر، غلط تفسیر بلکہ بے اندازہ بہتان اور تہمت کی حشر سامانوں سے گزرنا پڑا، جن کا سلسلہ آج تک جاری ہے۔ تاریخی حقائق کو سوخ کیا جاتا ہے۔ مثلاً صلاح الدین ایوبی کی فتوحات کو لوٹ مار کی مہم جوئی قرار دیا جاتا ہے۔ صلیبی جنگوں کی شکست کی لغت کو مٹانے کے لیے ان کو فتح میں بدلنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ جنرل گورڈن کی موت، مظلیہ سلطنت اور مصطفیٰ کمال پاشا وغیرہ کے بارے میں بے سرو پا باتیں بیان کی جاتی ہیں۔ جب تک اسلام اس مادی دنیا میں ایک زندہ قوت کی حیثیت سے موجود ہے، غیر مسلموں کی جانب سے یہ توقع کرنا عبث ہے کہ وہ نئی نوع انسان کے معاشرتی، معاشی اور سیاسی مسائل حل کرنے کے سلسلے میں اسلام اور پیغمبر اسلام کے کارناموں کے بارے میں کوئی کلمہ خیر بھی زبان اعتراف سے ادا کریں گے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عیسائیت، صیہونیت اور بدھ مت اس مادی دنیا سے اپنا اپنا مقام کھو رہے ہیں، جب کہ اسلام اب تک نہ صرف یہ کہ ایک زبردست زندہ قوت کی حیثیت سے موجود ہے، بلکہ روز بروز ترقی کی جانب گامزن ہے، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے لیے بلقائوں کا حسد، یہودیوں کی نفرت، ہندوؤں کا تعصب اور روس کی خصامت بھی روز بروز مٹتی جا رہی ہے۔ (۷۰)



مآخذ و مراجع

- (۱) حافظ ابن کثیر دمشقی، البدایہ والنہایہ، دار الفکر، بیروت، لبنان، ۱۹۹۴ء، ج: ۲، جز: ۳، ص: ۱۳۶۔
- (۲) ابی جعفر محمد بن جریر الطبری، تاریخ الطبری (تاریخ الرسل والملوک) دار المعارف، قاہرہ، ج: ۲، ص: ۳۰۹-۳۱۷۔ ابن اثیر، الکامل فی التاريخ، دار الکتب العربی، بیروت، ۱۹۸۶ء، ج: ۲، ص: ۳۹۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: ابو محمد عبد الملک بن ہشام، سیرۃ النبی، مطبع جازی، قاہرہ، ج: ۱، ص: ۲۶۹-۲۷۴۔
- (۳) ایضاً، ج: ۱، ص: ۲۷۴۔ تاریخ طبری، ج: ۲، ص: ۳۱۷۔ الکامل فی التاريخ، ج: ۲، ص: ۳۹۔
- (۴) محمد بن سعد، الطبقات الکبری، دار الفکر، بیروت، لبنان، ۱۹۹۴ء، ج: ۱، ص: ۱۳۶۔ تاریخ طبری، ج: ۲، ص: ۳۳۲-۳۳۷۔
- (۵) ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل البخاری، صحیح البخاری، کتاب بدء الوحی، باب کیف کان بدء الوحی - سیرۃ النبی، ج: ۱، ص: ۲۰۶-۲۰۷ اور ۲۵۶-۲۵۷۔ تاریخ طبری، ج: ۱، ص: ۳۰۲۔
- (۶) علامۃ شلی نعمانی، سیرۃ النبی، دار المصنفین، شلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، ۲۰۰۳ء، ج: ۱، ص: ۱۵۱-۱۵۵ (بہ تصرف)
- (۷) محمد حسین بیگل، حیاۃ محمد، مکتبۃ النہضۃ، قاہرہ، ۱۹۵۲ء، ص: ۱۴۱۔
- (۸) سیرۃ النبی، ابن ہشام، ج: ۱، ص: ۲۸۳-۲۸۴ اور ۳۱۳-۳۱۴۔
- (۹) اسماعیل بن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، دار الاشاعت دیوبند، ۲۰۰۲ء، ج: ۳، ص: ۷۲۶۔ سیرۃ النبی، ابن ہشام، ج: ۱، ص: ۴۲۱۔
- (۱۰) صحیح البخاری، کتاب التفسیر، باب فضائل القرآن - تفسیر القرآن العظیم، ج: ۴، ص: ۶۷۵۔ البدایہ والنہایہ، ج: ۲، جز: ۳، ص: ۱۰۴۔

- (۱۱) سیرۃ النبی، ابن ہمام، ج: ۱، ص: ۳۲۰-۳۲۱
- (۱۲) الکامل فی التاریخ، ج: ۲، ص: ۶۳-۶۴۔ محمد الغزالی، فقہ السیرۃ، مطبعۃ الحسان، قاہرہ، ۱۹۷۶ء، ص: ۳۱
- (۱۳) الطبقات الکبریٰ، ج: ۱، ص: ۱۷۴
- (۱۴) صحیح البخاری، کتاب الوضوء، باب اذا اقی علی ظہر المصلیٰ فذرا وجیہہ لم یفسد علیہ الصلوٰۃ
- (۱۵) الطبقات الکبریٰ، ج: ۱، ص: ۱۳۷
- (۱۶) سیرۃ النبی، ابن ہمام، ج: ۱، ص: ۳۷۸-۳۷۹
- (۱۷) الطبقات الکبریٰ، ج: ۱، ص: ۱۳۶-۱۳۷۔ الکامل فی التاریخ، ج: ۲، ص: ۴۷-۵۱
- (۱۸) کونستین ویرٹیل جو رجیو، عکس سیرت (مترجم: غلیل الرحمن) جنسن پرنٹر و پبلشرز، کوکاتا، ۲۰۰۸ء، ص: ۱۷۷۔ مصنف رومانیہ کے رائج العقیدہ پادری کے گھر میں ۱۹۲۸ء میں پیدا ہوا۔ تعلیم سے فراغت کے بعد حکومت کی جانب سے سپرد کیے گئے کئی اہم عہدوں پر فائز رہا ہے۔ اسے ۱۹۶۳ء میں پیرس میں رومانیہ کے ارتھوڈوکس چرچ میں پادری کا عہدہ بھی سونپا گیا۔ اس نے کم و بیش ۲۶ کتابیں قلم بند کی ہیں۔ ۱۹۹۲ء میں اس کا انتقال پیرس میں ہوا۔ یہ کئی سال تک سعودی عرب میں بھی رہ چکا ہے۔ وہاں کی زبان سمجھنے کے ساتھ ساتھ اس نے مختلف مقامات کی سیاحت کر کے وہاں کی ثقافت اور تہذیب کا مطالعہ بھی کیا ہے۔ اسی پس منظر میں اس نے غیر جانب دارانہ طریقے سے سیرت نبوی کے اہم گوشوں کو اجاگر کیا ہے اور سیرت پر کیے جانے والے اعتراضات کا دفاع کیا ہے۔ کتاب کے مندرجات سے اندازہ ہوتا ہے کہ مصنف نے اس کتاب کو رومانی زبان میں تحریر کیا۔ بعد میں اس کا ترجمہ فرانسیسی اور فارسی زبان میں ہو۔ فارسی سے ہی یہ اردو زبان میں منتقل ہوئی۔)
- (۱۹) حافظ احمد بن علی بن حجر العسقلانی، فتح الباری، دار المعرفۃ، بیروت، لبنان، ج: ۷، ص: ۲۷۵
- (۲۰) سید محمد اسماعیل، میرت رسول اور عصر جدید، اریب پبلیکیشنز، دہلی، ۲۰۰۸ء، ص: ۱۳۱
- (۲۱) قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری، رحمۃ اللعالمین، فرید بک ڈپو، دہلی، ۱۹۹۹ء، ج: ۱، ص: ۱۳۰
- (۲۲) حیات محمد، ص: ۲۳۴
- (۲۳) صحیح البخاری، کتاب الادب، باب الرق فی الملائکۃ۔ باب لم یکن النبی فاضاً ولا متفاضاً۔ کتاب الجہاد، باب الدعاء علی المشرکین بالہویۃ والزلۃ۔ کتاب الاستیذان، باب کیف الرد علی اہل الذمۃ بالسلام۔ صحیح مسلم، کتاب السلام، باب النبی عن ابتداء اہل الکتاب بالسلام و کیف یوطلبہم
- (۲۴) شبلی نعمانی، سیرۃ النبی، ج: ۱، ص: ۲۱۸
- (۲۵) اردو دائرہ معارف اسلامیہ (تکمیلہ) دائرہ معارف اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، ۲۰۰۲ء، ج: ۱، ص: ۵۶۷

- (۲۶) ایضاً
- (۲۷) ڈاکٹر عبدالقادر جیلانی، اسلام، پیغمبر اسلام اور مستشرقین مغرب کا انداز فکر، اریب پبلیکیشنز، دہلی، ۲۰۰۷ء، ص: ۱۹۰
- (۲۸) ایضاً، ص: ۱۹۰-۱۹۱
- (۲۹) ایضاً، ص: ۱۹۱
- (۳۰) وکٹوری ماسڈن، وثائق یہود (مترجم: بھٹی خان) ہمارا پبلشرز، دہلی، ۲۰۰۵ء، ص: ۶۱
- (۳۱) اسلام، پیغمبر اسلام اور مستشرقین مغرب کا انداز فکر، ص: ۱۲۶
- (۳۲) ایضاً، ص: ۱۲۷
- (۳۳) ایضاً، ص: ۱۲۷-۱۲۸
- (۳۴) ایضاً، ص: ۱۲۸
- (۳۵) ایضاً، ص: ۱۳۱
- (۳۶) اردو دائرہ معارف اسلامیہ، دائرہ معارف اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، ۱۹۷۳ء، ج: ۱۲، ص: ۲۱۹
- (۳۷) اسلام، پیغمبر اسلام اور مستشرقین مغرب کا انداز فکر، ص: ۱۳۹-۱۴۰
- (۳۸) ہفت روزہ فریڈے اسٹیشن، کراچی، پاکستان، ۱۲/۱۸ دسمبر، ۲۰۰۸ء، ص: ۱۵، مضمون: مغرب کے اسلام دشمن مفکرین
- (۳۹) اسلام، پیغمبر اسلام اور مستشرقین مغرب کا انداز فکر، ص: ۱۳۱
- (۴۰) ایضاً، ص: ۱۳۲
- (۴۱) ایضاً، ص: ۱۳۵
- (۴۲) ایضاً، ص: ۱۳۵-۱۳۶
- (۴۳) ایضاً، ص: ۱۳۶
- (۴۴) ایضاً، ص: ۱۳۷
- (۴۵) سید صباح الدین عبدالرحمن، اسلام اور مستشرقین (مجموعہ مقالات سمینار) دارالمصنفین، شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، ۲۰۰۳ء، ج: ۳، ص: ۶۷-۶۸۔ مقالہ نگار: ڈاکٹر نثار احمد، مقالہ: مطالعہ سیرت اور مستشرقین
- (۴۶) شبلی نعمانی، سیرۃ النبی، ج: ۱، ص: ۶۱

- (۴۷) ایضاً، ج: ۱، ص: ۶۱-۶۲
- (۴۸) اسلام، پیغمبر اسلام اور مستشرقین مغرب کا انداز فکر، ص: ۱۵۲
- (۴۹) ایضاً، ص: ۱۵۵
- (۵۰) ایضاً، ص: ۱۶۲
- (۵۱) Thoms Carlyle, The hero as prophet, Islam Service League (۵۱)
- Dongri, Bombay, p:3-5
- کارلائل کے خطبے کا اردو ترجمہ میرے پیش نظر ہے۔ اسے ششماںی مجلہ 'عالمی السیرۃ' (شمارہ: ۱۷، مارچ ۲۰۰۷ء، ص: ۳۶۶) پاکستان نے شائع کیا ہے۔
- (۵۲) اسلام، پیغمبر اسلام اور مستشرقین مغرب کا انداز فکر، ص: ۱۶۳
- (۵۳) ایضاً، ص: ۱۶۳
- (۵۴) ایضاً، ص: ۱۵۷-۱۵۸ و ۱۶۳-۱۶۵
- (۵۵) ایضاً، ص: ۱۶۵
- (۵۶) ایضاً، ص: ۱۶۵
- (۵۷) ایضاً، ص: ۲۰۸
- (۵۸) سید سلیمان ندوی، خطبات مدراس، فرید بک ڈپو، دہلی، ۲۰۰۳ء، ص: ۶۱
- (۵۹) اسلام اور مستشرقین، ص: ۲۰۸
- (۶۰) فرائڈے انسٹیٹیوٹ، ص: ۱۵
- (۶۱) ایضاً، ص: ۱۵-۱۹
- (۶۲) سید سلیمان ندوی (مرتب) مقالات شبلی، مطبع معارف، اعظم گڑھ، ۱۹۵۶ء، ج: ۴، ص: ۱۳۳
- (۶۳) D.S.Margoliouth, Mohammad and the Rise of Islam, London\New York, 1923, p:iii
- (۶۴) Dr.Micheal H. Hart, The 100, New York, 1978
- (۶۵) Joseph Schacht, Muhammad, Encyclopedia of Social Science, New York, 1959, Vol:9, p:570
- (۶۶) گنگا پرساد اودا دھیا، مصابیح الاسلام، ٹریڈکٹ دہلی، آریہ سماج چوک الہ آباد، ۱۹۶۳ء، ص: ۱۰-۹

- (۶۷) اسلام، پیغمبر اسلام اور مستشرقین مغرب کا انداز فکر
- (۶۸) اسلام اور مستشرقین، ج: ۳، ص: ۹۶-۱۰۰۔ اسلام، پیغمبر اسلام اور مستشرقین مغرب کا انداز فکر، ص: ۲۱۳-۲۱۴
- (۶۹) محمد اسد، اسلام دور ہے پر، آزاد کتاب گھر، دہلی، ۱۹۶۸ء، ص: ۳۶-۳۷
- (۷۰) شیخ خالد لطیف گابا، پیغمبر صحرا (مترجم: پروفیسر احمد الدین مارہروی) فرید بک ڈپو، دہلی، ۲۰۰۳ء، ص: ۷-۸

باب دوم

وحی اور اس کی کیفیتِ نزول

انسانوں کی ہدایت و رہنمائی کے لیے اللہ تبارک و تعالیٰ نے انبیائے کرام کو مبعوث کیا۔ انہیں صحیفے دیے اور کتابیں نازل کیں، جن کو 'وحی' کہا جاتا ہے۔ یہ سلسلہ حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہو کر آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوا۔ لیکن یہ عجیب بات ہے کہ ان سب میں صرف محمدؐ پر وحی کیے جانے کے سلسلے میں خاص طور پر مستشرقین نے طرح طرح کے اعتراض کیے ہیں۔ وحی کو نبی کا لاشعوری واہمہ، اس کے نزول کی کیفیات کو صرع، روحانی وارداتوں کو مغالطہ اور قرآن کو یہود و نصاریٰ کی تعلیمات پر مبنی قرار دیا جاتا ہے۔ اس طرح کے اعتراضات سے ان کا منشا یہ ہوتا ہے کہ مسلمانوں کو وحی الہی کی حقیقت اور اس کی اصلیت کے بارے میں شک میں مبتلا کر دیں تاکہ وہ اس سے حاصل ہونے والے عقائد و احکام کا بہ آسانی انکار کرنے لگیں۔ ذیل میں ان اعتراضات کا جائزہ لیا گیا ہے۔

وحی کی ضرورت

اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر تین چیزیں ایسی ودیعت کر دی ہیں، جن کے ذریعے وہ اچھے اور برے میں تمیز کر سکتا ہے۔ ایک 'حواس'، دوسری 'عقل' اور تیسری 'وحی'۔ کچھ چیزوں کا علم حواس کے ذریعہ ہوتا ہے، کچھ چیزوں کا عقل کے ذریعہ اور جن باتوں کا علم ان دونوں ذرائع سے نہیں ہوتا وہاں وحی کے ذریعہ رہنمائی کی جاتی ہے۔ ان میں ترتیب کچھ ایسی ہے کہ جب ایک ذریعہ علم کسی مقام پر پہنچ کر اپنا کام ترک کر دیتا ہے تو دوسرا اپنا فعل شروع کر دیتا ہے۔ جن باتوں کا علم حواس سے ہو سکتا ہے وہاں عقل رہنمائی نہیں کرتی، اسی طرح اس کے برعکس ہے۔ جب یہ

دونوں ذرائع ناکام ہو جاتے ہیں تو تیسرے کی ضرورت پڑتی ہے جو وحی الہی ہے۔ یہ وہ اعلیٰ ترین ذریعہ علم ہے جو انسان کو زندگی سے متعلق ان تمام باتوں کا علم فراہم کرتا ہے جو انسان کی زندگی کے لیے ناگزیر ہیں۔ شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں:

”جس طرح عقلی ادراک کا طریقہ حسی ادراک سے فائق ہے کہ جو چیز جس ظاہر سے نہ معلوم ہو سکے عقل اس کا ادراک کر لیتی ہے۔ اسی طرح بلا تشبیہ طور نبوت طور عقل سے اعلیٰ اور بالا ہے کہ جن چیزوں کے ادراک سے عقل قاصر، عاجز اور در ماندہ ہے وہ چیزیں بذریعہ نبوت وحی معلوم ہو جاتی ہے۔“ (۱)

اسی طرح انسان کی ضرورت کی تکمیل اور اس کی رہبری کے لیے نور عقل ہی کافی نہیں، بلکہ نور وحی کی بھی شدید ضرورت ہے۔ سورج، چاند، ستاروں کی روشنی موجود ہونے کے باوجود تاہنا اس سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ اسی طرح انسان کے اندر آنکھ کی روشنی برقرار ہے، لیکن مذکورہ روشنی نہ ہو، اندھیرا چھایا ہوا ہو، بادل تہ بہ تہ جمے ہوں، زمین بارش کی وجہ سے گیلی ہو گئی ہو، راستہ تاہموار ہو تو ایسے وقت میں آنکھ والا آدمی بھی ٹھوکر کھا سکتا اور اپنی منزل سے ہٹ سکتا ہے۔ اگر آنکھوں کی روشنی کے ساتھ نور وحی بھی حاصل ہو جائے تو انسان خطرات سے محفوظ رہ سکتا ہے۔ جب تک نور عقل کا تعلق نور وحی کے ساتھ نہ ہوگا، نور عقل ٹھوکریں کھاتا پھرے گا۔ بر قدم پر کفر و معصیت کے قعر مذلت میں گرنے اور نفس و شیطان کے جال میں چھپنے کا قوی اندیشہ ہے۔ (۲)

اس لیے نور عقل کی صالحیت کے لیے وحی کی شدید ضرورت ہے۔ (۳)

وحی کی حقیقت

وحی وہ ذریعہ علم ہے جس سے اللہ سبحانہ تعالیٰ اپنا کلام اپنے منتخب پیغمبروں تک پہنچاتا ہے۔ ان کے واسطے سے یہ انسانوں تک پہنچتا ہے۔ وہ اللہ اور اس کے بندوں کے درمیان ایک مقدس تعلیمی رابطہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کا مشاہدہ صرف انبیائے کرام کو ہی ہوتا ہے۔ دوسرے لوگوں کے لیے یہ ممکن نہیں کہ ٹھیک ٹھیک اس کی حقیقت کا ادراک کر سکیں۔ (۴) تاہم علمائے سلف نے اپنی فہم و بصیرت کی روشنی میں اس کی حقیقت واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ایک آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرمایا: خدا کی طرف سے کسی نبی کے

قلب میں کسی چیز کے القا کا نام وحی ہے۔ شیخ محی الدین اکبرؒ نے وحی کی حقیقت بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ جو چیز کسی کو حاصل نہیں ہو سکتی، اس کی حقیقت بھی معلوم نہیں ہو سکتی۔ (۵) بعض علماء نے حقیقت وحی کی وضاحت کے لیے علمائے متقدمین اور فلاسفہ کی بحثوں کا بھی احاطہ کیا ہے اور ان میں توازن پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ مگر وہ بھی اس نکتہ پر آ کر متفق ہو جاتے ہیں کہ اس کا صحیح ادراک بجز خدا اور اس کے رسول کے کسی کو نہیں ہو سکتا۔ (۶)

وحی کے معنی و مفہوم

وحی کے لفظی معنی ہیں: اشارہ کرنا، پیغام دینا، دل میں بات ڈالنا، چھپا کر بولنا اور جو کچھ خیال میں ڈالا جاتا ہے۔ (۷) لیکن اہل لغت کے نزدیک اس کے معنی ہیں کسی سے اس طرح چپکے چپکے باتیں کرنا کہ کوئی دوسرا اس کو سن نہ سکے۔ (۸) زبیدی نے لکھا ہے کہ 'وحی' اور 'ایحا' عربی زبان کے الفاظ ہیں اور لغت میں ان کے معنی ہیں بہ سرعت کوئی اشارہ کر دینا، خواہ یہ اشارہ رمز و کنایہ کے ذریعے کیا جائے خواہ کوئی بے معنی آواز نکال کر خواہ کسی عضو کو حرکت دے کر یا تحریر و نقوش کے ذریعے۔ ہر صورت میں لفظ اس پر یہ الفاظ صادق آتے ہیں۔ (۹) شعرائے عرب نے بھی لفظ 'وحی' اور 'ایحا' کو اپنے اشعار میں مختلف معانی میں استعمال کیا ہے۔ (۱۰) قرآن کریم میں بھی یہ لفظ متعدد معنوں میں وارد ہوا ہے۔ کسی انسان کے دل میں شیطان و موسہ ڈالتا ہے، اس معنی میں اس کا استعمال ہوا ہے:

وَ كَذَلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيْطَانِ الْإِنْسِ وَالْجِنِّ

يُوحِي بَعْضُهُمْ إِلَى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُورًا (الانعام: ۱۱۳)

”اور ہم نے تو اسی طرح ہمیشہ شیطان انسانوں اور شیطان جنوں کو ہر نبی کا دشمن بنایا ہے،

جو ایک دوسرے پر خوش آئند باتیں دھوکے اور فریب کے طور پر القا کرتے رہتے ہیں۔“

دوسری جگہ فرمایا گیا ہے:

وَ إِنَّ الشَّيْطَانِ لَيُوحِيَنَّ إِلَى أَوْلِيَائِهِمْ لِيُجَادِلُوكُمْ ۚ (الانعام: ۱۲۱)

”شیطان اپنے ساتھیوں کے دلوں میں شکوک و اعتراضات القا کرتے ہیں، تاکہ وہ تم

سے جھڑا کریں۔“

اللہ تعالیٰ نبی کو احکام سے نوازتا ہے اس کے لیے بھی اسے استعمال کیا گیا ہے:

فَاَوْحَىٰ اِلٰى عَبْدِهِ مَا اَوْحٰى ۝ (انجم: ۱۰)

”تب اس نے اللہ کے بندے کو وحی پہنچائی جو وحی بھی اسے پہنچانی تھی۔“
رمز و کنایہ کے طور پر بھی استعمال ہوا ہے:

فَخَرَجَ عَلَىٰ قَوْمِهِ مِنَ الْمِحْرَابِ فَاَوْحٰى اِلَيْهِمْ اَنْ سَبِّحُوْا
بُكْرَةً وَّاَعَشِيًّا ۝ (مریم: ۱۱)

”چنانچہ وہ محراب سے نکل کر اپنی قوم کے سامنے آیا اور اس نے اشارے سے ان کو ہدایت کی کہ صبح و شام تسبیح کرو۔“

حیوانات کو جو طبعی الہام ہوتا ہے، قرآن نے اس کو بھی وحی سے تعبیر کیا ہے:

وَ اَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِي مِنَ الْجِبَالِ بُيُوتًا وَّ مِنَ
الشَّجَرِ وَّ مِمَّا يَفْرِشُونَ ۝ (النحل: ۶۸)

”اور دیکھو تمہارے رب نے شہد کی مکھی پر یہ بات وحی کر دی کہ پہاڑوں میں اور
درختوں میں اور نیلوں پر چڑھائی ہوئی بیلوں میں اپنے چھتے بنا۔“

کسی پر فطری الہام ہوتا ہے اس معنی میں بھی اسے استعمال کیا گیا ہے:

وَ اَوْحَيْنَا اِلٰى اَمْرِ مُوَسٰى اَنْ اَرْضِعْهُ ۚ (القصص: ۷)

”ہم نے موسیٰ کی ماں کو اشارہ کیا کہ اس کو دودھ پلا۔“

وحی کام کرنے کے معنی میں بھی وارد ہوا ہے:

وَ اَوْحٰى فِیْ كُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا ۚ (الحج السجدہ: ۱۲)

”اور ہر آسمان میں اس کا قانون وحی کر دیا۔“

غیر ذی روح کے لیے بھی اس لفظ کو استعمال کیا گیا ہے اور مخاطب کر کے فرمایا گیا ہے
کہ اپنے احوال بتائیں:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اٰتُوا زَكٰتَکُمْ ۖ ذٰلَکُمْ لَکُمْ اَشَدُّ حَرٰثًا ۚ (الزمر: ۷)

”(زمین) اس روز اپنے (ادھر گزر رہے ہوئے) حالات بیان کرے گی، کیوں

کہ تیرے رب نے (ایسا کرنے کا) حکم دیا گیا ہوگا۔“

ان آیات پر غور کرنے سے وحی کے تعلق سے تین باتیں سامنے آتی ہیں:

پہلی یہ کہ وحی کے ذریعہ اللہ تعالیٰ اپنی تمام مخلوق کو کام کرنے کا طریقہ اور سلیقہ سکھاتا ہے۔ اسے وحی جبلی یا طبعی کہا جاتا ہے۔

دوسری یہ کہ اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے کو کسی خاص بات سے متعلق کوئی ہدایت یا علم دیتا ہے یا نذیر بناتا ہے۔ اسے وحی جزئی کہا جاتا ہے۔

ان دونوں سے مختلف وحی نبوت ہے جو انبیاء اور رسولوں کے لیے خاص ہے۔ اس پر ایمان لانا اور اس کی پابندی انسانوں پر فرض ہے۔ (۱۱)

شرعی اصطلاح میں وحی خاص اس ذریعہ غیبی کا نام ہے جس میں کسی نبی کو بغیر کسی قسم کی نظر و فکر، محنت و اکتساب، تجربہ و استدلال کے محض اللہ تعالیٰ کے فضل و عنایات سے کوئی بات معلوم ہو جائے۔ اس لفظ کا استعمال اس خاص معنی میں اس کثرت سے ہوا ہے کہ اس میں منقول شرعی بن گیا ہے۔ اس لیے جب کسی نبی کے ذکر میں وحی کا لفظ بولا جاتا ہے تو لامحالہ یہی معنی مراد ہوتے ہیں۔ جس طرح صلوٰۃ، زکوٰۃ، حج کے لغوی معنی اگرچہ مصطلحات شرعیہ سے مختلف ہیں، لیکن شریعت اسلامی میں یہ الفاظ مخصوص ہو چکے ہیں۔ لہذا ان کے علاوہ کسی دوسرے معنی میں یہاں تک کہ لغوی معنی میں بھی بلاقرینہ ان کا استعمال درست نہیں۔ یہی حال وحی کا بھی ہے۔ سیاق و سباق میں قرینہ موجود ہو تو اس کے دوسرے معنی مراد لیے جاسکتے ہیں ورنہ نہیں۔ (۱۲)

وحی اور الہام میں فرق

الہام کے معنی ہیں کسی کے دل میں کوئی بات ڈال دینا۔ (۱۳) یہ الفاظ دیگر فیض الہی کے طور پر کسی فکر و خیال کا دل میں اتار دینا۔ (۱۴) قرآن میں یہ لفظ اسی معنی میں استعمال ہوا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قَالَهُمْ مَا فُجِّرُوا هَا وَتَقُولُهَا ۖ (الغش: ۸)

”پھر اس کی بدی اور اس کی پرہیزگاری اس پر الہام کر دی۔“

حدیث رسول میں یہ لفظ اسی معنی میں وارد ہوا ہے:

”اے اللہ میرے قلب میں ہدایت ڈال دے اور میرے نفس کو شر سے بچا۔“ (۱۵)

اصطلاحاً الہام کا لفظ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی تصور یا کسی خیال کو غیر شعوری طور پر بندے کے دل و دماغ میں اتار دینے کے لیے استعمال ہوا ہے۔ (۱۶) راغب اصفہانی نے لکھا ہے کہ یہ لفظ ایسی بات کے القا کے ساتھ مخصوص ہو چکا ہے جو اللہ کی طرف سے دل و دماغ میں ڈالی جاتی ہے۔ (۱۷) ابن اثیرؒ کے مطابق الہام وحی کی ایک قسم ہے، اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اس سے سرفراز فرماتا ہے۔ (۱۸) وحی کی طرح الہام بھی علم و ادراک کا سرچشمہ ہے۔ البتہ دونوں میں تھوڑا سا فرق ہے۔ وحی انبیاء کے ساتھ مخصوص ہے، جب کہ الہام نبی اور غیر نبی دونوں کے لیے عام ہے۔ نبی کو جو الہام ہوتا ہے اس کا علم اسے ہوتا ہے کہ یہ من جانب اللہ ہے، جب کہ غیر نبی کو اس کا علم نہیں ہوتا۔ انبیاء کا الہام دین کے لیے حجت ہے۔ اور خدا کے دوسرے نیک بندوں کا الہام حجت نہیں۔ (۱۹) کیوں کہ ان کے الہام میں صواب و خطا کا احتمال رہتا ہے۔ جب کہ نبی کا الہام صواب کے سوا کسی بات کا احتمال نہیں رکھتا۔ (۲۰)

وحی کی اہم صورتیں

مخائب اللہ پیغمبروں کو جو وحی کی جاتی ہے اس کی متعدد صورتیں ہیں۔ اس آیت سے ان صورتوں کا پتا چلتا ہے:

وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَكَلِّمَهُ اللَّهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِنْ وَرَائِ

حِجَابٍ أَوْ يُرْسِلَ رَسُولًا فَيُوحِيَ بِإِذْنِهِ مَا يَشَاءُ ۚ (الشورى: ۵۱)

”کسی بشر کا یہ مقام نہیں ہے کہ اللہ اس سے رو برو بات کرے، اس کی بات یا تو

وحی (اشارے) کے طور پر ہوتی ہے یا پردے کے پیچھے سے یا پھر وہ کوئی پیغام بر

(فرشتہ) بھیجتا ہے اور وہ اس کے حکم سے جو کچھ وہ چاہتا ہے وحی کرتا ہے۔“

کلام بالوحی/ کلام الہی، کلام پس پردہ/ وحی قلبی اور کلام بذریعہ قاصد/ وحی منکلی۔ یہ

تین صورتیں وحی کی ہوتی ہیں۔ حضرت محمدؐ پر ان تینوں طریقوں سے وحی کی گئی ہے۔ بلکہ نبی کو

معراج کے موقع سے اللہ سے ہم کلامی کا وہ موقع بھی میسر آیا جو انبیائے سابقین کے حصے میں

نہیں آیا۔ (۲۱)

کلام بالوحی

اس صورت میں اللہ تعالیٰ براہ راست رسول کو اپنی ہم کلامی کا شرف عطا فرماتا ہے، فرشتہ کا واسطہ نہیں ہوتا۔ نبی کو جو آواز سنائی دیتی ہے وہ مخلوق کی آواز سے جدا عجیب و غریب کیفیت کی ہوتی ہے، جس کا ادراک عقل کے ذریعہ ممکن نہیں۔ جو انبیاء اسے سنتے ہیں وہی اس کیفیت کا اندازہ کر سکتے ہیں۔ وحی کی یہ صورت تمام قسموں میں افضل ہے۔ نص قرآنی اس پر شاہد ہے: **وَكَلَّمَ اللَّهُ مُوسَى تَكْلِيمًا** (النساء: ۱۶۴) ”ہم نے موسیٰ سے اس طرح گفتگو کی، جس طرح گفتگو کی جاتی ہے۔“

وحی قلبی

اس میں باری تعالیٰ براہ راست نبی کے قلب کو مسخر فرما کر کوئی بات اس کے دل میں ڈال دیتا ہے۔ اس میں بھی فرشتے کا واسطہ نہیں ہوتا اور نہ نبی کی قوت سامعہ اور حواس کا دخل ہوتا ہے۔ اس میں کوئی آواز بھی سنائی نہیں دیتی، بلکہ کوئی بات قلب میں جا گزریں ہو جاتی ہے اور ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ بات اللہ کی طرف سے آئی ہے۔ یہ کیفیت بیداری میں بھی ہو سکتی ہے اور خواب میں بھی۔ حضرت ابراہیمؑ کو اپنے بیٹے کی قربانی کا حکم اسی طرح دیا گیا:

قَالَ يَبْنَیٰٓ اِنِّیۡۤ اَرٰی فِی الْمَنَامِ اَنِّیۡۤ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰی

(الانعام: ۱۰۲)

”(ایک روز) ابراہیم نے اس سے کہا: بیٹا، میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں تجھے ذبح کر رہا ہوں۔ اب تو بتا، تیرا کیا خیال ہے۔“

وحی ملکی

اللہ تعالیٰ اپنا پیغام کسی فرشتے کے ذریعے نبی تک پہنچاتا ہے۔ بعض اوقات فرشتہ نظر نہیں آتا، صرف اس کی آواز سنائی دیتی ہے اور بعض مرتبہ وہ کسی انسان کی شکل میں سامنے آکر پیغام الہی پہنچا دیتا ہے اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ نبی کو اپنی اصلی صورت میں نظر آجائے۔ لیکن ایسا بہت کم ہوتا ہے۔

وحی خاص کی قسمیں

وحی عام کا تعلق اپنے لغوی معنی سے ہے، اس کا ذکر کیا جا چکا ہے۔ البتہ وحی کی ایک دوسری قسم وحی خاص بھی ہے اور اس کا تعلق انبیاء و رسل سے ہے۔ اس میں قرآن اور حدیث دونوں شامل ہیں۔ اس لیے علمائے اسلام نے دونوں کے درمیان فرق کرنے کے لیے مندرجہ ذیل قسمیں بیان کی ہیں۔

۱۔ وحی مملو

قرآن مجید شروع سے آخر تک وحی مملو ہے، جس کی قرأت نماز میں یا دوسری عبادات میں مطلوب و مقصود ہے نیز حصول ثواب اور رہنمائی حاصل کرنے کے لیے بھی اس کی تلاوت کی جاتی ہے۔ یہ الفاظ اور معنی دونوں پر مشتمل ہے۔ اس میں بس وہی بیان ہوا ہے جسے اللہ نے اپنے فرشتے کے ذریعہ نبی پر نازل کیا ہے۔ اس میں کسی کی بیشی کا کوئی امکان نہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ اِنَّهٗ لَتَنْزِيْلٌ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱﴾ نَزَلَ بِهٖ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ﴿۲﴾

(الشعراء: ۱۹۲-۱۹۳)

”بے شک وہ رب العالمین کی نازل کردہ چیز ہے، اسے لے کر تیرے دل پر امانت دار روح اتری ہے۔“

۲۔ وحی غیر مملو

جیسا کہ خود اس لفظ سے واضح ہے کہ وہ وحی جس کی تلاوت ضروری نہیں۔ اس کا اطلاق حدیث نبویؐ پر ہوتا ہے۔ یہ بھی شریعت کا اہم جز ہے۔ اپنے الفاظ کے لحاظ سے خدا کا کلام نہیں ہے۔ لیکن اپنے معنی و مطلب کے اعتبار سے فرمان خداوندی ہے۔ (۲۲) اس میں صرف مضامین وحی کیے گئے ہیں، تعبیر و تشریح آپؐ نے فرمائی ہے اور یہ کلام بھی وحی پر دلالت کرتا ہے۔ کیوں کہ نبی کی مرضی کا اس میں دخل نہیں ہوتا۔ آیت قرآنی سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے:

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی ﴿۱﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُُّوْحٰی ﴿۲﴾ (النجم: ۳-۴)

”وہ اپنی خواہش سے نہیں بولتا، یہ تو ایک وحی ہے جو اس پر نازل کی جاتی ہے۔“

حدیث نبویؐ میں بھی اس کی صراحت موجود ہے کہ اللہ نے قرآن کے علاوہ ایک

دوسری چیز بھی آپ کو وحی کی ہے:

”آگاہ رہو مجھے قرآن بھی دیا گیا ہے، نیز اس جیسی دوسری تعلیمات بھی۔ غریب ایک غلم سیر آدمی سند سے ٹک لگائے بیٹھا ہوگا اور وہ یہ کہے گا کہ قرآن کو پکڑے رہو۔ اس نے جس چیز کو حلال قرار دیا ہے، حلال سمجھو اور جس چیز کو حرام قرار دیا ہے حرام جانو۔ خبردار رہو! جس چیز کو رسولؐ نے حرام ٹھہرایا ہے وہ بھی خدا کی حرام کردہ اشیا کے مانند ہے۔“ (۲۳)

قرآن کی تفسیر و تشریح نبیؐ نے کی ہے جس کی تفصیل حدیث میں ملتی ہے۔ وحی غیر ملک کی پابندی اور اس پر عمل کرنے کی تاکید قرآن میں موجود ہے۔ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً بَيْنَ الْأَشْيَاءِ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا أَمْرًا

(الحشر: ۷)

”جو کچھ رسولؐ تمہیں دے وہ لے لو اور جس چیز سے وہ تم کو روک دے اس سے رک جاؤ۔“

اس بات پر علماء کا اتفاق ہے کہ وحی ملک اور وحی غیر ملک (قرآن و حدیث) دونوں اللہ تعالیٰ کی جانب سے قلب نبویؐ پر القا کیے جاتے تھے۔ جو حدیث صحیح سند اور تواتر سے ثابت ہو جائے اس کے وحی الہی ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ حدیث بھی قرآن کی طرح حجت ہے۔ اس حیثیت سے اس پر ایمان لانا ضروری ہے کہ یہ حدیث ہے، بلکہ اس حیثیت سے بھی اس کا ماننا ہمارے لیے ضروری ہے کہ یہ وحی الہی ہے۔ کیوں یہ رسول اللہؐ کی رہنمائی کے لیے آتی تھی۔ اور لوگوں تک وہ اللہ کے الفاظ میں نہیں بلکہ حضورؐ کے ارشادات، فیصلوں اور کاموں کی صورت میں پہنچتی تھی۔ اگر ایک شخص یہ تسلیم کرتا ہے کہ نبیؐ کے پاس پہلی قسم کی وحی آسکتی ہے تو آخر اسے یہ ماننے میں کیا چیز مانع ہے کہ اسی نبیؐ کے پاس دوسری چیز بھی آسکتی ہے؟ اگر قرآن کا مجزائے کلام ہمیں یہ یقین دلانے کے لیے کافی ہے کہ یہ اللہ کا کلام ہو سکتا ہے تو کیا رسول پاکؐ کی مجزائے زندگی اور آپؐ کے مجزائے کارنامے ہمیں یہ یقین نہیں دلاتے کہ یہ بھی خدا ہی کی رہنمائی کا نتیجہ ہیں۔ (۲۴) مفتی محمد شفیع عثمانیؒ لکھتے ہیں:

”وحی کی بہت سی اقسام احادیث بخاری سے ثابت ہیں۔ ان میں ایک قسم وہ ہے جس کے معنی اور الفاظ سب حق تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوتے ہیں، جس کا نام قرآن

ہے۔ دوسری وہ کہ صرف معنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوتے ہیں، آں حضرت اس معنی کو اپنے الفاظ میں ادا فرماتے ہیں، اس کا نام حدیث و سنت ہے۔ پھر حدیث میں جو مضمون حق تعالیٰ کی طرف سے آتا ہے کبھی وہ کسی معاملہ کا صاف اور واضح فیصلہ اور حکم ہوتا ہے، کبھی کوئی قاعدہ کلیہ بتلایا جاتا ہے جس سے احکام رسولؐ اپنے اجتہاد سے نکالتے اور بیان کرتے ہیں۔ اس اجتہاد میں اس کا امکان رہتا ہے کہ کوئی غلطی ہو جائے مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام انبیاء علیہم السلام کی یہ خصوصیت ہے کہ جو احکام وہ اپنے اجتہاد سے بیان فرماتے ہیں ان میں اگر کوئی غلطی ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بذریعہ وحی اس کی اصلاح کر دی جاتی ہے اور وہ اپنے اجتہاد پر قائم نہیں رہتے۔“ (۲۵)

حدیث قدسی

حدیث قدسی بھی وحی غیر مقلو میں داخل ہے۔ یہ احادیث کی ایسی قسم ہے جس میں معنی اللہ تعالیٰ کے اور الفاظ محمدؐ کے ہوتے ہیں۔ البتہ یہ قرآن سے مختلف ہے۔ اسے احادیث طیبہ اور احادیث ربانیہ بھی کہا جاتا ہے۔ یہ زیادہ تر اخبار احاد پر مبنی ہے اور یہ ظنی الثبوت ہے۔ حدیث قدسی کے متعلق یہ ضروری نہیں کہ جبرئیل امین کے ذریعے سے پہنچے، الہام بھی کیا جاتا تھا اور خواب کی حالت میں بھی آتی تھی۔ ڈاکٹر محمدی صالح لکھتے ہیں: علماء اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ احادیث قدسیہ کا معنی و مفہوم من جانب اللہ ہوتا ہے۔ اکثر علماء کے نزدیک احادیث قدسیہ منزل من اللہ ہوتی ہیں۔ (۲۶)

احادیث قدسی میں اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلالت، اس کی رحمت و وسعت اور اس کے جود و کرم کا ذکر ہوتا ہے۔ دیگر احادیث کی طرح احادیث قدسیہ پر بھی نقد و جرح کی جاسکتی ہے۔ کیوں کہ یہ باعتبار طرق اور راوی کے صحیح، حسن، اور ضعیف بھی ہو سکتی ہے۔ احادیث قدسیہ اپنے الفاظ کے اعتبار سے معجزہ نہیں ہے۔ ان کی تلاوت کو عبادت کا درجہ حاصل نہیں۔ ان کو قرآن کریم کے نام سے یاد نہیں کیا جاتا۔ احادیث قدسیہ میں وحی کے خاص طریقوں کی پابندی نہیں کی گئی ہے۔ جو شخص احادیث کے الفاظ و معنی سے بخوبی آگاہ ہو، اس کے لیے ان کی روایت بالمعنی درست

نزول وحی کے طریقے

کتب احادیث میں روئے صادقہ کو نبوت کا چھیا لیسواں جز قرار دیا گیا ہے۔ (۲۸) اس سے بعض علماء نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ نبیؐ پر وحی چھیا لیس طریقوں سے کی جاتی تھی۔ (۲۹) لیکن اس کی تفصیل نہیں ملتی۔ البتہ جو مشہور طریقے ہیں ان کی تعداد آٹھ ہے۔ (۳۰) وہ یہ ہیں:

۱۔ روئے صادقہ: یعنی سچا خواب۔ اس سے نبیؐ پر وحی کی ابتدا ہوئی۔ آپؐ جو کچھ رات کو خواب میں دیکھتے بعینہ وہی واقعہ رونما ہو جاتا۔ اس کی تائید حضرت عائشہؓ کی حدیث سے ہوتی ہے۔ (۳۱)

۲۔ نَفَثٌ فِي الرُّوْعِ يَأْتِي الْقَامَ فِي الْقَلْبِ: دل میں پھونکنے یا کوئی بات دل میں ڈالنا۔ فرشتہ آپؐ کو دکھائی دے بغیر وحی کے الفاظ آپؐ کے قلب میں ڈال دیتا تھا۔ اس کی تائید حضورؐ کی اس حدیث سے ہوتی ہے جس میں آپؐ نے رزق کی تکمیل کے بعد ہی انسان کے مرنے کا ذکر کیا ہے۔ (۳۲)

۳۔ تَحْمِلُ مَلَكٌ: فرشتہ کسی انسان کی شکل میں آپؐ کو مخاطب کرتا اور جو کچھ وہ کہتا آپؐ کو یاد ہو جاتا۔ اس صورت میں کبھی کبھی صحابہؓ بھی فرشتے کو دیکھتے تھے۔ بسا اوقات فرشتہ صحابی رسولؐ حضرت دجیہ کلبیؓ کی شکل میں آتا تھا۔ (۳۳) اس طریقے سے وحی کیے جانے کی مثال حدیث 'احسان' ہے۔ (۳۴)

۴۔ صَلَٰةُ الْجَوْسِ: بھنی کی آواز کا سنائی دینا۔ اس کی کیفیت یہ ہوتی کہ جب آپؐ پر وحی آنے والی ہوتی تو پہلے سے آپؐ کو مخصوص آواز سنائی دینے لگتی۔ جیسے ہی یہ آواز آپؐ کے کانوں میں پہنچتی، آپؐ پوری طرح باروحی کو برداشت کرنے کے لیے تیار اور چاق و چوبند ہو جاتے۔ اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے، جس میں آپؐ نے فرمایا: اَحْيَانًا يَأْتِيَنِي مِثْلُ صَلَٰةِ الْجَوْسِ۔ (۳۵) ”کبھی کبھی وحی میرے پاس بھنی کی آواز کی طرح آتی ہے۔“ یہ کیفیت آپؐ پر بہت سخت ہوتی تھی۔

۵۔ فرشتہ کا اپنی اصل شکل میں آنا: جسے آپؐ دیکھتے اور براہ راست اس سے وحی الہی اخذ کرتے تھے۔ بیش تر علماء کا خیال ہے کہ جبرئیلؑ کو ان کی اصل شکل میں دیکھنے کا واقعہ

- حضورؐ کے ساتھ دو مرتبہ پیش آیا۔ ایک مرتبہ معراج میں 'سدرۃ النہدی' کے پاس اور ایک دفعہ کسی دوسرے مقام پر۔ غالباً مقام 'اجیاد' میں۔ (۳۶)
- ۶۔ وحی بلا واسطہ: یعنی بغیر کسی واسطے کے براہ راست اللہ تعالیٰ نے آپؐ پر وحی کی، جیسا کہ شب معراج میں نماز پنج گانہ فرض کیے جانے کا واقعہ رونما ہوا۔
- ۷۔ کلام بلا واسطہ: کسی واسطہ کے بغیر پس پردہ اللہ تعالیٰ کا کلام کرنا۔ وَكَلَّمَ اللَّهُ مُوسَىٰ تَكْلِيمًا۔ معراج کے موقع پر اس طرح اللہ نے آپؐ سے گفتگو فرمائی۔
- ۸۔ اللہ تعالیٰ کا روبرو بغیر حجاب کے گفتگو کرنا۔ امام ابن قیمؒ لکھتے ہیں کہ وحی کے اس طریقے کو علماء کی ایک بڑی جماعت نے تسلیم نہیں کیا ہے۔ (۳۷)

قرآن لفظاً اور معناً وحی الہی ہے

جس طرح قرآن کے مضامین منجانب اللہ ہیں، اسی طرح اس کے الفاظ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ ہیں۔ قرآن کریم کی متعدد آیتیں اس پر دلالت کرتی ہیں کہ قرآن لفظاً اور معناً وحی الہی ہے اور اس کا نزول عربی زبان میں ہوا ہے۔ چند آیتیں ملاحظہ فرمائیں:

إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ﴿۱﴾ (یوسف: ۲)

”ہم نے اسے نازل کیا ہے قرآن بنا کر عربی زبان میں تاکہ تم (اہل عرب) اس کو اچھی طرح سمجھ سکو۔“

ایک دوسری آیت میں فرمایا گیا ہے:

وَكَذَلِكَ أَنْزَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا وَصَرَّفْنَا فِيهِ مِنَ الْوَعِيدِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ﴿طہ: ۱۱۳﴾

”اور اے نبیؐ، اسی طرح ہم نے اسے قرآن عربی بنا کر نازل کیا ہے اور اس میں طرح طرح سے تنبیہات کی ہیں، شاید یہ لوگ کج روی سے بچیں۔“

ایک جگہ قرآن کو ایک مسلم حقیقت کے طور پر متعارف کرایا گیا ہے:

قُرْآنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِي عِوَجٍ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ﴿الرعر: ۲۸﴾

”ایسا قرآن جو عربی زبان میں ہے، جس میں کوئی ٹیڑھ نہیں ہے۔“

ایک آیت کے اہد قرآن کو حکماً وحی الہی کہا گیا ہے اور اس کا نزول عربی زبان میں بتایا گیا ہے:

وَكَذَلِكَ أَنْزَلْنَاهُ حُكْمًا عَرَبِيًّا^۱ (الرعد: ۳۷)

”اسی ہدایت کے ساتھ ہم نے یہ فرمان عربی تم پر نازل کیا ہے۔“

ان آیتوں سے واضح ہوتا ہے کہ قرآن لفظ، معنی، مطلب کے اعتبار سے وحی الہی ہے۔ محض معنی و مطالب کے الفاظ اور ایما کے کوئی معنی نہیں ہوتے۔ ظاہر ہے کہ جس طرح معنی کا زبان سے اظہار بغیر لفظ کے نہیں ہو سکتا، اسی طرح معنی کا دل میں تعین بھی الفاظ کے بغیر ناممکن ہے۔ ذیل کی آیت سے اس نکتہ کی وضاحت ہوتی ہے:

يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ^۲

(آل عمران: ۱۶۳)

”جو اس کی آیات انہیں سناتا ہے، ان کی زندگیوں کو سنوارتا اور ان کو کتاب اور دانائی کی تعلیم دیتا ہے۔“

آپ کے ذمے دو فرائض تھے۔ ایک آیت اللہ کی تلاوت۔ دوسرے اس کی تعلیم۔ تلاوت الفاظ کی ہوتی ہے نہ کہ معنی کی۔ پہلے کا تعلق الفاظ قرآن سے ہے اور دوسرے کا معنی سے۔ قرآن کریم کے الفاظ اور معنی دونوں بہ اتفاق بذریعہ وحی نازل ہوئے ہیں۔ (۳۸) امام ابن تیمیہؒ نے فرمایا کہ قرآن حرف و صوت دونوں کا نام ہے، جسے نمازوں میں پڑھا جاتا ہے اور جس کی تلاوت کی جاتی ہے۔ یہ جبرئیل امین کے ذریعے آپؐ پر وحی کیا گیا ہے۔ جبرئیل امین نے اسے خدائے تعالیٰ سے اخذ کیا، ان سے محمدؐ نے اور مسلمانوں نے نبی اکرمؐ سے سنا۔ یہی سلف و خلف کا مذہب ہے۔ کتاب و سنت اور اجماع میں اس کے بہ کثرت دلائل موجود ہیں۔ (۳۹) بعض علماء نے یہ بھی لکھا ہے کہ صرف مضامین اللہ کی طرف سے ہیں۔ الفاظ حضرت جبرئیلؑ کے یا حضورؐ کے ہیں۔ (۴۰) یہ درست نہیں ہے۔ اس کا واضح ثبوت یہ ہے کہ شروع شروع میں جب قرآن کی کوئی آیت نازل ہوتی تو حضورؐ کو کوشش کرتے کہ یہ غلت تمام اسے دہرائیں تاکہ وہ پوری طرح محفوظ ہو جائے۔ یا پھر جس آیت یا لفظ کا مطلب سمجھنے میں دقت ہوتی تو درمیان میں رک کر اس کو سمجھنے کی کوشش کرتے۔ ایسا کرنے پر اللہ نے آپؐ کو منع کیا اور یقین دلایا:

لَا تُحَرِّثْ بِهِ لِسَانَكَ تَتَعَجَّلَ بِهِ ۖ إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَ
قُرْآنَهُ ۖ فَإِذَا قَرَأَهُ فَأَنصَحْ قُرْآنَهُ ۖ ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ ۖ

(القیامہ: ۱۶-۱۹)

”اے نبیؐ، اس وحی کو جلدی جلدی یاد کرنے کے لیے اپنی زبان کو حرکت نہ دو، اس کو یاد کرادینا اور پڑھوادینا ہمارے ذمہ ہے۔ لہذا جب ہم اسے پڑھ رہے ہوں، اس وقت تم اس کی قرأت کو غور سے سنتے رہو، پھر اس کا مطلب سمجھا دینا بھی ہمارے ذمہ ہے۔“
ایک اور موقع پر فرمایا گیا ہے:

فَتَعَلَى اللَّهِ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْآنِ مِنْ قَبْلِ أَنْ
يُنْقِضَ إِلَيْكَ وَحْيَهُ ۚ وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِي عِلْمًا ۝ (طہ: ۱۱۳)

”پس بالاد برتر ہے اللہ، بادشاہ حقیقی اور دیکھو (اے نبیؐ) قرآن پڑھنے میں جلدی نہ کیا کرو جب تک کہ تمہاری طرف اس کی وحی تکمیل کو نہ پہنچ جائے اور دعا کرو کہ اے میرے پروردگار مجھے مزید علم عطا فرما۔“

اسی طرح سورہ اعلیٰ میں بھی آپ کو یقین دلایا کہ نہ صرف ہم آپ کو پڑھوا دیں گے بلکہ اپنی حکمت سے ایسا بھی کریں گے کہ آپ اسے ہرگز نہ بھولیں گے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کا آغاز خواب کی حالت میں کیوں ہوا؟

مستند روایتوں سے پتا چلتا ہے کہ نبیؐ پر وحی کا آغاز رویائے صادقہ یعنی سچے خواب سے ہوا۔ جو کچھ آپ رات کو خواب میں دیکھتے حدیث عائشہؓ کے مطابق صبح کی روشنی کی طرح ظاہر ہو جاتا۔ (۳۱)

رویائے صالحہ کو صبح کے ساتھ اس لیے تشبیہ دی گئی ہے کہ ہنوز آفتاب نبوت نے طلوع نہ کیا تھا، جس طرح صبح کے ساتھ صبح صادق کی روشنی طلوع آفتاب کا دیباچہ ہے، اسی طرح رویائے صالحہ نبوت و رسالت کے طلوع کا دیباچہ تھا۔ (۳۲)

جو کام آپؐ کے سپرد کیا جائے، اللہ تعالیٰ کوئی ایسا نہ تھا کہ اچانک اس بارگراں کو برداشت کر لیا جائے۔ ضروری تھا کہ کسی نہ کسی صورت میں اس کے لیے آپؐ کو آمادہ کیا جائے اور

اس کا مشاہدہ کرایا جائے۔ چنانچہ خواب یعنی رویائے صادقہ کے ذریعہ اس بارگراں کو اٹھانے کے لیے آپ کو آمادہ کیا گیا۔ جب آپ اس سے پوری طرح آشنا ہو گئے تو پھر حالت بیداری میں آپ پر وحی (بہ شکل قرآن) کی گئی اور آپ کو نبوت کے منصبِ اعظم پر نہ صرف فائز کیا گیا، بلکہ کار نبوت کو بھی آپ کے سامنے واضح اور آشکارا کیا گیا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ اس حضرت پر عالم بیداری میں جو بہ صورت قرآن نازل ہونے والا تھا اور جس چیز کو جبرئیل امین لانے والے تھے، رویائے صادقہ کی وحی اس کے لیے تمہید کی حیثیت رکھتی تھی، تاکہ آپ خود کو خوارقِ عادت وحی کے شہائد کے تحمل کا عادی بنا سکیں۔ چنانچہ یہ حقیقت ہے کہ باقاعدہ وحی کا آغاز ہوا تو ابتدا میں آنحضرتؐ جسمانی اور ذہنی طور پر اس سے بہت متاثر ہوئے۔ (۴۳)

نزولِ وحی کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کیفیت

نزولِ وحی کی جو حکمت اور بیان ہوئی ہے اس کو سمجھنے کے لیے اس کیفیت کو بھی ذہن میں رکھنے کی ضرورت ہے، جو نزول کے وقت آپ پر طاری ہوا کرتی تھی۔ قرآن کریم میں ایک جگہ ارشاد ہوا ہے:

إِنَّا سَنُلْقِي عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيلًا ۝ (الزلزلہ: ۵)

”ہم تم پر ایک بھاری کلام نازل کرنے والے ہیں۔“

ایک دوسری آیت میں قرآن کی عظمت و ثقالت کو اس طرح آشکارا کیا گیا ہے:

لَوْ أَنزَلْنَاهُ هَذَا الْقُرْآنَ عَلَى جَبَلٍ لَّرَأَيْنَاهُ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا ۖ

خَشِيَةَ اللَّهِ ۖ (الحشر: ۲۱)

”اگر ہم نے یہ قرآن کسی پہاڑ پر اتار دیا ہوتا تو تم دیکھتے کہ وہ اللہ کے خوف سے دبا جا رہا ہے اور پھٹا جا رہا ہے۔“

قرآن کی عظمت کا اندازہ اس امر سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ جبرئیل جو کچھ اللہ سے اخذ کرتے آئے لے کر تمہاری محفّہ کے پاس نہیں آجاتے، بلکہ سخت حفاظتی دستوں کی نگرانی میں آتے تھے، تاکہ شیطان اس میں کسی بھی طرح ظلم اندازی نہ کر سکیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

إِلَّا مَنِ ارْتَضَىٰ مِنْ رَسُولٍ فَإِنَّهُ يَسْلُكُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَ مِنْ خَلْفِهِ رَصَدًا ۚ لِيَعْلَمَ أَنَّ قَدْ آتَيْنَاكَ رُسُلًا رَنَّهُمْ وَ أَحَاطَ بِمَا لَدَيْهِمْ وَ أَخْضَىٰ كُلَّ شَيْءٍ عِندَآ ۚ (الحج: ۲۷-۲۸)

”سوائے اس رسول کے جسے اس نے (غیب کا علم دینے کے لیے) پسند کر لیا ہو، تو اس کے آگے پیچھے وہ محافظ لگا دیتا ہے، تاکہ وہ جان لے کہ انہوں نے اپنے رب کے پیغامات پہنچا دیے۔“

قرآن کریم میں حضرت جبریلؑ کی ایک اہم صفت زبردست قوت والے کے طور پر بیان کی گئی ہے:- عَلَّمَهُ شَدِيدُ الْقُوَىٰ ۖ (النجم: ۵) گویا کہ وہ اتنی قوت و طاقت کے مالک ہیں کہ کوئی چیز ان کے کام اور فرائض میں خلل اندازی نہیں کر سکتی، باوجود اس کے تقدس قرآن کا لحاظ کرتے ہوئے اللہ تبارک و تعالیٰ حضرت جبریلؑ کو سخت حفاظتی وستوں کی نگرانی میں وحی قرآنی لے کر نبیؐ کے پاس بھیجتا ہے، تاکہ لوگوں کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہ آسکے کہ کسی بھی طرح اس میں باطل کی آمیزش کی گئی ہے۔

قرآن کی شکل میں آپؐ پر جو وحی کی جانے والی تھی وہ کوئی معمولی چیز نہ تھی، بلکہ بڑی اہمیت کی حامل تھی۔ یہی وجہ ہے کہ جب پہلی بار جبریل امین وحی لے کر آئے تو آپؐ پر اس کا غیر معمولی اثر ہوا۔ بہت گھبرائے اور ہانپتے کاپٹے حضرت خدیجہؓ کے پاس پہنچے، اور اپنی کیفیت بیان کی۔ انہوں نے آپؐ کو تسلی دی اور آپؐ کے اوصاف حمیدہ کے پیش نظر کہا کہ اللہ آپؐ کو ضائع نہیں کرے گا۔ تب جا کر آپؐ کو اطمینان ہوا۔ (۴۴) یہ تردد، یہ ہیبت، یہ اضطراب جلال الہی کا تاثر (اور نبوت کے بارگراں کی عظمت کا تنخیل) تھا، آپؐ نے کیا دیکھا؟ ناموس اعظم نے کیا کہا؟ کیا کیا مشاہدات ہوئے یہ وہ نازک باتیں ہیں جو الفاظ کا تحمل نہیں کر سکتیں۔ (۴۵) مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ لکھتے ہیں:

”نزد وحی کی کیفیت کو ٹھیک ٹھیک سمجھنے کے لیے پہلے یہ بات ذہن نشین رہنی چاہیے کہ نبیؐ کو اچانک اس صورت حال سے سابقہ پیش آیا تھا۔ آپؐ کو اس سے پہلے کبھی یہ گمان بھی نہ گزرا تھا کہ آپؐ نبیؐ بنائے جانے والے ہیں۔ نہ اس کی کوئی خواہش آپؐ کے دل کے کسی گوشے میں موجود تھی۔ نہ اس کے لیے آپؐ پہلے سے کوئی تیاری

کر رہے تھے اور وہ اس کے متوقع تھے کہ ایک فرشتہ اوپر سے پیغام لے کر آئے گا۔ آپ خلوت میں بیٹھ بیٹھ کر مراقبہ اور عبادت ضرور فرماتے تھے، لیکن نبی بنائے جانے کا کوئی تصور آپ کے حاشیہ خیال میں بھی نہ تھا۔ اس حالت میں یکا یک عار حرا کی اس تنہائی میں فرشتہ آیا تو آپ کے اوپر فطر تا اس پہلے عظیم اور غیر معمولی تجربے سے وہی گھبراہٹ طاری ہوئی جو لامحالہ ایک بشر پر طاری ہونی ہی چاہیے۔ قطع نظر اس کے کہ وہ کیسا ہی عظیم الشان بشر ہو۔ یہ گھبراہٹ بسیط نہیں بلکہ مرکب نوعیت کی تھی۔ طرح طرح کے سوالات حضورؐ کے ذہن میں پیدا ہو رہے تھے، جنہوں نے طبع مبارک کو سخت خلجان میں مبتلا کر دیا تھا۔ کیا واقعی میں نبی ہی بنایا گیا ہوں؟ کیا مجھے سخت آزمائش میں تو نہیں ڈال دیا گیا ہے؟ یہ بار عظیم آخر میں کیسے اٹھاؤں گا؟ لوگوں سے کیسے کہوں گا کہ میں تمہاری طرف نبی مقرر ہوا ہوں؟ لوگ میری بات کیسے مان لیں گے؟ آج تک جس معاشرے میں عزت کے ساتھ رہا ہوں اب لوگ میرا مذاق اڑائیں گے اور مجھے دیوانہ کہیں گے۔ اس جاہلیت کے ماحول سے آخر میں کیسے لڑ سکوں گا؟ غرض اس طرح کے نہ معلوم کتنے سوالات ہوں گے جو آپ کو پریشان کر رہے ہوں گے۔ اسی وجہ سے جب آپ گھر پہنچے تو کانپ رہے تھے۔ جاتے ہی فرمایا مجھے از حادو، مجھے اڑ حادو۔“ (۳۶)

چوں کہ مہتمم بالشان اور بابرکت کلام کا نزول حضورؐ پر ہمیشہ ہوتا رہا، اس لیے آپ پر اس کلام ثقل کا اثر نمایاں رہتا۔ جب آپؐ سے صحابہ کرام نے نزول وحی کی کیفیت کے بارے میں سوال کیا تو آپؐ نے فرمایا: ’صلصلة الجوس‘ والی کیفیت میرے لیے زیادہ سخت ہوتی ہے۔ (۳۷) حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب آپؐ پر وحی نازل ہوتی تو سخت جاڑوں کے دنوں میں جس آپؐ کی پیشانی مبارک پسینہ سے شرابور ہو جاتی تھی۔ (۳۸) حضرت عبادہ بن صامتؓ روایت کرتے ہیں کہ نبیؐ پر جب وحی نازل ہوتی تو آپؐ مضطرب ہو جاتے اور چہرہ مبارک کا رنگ بدل جاتا، آپؐ اس وقت اپنا سر نچا کر لیتے اور صحابہ کرامؓ آپؐ کے پاس ہوتے تو وہ بھی اپنا سر جھکا لیتے۔ وحی کی تکمیل کے بعد آپؐ اپنا سر اٹھاتے۔ (۳۹) ایک روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت زیدؓ آپؐ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اس طرح کہ آپؐ کی ران ان کی ران پر تھی۔ اسی دوران وحی آگئی۔ حضرت زیدؓ کا بیان ہے کہ وحی کا اتنا بوجھ محسوس ہوا کہ معلوم ہوتا تھا کہ میری ران پارہ پارہ ہو جائے گی۔ (۵۰) اسی شدت کا حال صفوان بن یحییٰؓ نے بھی بیان کیا ہے جو انہیں سفر حج کے

دوران دیکھنے کو ملا۔ (۵۱) ایک اور حدیث میں ہے کہ جس اونٹنی پر آپ مسوار ہوتے اور اس دوران وحی آ جاتی تو وہ وحی کے بوجھ سے دبی جاتی یہاں تک کہ وہ اپنا سینہ زمین پر ٹیک دیتی۔ (۵۲) اس طرح کی شدت سے اگر کسی کو اچانک واسطہ پڑ جائے تو اضطراب میں پڑ جانا کوئی بعید نہیں۔ اس لیے آپ کو پہلے پہل خواب دکھائے گئے تاکہ آپ اس بوجھ کو اٹھانے کے لیے آمادہ ہو جائیں۔ بے چینی و بے قراری تو آپ کی بہ تدریج زائل ہو گئی تاہم نزول وحی کی کیفیت بہ دستور باقی رہی۔ (۵۳)

ایک نامانوس شکل سے گھبرانا اور کلام عظیم کو اخذ کرنے کے بعد نبی کی کیفیات میں تغیر ہونا، کوئی نئی بات نہیں ہے۔ یہ نہ صرف محمدؐ کے ساتھ خاص ہے، بلکہ انبیاء سابقین کی تاریخ کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوگا کہ ان کے ساتھ بھی ایسی صورت پیش آئی تھی۔ مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ نے عصا کا معجزہ عطا کیا تو حکم دیا:

وَأَنْ أَلْقِ عَصَاكَ ۖ فَلَمَّا رَآهَا تَهْتَزُّ كَأَنَّهَا جَانٌّ وَلَّى مُدْبِرًا
وَلَمْ يُعَقِّبْ ۚ يَمُوسَىٰ أَقْبَلَ وَلَا تَخَفْ ۚ إِنَّكَ مِنَ
الْمُؤْمِنِينَ ۝ (القصص: ۳۱)

”اور (حکم دیا گیا) پھینک دے اپنی لاشی۔ جوں ہی موسیٰ نے دیکھا کہ وہ لاشی سانپ کی طرح تل کھا رہی ہے تو وہ پیٹھ پھیر کر بھاگا اور اس نے مڑ کر بھی نہ دیکھا۔ (ارشاد ہوا) موسیٰ پلٹ اور خوف نہ کر، تو بالکل محفوظ ہے۔“

موسیٰ علیہ السلام کا ڈرنا اور بھاگنا طبیعت بشریہ کا تقاضا تھا۔ ان کی اس کیفیت سے ان کی نبوت کا ابطال نہیں ہوتا تو محمدؐ کی نبوت کا انکار کیوں کر کیا جاسکتا ہے۔ بشریت پر دفعۃً ملکیت کے غلبہ سے آپ کا مرعوب اور خوف زدہ ہونا کوئی مستبعد نہیں۔ (۵۴)

جس ذات گرامی سے اللہ کا رسول مخاطب ہے وہ کوئی معمولی ہستی نہیں، وہ تو تمام چیزوں سے اعلیٰ و ارفع ہے۔ اس کے کلام میں کبھی بھی رفعت و بلندی کا ہونا یقینی ہے، جو انسانی کلام سے بالکل الگ تھلک اور بے مثل ہے۔ اے پطرح کی آواز کو سن کر حضورؐ پر گھبراہٹ کے طاری ہونے سے ان کی نبوت کی تکذیب نہیں کی جاسکتی۔ چنانچہ جن لوگوں نے اس گھبراہٹ پر وریدہ

دہنی کی ہے اس کے جواب میں ایک غیر جانب رومانوی سیرت نگار ڈکسٹن ویرٹل جو جیونے لکھا ہے:

”خدا کا کلام یعنی ایسی ہستی کا کلام سننا انسان کی تاب تو اس سے باہر ہے، جو مکان کا پابند ہے نہ زمان کا، جس کا آغاز ہے نہ انجام اور جو قوت جاذبہ (کشش زمین) کا نہ صرف یہ کہ تابع نہیں بلکہ اس کو وجود میں لانے والا بھی وہ خود ہے۔ جب ہم زلزلے کی گڑ گڑاہٹ یا آسانی بجلی کرنے کی تیز آواز سنتے ہیں تو ہم پر لرزہ طاری ہو جاتا ہے۔ حالانکہ یہ ہمارے اپنے ماحول کی آوازیں ہوتی ہیں اور حتیٰ کہ ہم ان کے علمی قوانین سے بھی واقفیت رکھتے ہیں کہ کس بنا پر بجلی کڑکتی ہے یا زمین ہلتی ہے یا آسمان سے بجلی گرتی ہے۔ لہذا ایسی صورت میں ہمیں حیرت نہیں ہونی چاہیے کہ جبرئیل کی آواز سننے کے بعد محمدؐ پر لرزہ طاری ہو گیا ہو اور ان کے چلے جانے کے بعد محمدؐ پر بے پناہ تھکن نے غلبہ پایا ہو۔“ (۵۵)

کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی نبوت کے بارے میں شک تھا؟

پہلی وحی اخذ کرنے کے بعد ایک عرصے تک وحی کی آمد کا سلسلہ موقوف رہا۔ ان دنوں آپؐ پریشان رہتے کہ جبرئیل امین اور ان سے قبل رویائے صادقہ کے ذریعہ نبی منتخب کیے جانے کا جو یقینی اور غیبی اشارہ ملا تھا وہ کیوں رک گیا۔ اس توقف کی آپؐ اپنے ذہن میں مختلف توجہیں کرتے اور اپنے بے چین دل کو مطمئن کرنے کی کوشش کرتے۔ اسی حقیقت کی تلاش میں پہاڑوں کا چکر لگاتے، جہاں سے نزول وحی کا آغاز ہوا تھا۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں:

”وحی بند ہوگئی، جس سے رسول اللہؐ اس قدر غمگین ہوئے کہ کئی بار بلند و بالا پہاڑ کی چوٹیوں پر تشریف لے گئے کہ وہاں سے لڑھک جائیں۔ لیکن جب کسی پہاڑ کی چوٹی پر پہنچتے کہ اپنے آپ کو لڑھکالیں تو حضرت جبرئیلؑ نمودار ہوتے اور فرماتے: اے محمدؐ آپ اللہ کے رسول برحق ہیں اور اس کی وجہ سے آپ کا اضطراب ختم جاتا، نفس کو قرار آ جاتا اور آپ واپس آ جاتے۔ پھر جب آپؐ پر وحی کی بندش طول پکڑ جاتی تو آپؐ پھر اسی جیسے کام کے لیے نکلتے، لیکن جب پہاڑ کی چوٹی پر پہنچتے تو حضرت جبرئیلؑ نمودار ہو کر پھر وہی بات دہراتے۔“ (۵۶)

اس حزن و اضطراب کی بھی معاندین اسلام نے غلط تعبیر کی ہے اور یہ باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ نعوذ باللہ نبیؐ کو اپنی نبوت کے بارے میں شک تھا۔ اس لیے وہ پہاڑوں کا چکر لگاتے اور وہاں سے خود کو ہلاک کر لینا چاہتے تھے۔ حالاں کہ یہ حزن اور بے چینی شک کی بنا پر نہیں اعزاز خداوندی کے رک جانے کی وجہ سے تھی۔ کیوں کہ محبوب ترین چیز ایک مرتبہ حاصل ہونے اور لذت کے چکھ لینے کے بعد دفعتاً بند ہو جائے تو غمگینی ہوتی ہی ہے۔ غلبہ حال کی بنا پر آپ کا یہ ارادہ ہوتا تھا اور یہ اشتیاق و غلبہ حال خود دلیل ہے تیقن کی۔ باقی رہا شرعی مسئلہ کہ خودکشی حرام ہے۔ اولاً تو اس وقت احکام شرعیہ نازل نہیں ہوئے تھے۔ ثانیاً یہ کہ وہ محض ’ہم‘ (ارادہ) تھا۔ ’ہم‘ تو حرام و کبیرہ نہیں ہے، نہ عصمت کے خلاف ہے۔ جہاں تک جبرئیل کے فرمانے کی بات ہے، سو وہ تردد و زائل کرنے کے لیے نہیں بلکہ جبرئیل کے کلام کا مطلب یہ تھا کہ آپ غمگین نہ ہوں، کیوں کہ یہ بند ہو جانا عارضی ہے اور کسی حکمت کی بنا پر کچھ وقت کے لیے یہ سلسلہ بند کر دیا گیا ہے، عنقریب پھر آپ پر وحی آنے والی ہے۔ کیوں کہ آپ تو واقعی اللہ کے رسول ہیں اور رسالت کی تکمیل ہو کر رہے گی۔ اس بات سے غلبہ حال جاتا رہتا اور حزن میں تخفیف ہو جاتی۔ (۵۷)

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ لکھتے ہیں:

”اللہ تعالیٰ جب کسی شخص کو اپنی نبوت کے لیے چن لیتا ہے تو اس کے دل کو شکوک و شبہات اور وساوس سے پاک کر کے یقین و اذعان سے بھر دیتا ہے۔ اس میں اس کی آنکھیں جو کچھ دیکھتی ہیں اور اس کے کان جو کچھ سنتے ہیں اس کی صحت کے متعلق کوئی ادنیٰ سار تردد بھی اس کے ذہن میں پیدا نہیں ہوتا۔ وہ پورے شرح صدر کے ساتھ ہر اس حقیقت کو قبول کر لیتا ہے جو اس کے رب کی طرف سے اس پر منکشف کی جاتی ہے۔ خواہ وہ کسی مشاہدہ کی شکل میں ہو جو اسے آنکھوں سے دکھایا جائے، یا الہامی علم کی شکل میں ہو جو اس کے دل میں ڈالا جائے، یا پیغام وحی کی شکل میں ہو جو اس کو لفظ بہ لفظ سنایا جائے۔ ان تمام صورتوں میں پیغمبر کو اس امر کا پورا شعور ہوتا ہے کہ وہ ہر قسم کی شیطانی مداخلت سے قطعی محفوظ و مامون ہے اور جو کچھ بھی اس تک کسی شکل میں پہنچ رہا ہے وہ ٹھیک ٹھیک اس کے رب کی طرف سے ہے۔ تمام خدا داد احصاسات کی طرح پیغمبر کا یہ شعور و احساس بھی ایک ایسی قیمتی چیز ہے جس میں غلط فہمی کا کوئی امکان نہیں۔“

جس طرح مچھلی کو اپنے تیراک ہونے کا، پرندے کو اپنے پرندہ ہونے کا اور انسان کو اپنے انسان ہونے کا احساس بالکل خدا داد ہوتا ہے اور اس میں غلط فہمی کا کوئی شائبہ نہیں ہو سکتا، اسی طرح پیغمبر کو اپنے پیغمبر ہونے کا احساس بھی خدا داد ہوتا ہے۔ اس کے دل میں کبھی ایک لمحہ کے لیے بھی یہ دوسوہ نہیں آتا کہ شاید اسے پیغمبر ہونے کی غلط فہمی لاحق ہو گئی ہے۔“ (۵۸)

اس حزن و اضطراب کے سلسلے میں عیسائی مذہب کے مشہور عالم سینٹ ٹریس (Saint Treess) نے جس حقیقت کو واضح کاف کیا ہے وہ بڑی ہی دل چسپ ہے۔ وہ لکھتا ہے:

”جب خدا کی آواز آدمی کے کانوں تک پہنچی ہے تو اسے یقین حاصل ہو جاتا ہے کہ یہ خدا ہی کی آواز ہے، کیوں کہ اس آواز کا لہن اور طرز بیان اس کی اصلیت میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں رہنے دیتا، تاہم جب ایک دن گزر جائے تو شک و تردید شروع ہو جاتا ہے اور مذکورہ آواز کو سننے والا اپنے آ۔ سے پوچھنے لگتا ہے کہ جو آواز اسے سنائی دی ہے آیا حقیقت میں وہ خدا کی آواز ہے یا اس کے اپنے تخیل کی ایجاد یا شیطان نے اس آواز کی نقل کی ہے۔ لہذا انسان یہ آرزو کرتا ہے کہ اسے کاش ایک بار پھر اس آواز کو سننے کا شہ دور ہو جائے۔“ (۵۹)

نبی کو اپنے عقیدہ و خیال میں دوسروں کی طرح شک و شبہ نہیں ہوتا، کیوں کہ ان کا رشتہ براہ راست خدا سے ہوتا ہے جو ان کی ہر وقت رہنمائی کرتا رہتا ہے۔ اس لیے ان کے اعتقاد پر حرف زنی کرنا گم راہی ہے۔ قاضی عیاضؒ لکھتے ہیں:

”خوب جان لو کہ جس چیز کا اللہ کی توحید اور معرفت، ایمان اور وحی سے تعلق ہے، وہ انبیاء کرام کو نہایت کامل اور واضح طریقے سے معلوم ہوتی ہے۔ انبیاء علیہم السلام کو خدا کی ذات و صفات کا علم یقینی ہوتا ہے۔ معاذ اللہ وہ کسی چیز سے بے خبر نہیں ہوتے اور نہ ان کو اس بارے میں کوئی شک و تردید ہوتا ہے اور وہ اس چیز سے پاک و منزہ ہوتے ہیں جو اس کی معرفت و یقین کے منافی ہو۔ اس پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے۔ دلائل واضحہ اور براہین قاطعہ سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ حضرات انبیاء کے عقائد میں کوئی غلطی نہیں ہوتی۔“ (۶۰)

کیا اس کیفیت کا تعلق مرگی سے ہے؟

نزول وحی کے وقت آپ پر جو کیفیت طاری ہوتی تھی اس کا اندازہ اس وقت موجود لوگوں کو بھی ہوتا تھا۔ مگر جیسے ہی یہ سلسلہ منقطع ہوتا آپ اپنی اصل حالت پر لوٹ آتے۔ یہ بات کسی بھی طرح آپ پر صادق نہیں آتی کہ دوران وحی آپ پر مرگی کا دورہ پڑتا تھا یا کسی دوسرے عارضہ میں مبتلا ہو جاتے تھے، جیسا کہ مستشرقین باور کراتے ہیں۔ یہ معمولی تغیر جو واقع ہوتی تھی اس کی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ یہ آواز آپ کو متوجہ کرنے کے لیے آتی ہو اور اس وقت تک جاری رہتی ہو جب تک وحی مکمل نہ ہو جاتی ہو۔ جہاں تک جسمانی تغیرات کا تعلق ہے، یہ اس لیے واقع ہوتے کہ رسول اللہ کا رابطہ عالم ناسوت سے نکل کر عالم لاہوت میں فرشتہ کے ساتھ ہو جائے۔ آپ کو اس میں غیر معمولی مشقت پیش آتی تھی۔ اس کیفیت سے نکلنے کے بعد زندگی بخش معجز کلام آپ کی زبان مبارک سے ادا ہوتے اور آپ فوراً اس کی رہنمائی میں ساتھیوں کو نئی ہدایات دیتے اور پیش آمدہ مسائل کو حل فرماتے۔ وحی آپ کے لیے قوت اور تسکین کا باعث بنتی اور آپ کو اپنے کام کے لیے دلولہ تازہ مہیا کرتی تھی۔ وحی شدہ کلام آپ اپنے دوست و دشمن، حلیف و حریف سب کے گوش گزار کرنے پر مامور تھے۔ اس لیے آپ کو وحی نازل ہونے کا ہمیشہ انتظار رہتا تھا۔ (۶۱)

چھوٹی موٹی بیماری میں مبتلا شخص جب اپنی بیماری کی تکلیف اور شدت سے شفا پاتا ہے تو یہی چاہتا ہے کہ آئندہ اس تکلیف میں مبتلا نہ ہو۔ مرگی تو بہت سخت اور تکلیف دہ بیماری ہے۔ جب اس کا دورہ پڑتا ہے تو مرگی زدہ شخص کی جو حالت ہوتی ہے اس کا اندازہ وہی کر سکتا ہے، یا تھوڑا بہت اندازہ دیکھنے والے کو ہوتا ہے۔ اکثر ناہاتھ پاؤں بھینچنا، منہ سے جھاگ نکلنا اور چہرے کا پیلا پڑ جانا وغیرہ اس کا خاصہ ہے۔ اسے کہاں ہوش رہتا ہے کہ خارجی چیزوں کا ادراک کر سکے۔ اس مہلک بیماری میں مبتلا ہونے کی تمنا اور آرزو وہی شخص کر سکتا ہے جو اپنی زندگی سے مایوس ہو چکا ہو۔ نعوذ باللہ نبی وحی کے نزول کے وقت کبھی اس طرح کی کیفیت سے دوچار نہ ہوئے۔ حیاۃ طیبہ کا شروع سے آخر تک مطالعہ کیجئے تو یہ بات واضح طور پر نظر آئے گی کہ آپ بہت تندرست و توانا اور صحت مند شخصیت کے مالک تھے، پوری زندگی کبھی ایسی کسی بیماری میں مبتلا نہ ہوئے جس سے آپ کے اہل خانہ اور اصحاب تجسس میں پڑ گئے ہوں، سوائے زندگی کے آخری

ایام کے۔ نبیؐ کے متعلق اس طرح کی باتوں کا انتساب مستشرقین کی علمی بددیانتی ہے۔ ایسے لوگوں کی اور خاص طور سے ’سردیلم میوز‘ (جس نے اپنی کتاب میں اس عارضہ کو بڑے زور و شور سے آپ سے منسوب کیا ہے) کی اس دروغ گوئی کا سرسید احمد خاں اور دوسرے علماء نے پردہ فاش کیا ہے۔ (۶۲) ’اسپرنگر‘ نے اس فرضی عارضہ کا اصل تعلق حضورؐ کی ماں سے جوڑا اور کہا کہ زمانہ حمل میں وہ ایسے ویسے خواب دیکھا کرتی تھیں جو از قسم خرافات تھے، اس کا منفی اثر حضورؐ کے جسمانی قویٰ پر بھی پڑا۔ (۶۳) حالاں کہ ان باتوں کی تردید خود مستشرقین نے بھی کی ہے۔ اپنی اسلام دشمنی میں شہرت رکھنے کے باوجود ’ٹنگمری واٹ‘ لکھتا ہے:

”نزل وحی کے وقت کبھی کبھی کچھ جسمانی عوارض بھی پیش آتے تھے۔ آپ کو شدید درد کا احساس ہوتا، کانوں میں گھنٹی کی آواز سنائی دیتی، جب وحی کا نزول ہوتا تو پاس کھڑے ہوئے لوگ شدید سردی کے عالم میں بھی آپ کے چہرے پر پسینے کے موتی دیکھتے۔ اس قسم کی چیزوں سے مغربی عقادوں نے یہ نتیجہ نکالا کہ آپ مرگی کے مریض تھے۔ لیکن اس خیال کی کوئی حقیقی بنیاد نہیں ہے۔ مرگی انسان کو ذہنی اور جسمانی طور پر کم زور کر دیتی ہے، لیکن محمدؐ میں اس قسم کے کوئی آثار نظر نہیں آتے۔ اس کے برعکس آخر تک آپ کے تمام ذہنی اور جسمانی قویٰ واضح طور پر صحیح اور سلامت تھے۔“ (۶۴)

اس بیماری کا انتساب کرتے وقت کم از کم اس بات پر تو ضرور غور کرنا چاہیے کہ یہ کتنی وزن دار بات ہے۔ یہ بیماری کیا ہے، کیسے لوگوں کو یہ عارضہ ہوتا ہے اور اس کی نوعیت کیا ہوتی ہے؟ اس کو جاننے اور سمجھنے کے لیے ماہر ڈاکٹر اور طبی کتابوں کا مطالعہ از حد ضروری ہے۔ ’جیمبرز انسائیکلو پیڈیا‘ میں اس بیماری کی صورت اور کیفیت مندرجہ ذیل بیان کی گئی ہے:

”صرع اس بیماری کو کہتے ہیں جس میں دفعتاً بے ہوشی طاری ہو اور اعصاب تنفس کے تشنج اور سانس لینے کے منفذ کے بند ہونے سے اعصاب اختیاری بے اختیار شدت سے بھڑکنے لگیں اور کبھی کبھی سانس بالکل بند ہو جائے۔ اس بیماری کا مریض اکثر پاگل ہو جاتا ہے اور بسا اوقات اس کا حافظہ جاتا رہتا ہے اور اس میں تیزی اور جستی نہیں رہتی اور ایسی مردہ دلی اس پر چھا جاتی ہے جو اس کو دنیا کے باقاعدہ کاروبار سے معذور کر دیتی ہے۔ بدبضی بھی اکثر ہوتی ہے اور تمام قوائے جسمانی میں ضعف اور

ناطاقی گھر کر جاتی ہے، جس کی وجہ سے معصوم کے چہرے سے دائمی نقابہت کے آثار نمایاں ہوتے ہیں۔ یہ بات کچھ بعید نہیں ہے کہ اس کے ساتھ معصوم کے ذہن میں اپنے ضعف و نقابہت کا یقین بہ خوبی جم جاتا ہے اور مشقت طلب اشغال سے نفرت ہو جاتی ہے۔ بالخصوص ایسے اشغال سے جن میں اس پر عام اندازہ سے زیادہ نظریں پڑیں۔“ (۶۵)

کیا نزول وحی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش کا دخل تھا؟

وحی الہی کے نزول میں آپ کی خواہش اور مرضی کا ذرہ برابر بھی دخل نہیں تھا۔ مرضی مولیٰ تھی کہ جب چاہا اس کی لذت سے اپنے نبی کو آشنا کرادیا اور انسانیت کے لیے کوئی نہ کوئی راہ سمیٹ نکال دی۔ ’نفرہ وحی‘ خود اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ آپ کی مرضی اور خواہش کے مطابق وحی کا نزول نہ ہوتا تھا۔ اگر ایسا ہوتا تو آپ کو اس قدر حزن و ملال نہ ہوتا۔ معاندین اسلام کے اس اعتراض کی تردید خود باری تعالیٰ نے کر دی ہے۔ ارشاد فرمایا گیا:

وَمَا كُنْتَ تَرْجُو أَنْ يُلْقَىٰ إِلَيْكَ الْكِتَابُ إِلَّا رَحْمَةً مِن رَّبِّكَ
فَلَا تَكُونَنَّ ظَهِيرًا لِّلْكَافِرِينَ ﴿٨٦﴾

(القصص: ۸۶)

”تم اس بات کے ہرگز امیدوار نہ تھے کہ تم پر کتاب نازل کی جائے۔ یہ تو محض تمہارے رب کی مہربانی سے (تم پر نازل ہوتی ہے)۔ پس تم کافروں کے مددگار نہ بنو۔“

آپ بعض مواقع پر سنگین مسائل سے دوچار ہو جاتے۔ اس وقت فوری رہنمائی کی ضرورت درپیش ہوتی، مگر آپ کو سخت انتظار کرنا پڑتا تھا۔ ایسے وقت میں کفار و مشرکین کو مزید موقع مل جاتا کہ وہ آپ کا مذاق اڑائیں۔ اس وقت آپ کچھ نہ کر پاتے اور صبر و تحمل سے کام لیتے۔ ایک مرتبہ کفار نے آپ سے چند سوالات کیے، اگلے دن جواب دینے کا وعدہ کیا، یہ سوچ کر کہ اس دوران اللہ تعالیٰ کی رہنمائی حاصل ہو جائے گی۔ مگر آپ انشاء اللہ کہنا بھول گئے۔ کئی دنوں تک وحی نہیں آئی اور جب آئی تو اس تاکید کے ساتھ:

وَلَا تَقُولَنَّ لِشَايٍ إِنِّي فَاعِلٌ ذَٰلِكَ غَدًا ۚ إِلَّا أَن يَشَاءَ اللَّهُ
وَإِذْ عَصَا رَبُّكَ إِذَا أَنْسَيْتَ

(الکہف: ۲۳-۲۴)

”اور دیکھو کسی چیز کے بارے میں بھی یہ نہ کہا کرو کہ میں کل یہ کام کر دوں گا۔ (تم کچھ نہیں کر سکتے) الا یہ کہ اللہ چاہے۔ اگر بھولے سے ایسی بات زبان سے نکل جائے تو فوراً اپنے رب کو یاد کر لو۔“

خود آپ کی گھریلو زندگی میں منافقین نے ایک طوفان برپا کر دیا تھا اور ام المؤمنین حضرت عائشہؓ کی عصمت و عفت کو تار تار کرنے کی تمام سازشیں عنقریب کامیاب ہونے والی تھیں، اس کے سوا کوئی چارہ نہ رہ گیا تھا کہ وحی کے ذریعہ ہی حق و ناحق کا فیصلہ ہو۔ ایک ماہ کے بعد وحی آئی اور ان کو اس بہتان عظیم سے پاک و صاف بتایا گیا۔ (النور: ۱۲) نکاح زینب بنت جحش کے تعلق سے منافقین نے جن بیہودہ باتوں کو مشہور کرنے کی کوشش کی اس کا ازالہ بھی اللہ نے بڑی وضاحت سے وحی کے ذریعہ کیا ہے۔ (الاحزاب: ۳۷)

یہ بات الگ ہے کہ بعض مواقع پر وحی نہیں آتی تھی، پھر بھی آپ شریعت کا موقف واضح کرتے۔ لیکن اپنے اس موقف کو قرآن سے بالکل الگ تھلگ رکھتے جب تک کہ اس کی تائید یا اشارہ کسی نہ کسی طرح آپ کو مل جاتا۔

انبیاء سابقین پر بھی وحی آتی تھی

حضرت آدم علیہ السلام سب سے پہلے انسان بھی ہیں اور سب سے پہلے رسول بھی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک مسلسل انبیاء و رسل آتے رہے۔ آخر میں حضرت محمدؐ کی بعثت ہوئی۔ کم و بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبروں میں کتنے صاحب کتاب ہوئے اس کا صحیح اندازہ لگانا مشکل ہے۔ بعض روایتوں سے تین سو پندرہ کا پتا چلتا ہے۔ (۶۶) لیکن قرآن مجید کی روشنی میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ ان سب پیغمبروں کو منجانب اللہ وحی کی گئی تھی اور ان سب کو ایک ہی دین سے نوازا گیا تھا۔ ارشاد باری ہے:

إِنَّا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ كَمَا أَوْحَيْنَا إِلَى نُوحٍ وَالنَّحِیْنِ مِنْ بَعْدِهِ
وَأَوْحَيْنَا إِلَى إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَیَعْقُوبَ
وَالْأَسْبَاطِ وَعِیْسَى وَأَيُّوبَ وَیُوسُفَ وَهَارُونَ وَسُلَیْمَانَ
إِنَّا أَنَا دَاوُدَ زَبُورًا وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنَاهُمْ عَلَیْكَ مِنْ قَبْلُ

وَرُسُلًا لَّمْ نَقْضُصْهُمْ عَلَيْكَ ۚ وَكَلَّمَ اللَّهُ مُوسَى تَكْلِيمًا ۝

رُسُلًا مُبْتَلِينَ وَ مُنْذِرِينَ لِّئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَى اللَّهِ حُجَّةٌ

بَعْدَ الرُّسُلِ ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ۝ (النساء: ۱۶۳-۱۶۵)

”اے نبی، ہم نے تمہاری طرف اسی طرح وحی بھیجی ہے جس طرح نوح اور اس

کے بعد کے پیغمبروں کی طرف بھیجی تھی۔ اور ہم نے ابراہیم، اسمعیل، اعلیٰ،

یعقوب، اور اولاد یعقوب، یحییٰ، ایوب، یونس، ہارون اور سلیمان کی طرف وحی

بھیجی۔ اور ہم نے داؤد کو زبور دی۔ اور ہم نے ان رسولوں پر بھی وحی نازل کی

جن کا ذکر ہم اس سے پہلے تم سے کر چکے ہیں اور ان رسولوں پر بھی جن کا ذکر تم

سے نہیں کیا۔ ہم نے موسیٰ سے اس طرح گفتگو کی جس طرح گفتگو جاتی ہے۔

یہ سارے رسول خوش خبری دینے والے اور ڈرانے والے بھیجے گئے تھے، تاکہ

ان کو مبعوث کر دینے کے بعد لوگوں کے پاس اللہ کے مقابلہ میں کوئی حجت نہ

رہے اور اللہ بہر حال غالب رہنے والا اور حکیم و دانا ہے۔“

ایک اور مقام پر اسی تعلق کو مزید وضاحت کے ساتھ اس طرح بیان کیا گیا ہے:

وَتِلْكَ حُجَّتُنَا آتَيْنَاهَا إِبْرَاهِيمَ عَلَى قَوْمِهِ ۚ نَرْفَعُ دَرَجَاتٍ

مَنْ لَشَاءُ ۚ إِنَّ رَبَّكَ حَكِيمٌ عَلِيمٌ ۝ وَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ وَ

يَعْقُوبَ ۚ كُلًّا هَدَيْنَا وَنُوحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ ۚ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِ دَاوُدَ

وَسُلَيْمَانَ وَأَيُّوبَ وَيُوسُفَ وَمُوسَى وَهَارُونَ ۚ وَكَذَلِكَ

نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ۝ وَزَكَرِيَّا وَيَحْيَىٰ وَعِيسَىٰ وَإِلْيَاسَ ۚ كُلٌّ

مِنَ الصَّالِحِينَ ۝ وَإِسْمَاعِيلَ وَالْيَسَعَ وَيُونُسَ وَلُوطًا ۚ وَكُلًّا

فَضَّلْنَا عَلَىٰ الْعَالَمِينَ ۝ وَمِنْ آبَائِهِمْ وَذُرِّيَّتِهِمْ وَإِخْوَانِهِمْ ۚ وَ

اجْتَبَيْنَاهُمْ وَهَدَيْنَاهُمْ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۝ ذَٰلِكَ هُدَىٰ اللَّهِ

يَهْدِي بِهِ مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ ۚ وَلَوْ أَشْرَكُوا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَا

كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَ

الْجُبَّةُ فَإِنْ يَخْفَرُ بِهَا هَوْلًا فَقَدْ وَكَلْنَا بِهَا قَوْمًا لَيَسُوا بِهَا
بِكُفْرَيْنِ ۝ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ فَبِئْسَ لَهَا أَقْبَدُهُ ۚ قُلْ لَا
أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِلْعَالَمِينَ ﴿٩٠﴾
(الانعام: ۸۳-۹۰)

”یہ قمی ہماری وہ حجت جو ہم نے ابراہیم کو اس کی قوم کے مقابلہ میں عطا کی۔ ہم جسے
چاہتے ہیں بلند مرتبے عطا کرتے ہیں۔ حق یہ ہے کہ تمہارا رب نہایت دانا اور عظیم
ہے۔ اور ہم نے ابراہیم کو اسحق اور یعقوب جیسی اولاد دی اور ہر ایک کو راہ راست
دکھائی (وہی راہ راست جو) اس سے پہلے نوح کو دکھائی تھی اور اسی کی نسل سے ہم نے
داؤد، سلیمان، ایوب، یوسف، موسیٰ اور ہارون کو (ہدایت بخشی) اس طرح ہم نیکو
کاروں کو ان کی نیکی کا بدلہ دیتے ہیں (اسی کی اولاد سے) ذکریا، یحییٰ، عیسیٰ اور الیاس کو
(راہ یاب کیا) ہر ایک ان میں صالح تھا اور اسی کے خانہ دان سے (اسماعیل، الیسع
اور یونس اور لوط کو) راستہ دکھایا) ان میں سے ہر ایک کو ہم نے تمام دنیا والوں پر
فضیلت عطا کی۔ نیز ان کے آباء و اجداد اور ان کی اولاد اور ان کے بھائی بندوں میں سے
بہتوں کو ہم نے نوازنا۔ انہیں اپنی خدمت کے لیے جن لیا اور سیدھے راستے کی طرف ان
کی رہنمائی کی۔ یہ اللہ کی ہدایت ہے جس کے ساتھ وہ اپنے بندوں میں سے جس کی چاہتا
ہے، رہنمائی کرتا ہے۔ لیکن اگر کہیں ان لوگوں نے شرک کیا ہوتا تو ان کا سب کیا کرایا
عارت ہو جاتا۔ وہ لوگ تھے جن کو ہم نے کتاب اور حکم اور نبوت عطا کی تھی۔ اب اگر یہ
لوگ اس کو ماننے سے انکار کرتے ہیں تو (پر و انہیں) ہم نے کچھ اور لوگوں کو یہ نعمت سونپ
دی، جو اس سے منکر نہیں ہیں۔ اے نبی، وہی لوگ اللہ کی طرف سے ہدایت یافتہ تھے۔
انہی کے راستے پر تم چلو اور کہہ دو کہ میں اس تبلیغ و ہدایت کے کام پر تم سے کسی اجر کا طالب
نہیں ہوں۔ یہ تو ایک عام صیحت ہے تمام دنیا والوں کے لیے۔“

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ نبیؐ سے قبل جتنے بھی پیغمبر آئے سب کو بشیر و نذیر بنا کر
بجھا گیا تھا۔ انہیں اس طرح بھی وحی کی جاتی جیسے کسی آدمی سے گفتگو کی جاتی ہے۔ اسی طرح کسی
کو خواب دکھائے جاتے، کسی کو بیداری میں صرف آواز سنائی دیتی، کسی کو فرشتے سے رو برو گفتگو
کرائی جاتی۔ اس طرح وہ مختلف طریقوں سے پیغام الہی کو سنتے اور اخذ کرتے۔ باوجود ان

جداگانہ کیفیات کے یہ امر مشترک ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا ایک غیر عام فہم تعلق عالم بالا سے ہوتا اور یہ تعلق وحی کہلاتا ہے۔ اس اعتبار سے دیکھا جائے تو بقول ڈاکٹر مکی صالح:

”محمدؐ کوئی نرالے رسول نہ تھے۔ اسی طرح آپ کی دعوت بھی باقی انبیاء سے کوئی الگ مختلف چیز نہ تھی۔ کیوں کہ حضرت نوح علیہ السلام سے لے کر خدا کے چیدہ و برگزیدہ بندے لوگوں کو خدا کا پیغام سناتے چلے آئے تھے۔ ان کی اپنی خواہشات کو اس میں کوئی دخل نہ تھا۔ جو وحی ان پر نازل ہوئی اور اس کے ذریعے اللہ نے ان کو اپنی تائید و حمایت سے نوازا وہ آج حضور پر نازل کردہ وحی سے کسی طرح بھی مختلف نہیں تھی۔ سب انبیاء پر نازل شدہ وحی ہر لحاظ سے بالکل ہم رنگ و ہم آہنگ ہے۔ کیوں کہ وحی کا مصدر و مآخذ بھی ایک ہے اور اس کی غرض و غایت بھی متحد۔“ (۶۷)

ایک ہی شے کے بعض اجزاء کے ابطال سے اس کے کل کا بطلان ضروری ہے۔ چوں کہ معاندین کو صرف محمدؐ سے نفرت و عداوت ہے اس لیے وہ سابقہ انبیاء پر حرف زنی کے مرتکب نہیں ہوتے، کیوں کہ ایسا کرنے میں خود ان کا مذہب مشکوک ہو کر رہ جائے گا، لیکن نبیؐ کی نبوت پر طعن و تشنیع سے زبان نہیں تھکتی۔ حالاں کہ یہ ایسی واضح حقیقت ہے کہ جس کے اندر بھی دیانت داری ہوگی اور اس کے پیش نظر علم کا حقیقی مقصد و مفہوم ہوگا وہ اس قسم کی خرافات سے ہمیشہ اپنے آپ کو دور رکھے گا۔ بعض مستشرقین نے بھی تسلیم کیا ہے کہ نبیؐ پر جو وحی کی گئی ہے وہ کوئی نئی چیز نہیں بلکہ وہ وہی ہے جو سابقہ انبیاء پر کی جاتی تھی۔ پروفیسر ادوار مونٹیہ لکھتے ہیں:

”محمدؐ ٹھیک اسی طرح سچے نبی تھے جس طرح قدیم زمانہ میں انبیاء بنی اسرائیل سچے نبی تھے۔ انہی پیغمبروں کی طرح محمدؐ بھی خواب دیکھتے تھے اور وحی الہی ان پر اترتی تھی۔ دینی عقیدہ اور وجود الوہیت کا زبردست خیال اپنے اسلاف پیغمبروں کی طرح ان پر بھی چھایا ہوا تھا اور انہی کی طرح محمدؐ میں وہ نفسی الہام اور شخصیت میں وہ افروزی پیدا ہوتی تھی جن دونوں سے عقل انسانی میں تجلیات، وحی اور اسی قبیل کے روحی احوال کی منجائش نکلتی ہے۔“ (۶۸)

کیا قرآن کا تعلق خواب سے ہے؟

وحی کا آغاز خواب (رویائے صادقہ) سے ہوا۔ وحی کے مذکورہ معروف سات طریقوں

میں سب سے سخت اور پریشان کن 'صلصلة الجرس' والی کیفیت تھی۔ اس کے بعد دوسری مشکل کیفیت وہ ہوتی کہ جب جبرئیل امین اپنی اصل شکل میں آتے تھے۔ (۶۹) حضورؐ پر پہلی وحی بہ شکل قرآن جو آئی وہ سورہ علق کی ابتدائی چند آیات ہیں۔ اس کے نزول کی کیفیت سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس وقت حضورؐ کے پاس وحی لے کر فرشتہ اپنی اصلی یا نمثیلی شکل میں آیا۔ اس وجہ سے آپؐ پر گھبراہٹ طاری ہوئی۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وحی کا آغاز روئے صادق سے ہوا، قرآن کی شکل میں پہلی وحی آئی وہ فرشتہ مذکورہ شکل میں لے کر آیا، تو کیا قرآن کی بقیہ آیات یا سورہ میں سے کسی کے نزول کا تعلق خواب سے ہے کہ نہیں؟ جملہ تصریحات سے یہی پتا چلتا ہے کہ قرآن کا تعلق خواب سے نہیں ہے۔ صحیح مسلم میں حضرت انسؓ کے حوالے سے ایک روایت نقل کی گئی ہے اس میں کہا گیا ہے کہ ایک سورہ حضورؐ پر نیند کی حالت میں نازل ہوئی:

”حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ایک روز نبیؐ مسجد میں ہمارے درمیان تھے، اچانک آپؐ پر ایک قسم کی نیند یا بے ہوشی کی کیفیت طاری ہوئی، پھر ہنستے ہوئے آپؐ نے سر مبارک اٹھایا، ہم نے پوچھا یا رسولؐ آپؐ کے ہنسنے کا سبب کیا ہے؟ تو آپؐ نے فرمایا کہ مجھ پر اسی وقت ایک سورہ نازل ہوئی ہے، پھر آپؐ نے بسم اللہ کے ساتھ سورہ کوثر کی تلاوت فرمائی۔“ (۷۰)

اس حدیث میں جس ادغکھ کا ذکر ہوا ہے، اس سے مراد نیند نہیں ہے بلکہ وحی کی شدت اور کیفیت مراد ہے جو حضورؐ پر طاری ہوا کرتی تھی۔ یہ کیفیت بھی اس لیے طاری ہوتی تھی تاکہ آپؐ دنیا سے غافل ہو جائیں، روحانیت آپؐ کی بشریت پر غالب آجائے۔ جیسا کہ علامہ سیوطیؒ لکھتے ہیں:

”امام رافعیؒ نے اپنی امانی میں تحریر کیا ہے کہ اس حدیث سے سمجھنے والوں نے یہ بات سمجھی ہے کہ سورہ کا نزول اسی غفلت کی حالت میں ہو گیا تھا اور اسی بنا پر انہوں نے کہا ہے کہ ایک قسم کی وحی رسول اللہؐ پر حالت خواب میں بھی آتی تھی۔ کیوں کہ انبیاء کا خواب دیکھنا بھی وحی ہے اور گو یہ بات صحیح ہے۔ مگر یہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ تمام قرآن کا نزول حالت بیداری میں ہی ہوا ہے اور گو یا اس وقت آنکھ جھپکنے میں رسول اللہؐ کے دل میں سورہ الکوثر کا خیال آگیا، جس کا نزول حالت بیداری میں ہو گیا تھا یا

اس حالت میں کوثر آپ کے پیش نظر لایا گیا جس کا ذکر اس سورہ میں ہے اور آپ نے اسے صحابہ کو پڑھ کر سنایا اور اس کی تفسیر ان سے بیان کر دی۔ بعض روایتوں میں یہ بات آتی ہے کہ آپ پر اس وقت غشی طاری ہو گئی تھی اور ممکن ہے کہ اس بات کو اس حالت پر محمول کیا جائے جو رسول پاکؐ پر وحی کے وقت طاری ہو جایا کرتی تھی، جس کو اصطلاح میں 'برحاء الوحی' کہا جاتا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ رافعی نے نہایت دل نشیں بات کہی ہے اور میں بھی اسی کی کرید کرنا چاہتا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ رافعی کی پچھلی تاویل زیادہ صحیح اور حقیقت سے قریب تر ہے کیوں کہ رسول پاکؐ کا یہ فرمانا کہ مجھ پر سورہ کا نزول اسی وقت ہوا ہے، اس بات کی تردید کرتا ہے کہ اس سورہ کا نزول اس سے پہلے ہوا۔ بلکہ ہم کہتے ہیں کہ اسی حالت میں اس کا نزول ہوا اور وہ چھپکی اور غفلت نیند کی نہ تھی بلکہ وہ ویسی ہی حالت میں تھی جو رسول پاکؐ پر وحی اترتے وقت طاری ہو جایا کرتی تھی۔" (۷۱)



مآخذ و مراجع

- (۱) شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی، مکتوبات امام ربانی، ج: ۳، ص: ۴۰۰
- (۲) عبد الجبار اعظمی، امداد الباری شرح صحیح البخاری، مکتبہ حرم، مراد آباد، ۱۴۰۳ھ، ج: ۲، ص: ۳۲۱
- (۳) مفتی محمد شفیع عثمانی، معارف القرآن (مقدمہ) اشرفی بک ڈپو، دیوبند، ج: ۱، ص: ۲۲
- (۴) محمد انور شاہ کشمیری، فیض الباری علی صحیح البخاری، مطبع حجازی، قاہرہ، ۱۹۳۸ء، ج: ۱، ص: ۱۴
- (۵) ایضاً
- (۶) مولانا سعید احمد اکبر آبادی لکھتے ہیں: ”وحی کی اصل حقیقت کیا ہے؟ اس کا صحیح علم تو بجز اللہ کے اور کسے ہو سکتا ہے۔ البتہ فلاسفہ نے اپنی بساط کے مطابق کچھ پتا چلانے کی فکر کی ہے۔ لیکن اس کا حاصل اس سے زیادہ نہیں ہے کہ وحی کے امکان و جواز میں جو بہ ظاہر عقلی استبعاد نظر آتا ہے اسے دور کریں اور یہ ثابت کر دیں کہ علم و اطلاع کے جس ذریعہ غیبی کو وحی کہتے ہیں اس کا تحقق انسان کے باطنی قویٰ اور ملکات کی دریافت و تحقیق کی روشنی میں ناممکن نہیں ہے۔ فلاسفہ یونان کے تتبع میں متشککین اسلام نے بھی اس روش کو اختیار کیا ہے اور انہوں نے بھی فلسفہ کی تحقیق اور اس کی اصطلاحات کی روشنی میں وحی کی حقیقت کا کھوج لگانے کی سعی کی ہے تاکہ وہ ان اعتراضات و اشکالات کا جواب دے سکیں جو وحی ایسی مابعد الطبیعی چیزوں پر فلاسفہ کی طرف سے کیے جاتے ہیں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ان ائمہ اسلام کی نیت نہایت مبارک اور پاک تھی اور اہی پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو اجر جزیل بھی عطا ہوگا، لیکن اس راہ سے اصلی حقیقت کا سراغ پانے میں کس حد تک کامیاب ہو سکے ہیں؟ اس کا جواب نہایت مشکل ہے۔“ (سعید احمد اکبر آبادی وحی الہی، ندوۃ المصنفین، دہلی، ۱۹۷۰ء، ص: ۲۶-۲۷)
- (۷) ابن منظور، لسان العرب، بذیل مادہ وحی، دار صادر، بیروت، ۱۹۵۵ء۔ احمد بن علی بن الحجر العسقلانی، فتح الباری بشرح صحیح البخاری، دار المعرفہ، بیروت، ۱۳۷۹ھ، ج: ۱، ص: ۹۰۔ نیز دیکھئے: ڈاکٹر عبد اللہ بن محمد القرنی، المعرفۃ فی الاسلام: مصادرہا و مجالہا، دار عالم الفوائد، ریاض، مکتبہ

المکرمہ، ۱۴۱۹ھ، ص: ۳۱-۳۲،

- (۸) لسان العرب، مادہ وحی
- (۹) الترید، تاج العروس، دار لبیب بختاری، ۱۳۸۶ء، ج: ۱، ص: ۳۸۳
- (۱۰) عربی اشعار کے لیے ملاحظہ کریں: لسان العرب، مادہ وحی
- (۱۱) مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی، تفہیم الاحادیث، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی، ۲۰۰۵ء، ج: ۲، ص: ۲۰
- (۱۲) امداد الباری شرح صحیح البخاری، ج: ۲، ص: ۳۳۴
- (۱۳) راغب اصفہانی، مفردات القرآن، بذیل مادہ لھم، - تفصیلی مطالعہ کے لیے ملاحظہ کریں: المعرفۃ فی الاسلام: مصادر و محاللات، ص: ۳۱-۳۲
- (۱۴) تاج العروس، بذیل مادہ لھم
- (۱۵) ابو عیسیٰ ترمذی، جامع الترمذی، کتاب الدعوات، باب قصۃ تعلیم الدعاء
- (۱۶) مولانا ابوالاعلیٰ مودودی، تفہیم القرآن، تفسیر سورۃ الفس کے ضمن میں
- (۱۷) مفردات القرآن، بذیل مادہ لھم
- (۱۸) مجد الدین ابی السعادات المبارک المعروف بابن اثیر، التہذیب فی غریب الحدیث والاثار، مطبع عثمانیہ، مصر، ۱۳۱۱ھ، ج: ۴، ص: ۷۲
- (۱۹) ملا جیون، نور الانوار، مطبع مجبائی، دہلی، ص: ۲۱۳
- (۲۰) ایضاً
- (۲۱) سید سلیمان ندوی، سیرۃ النبی، دار المصنفین، شلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، ۲۰۰۳ء، ج: ۳، ص: ۲۲۳
- (۲۲) ایضاً، ج: ۳، ص: ۲۳۳
- (۲۳) سلیمان بن الاصح، سنن ابوداؤد، کتاب السنۃ، باب فی لزوم السنۃ
- (۲۴) مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی، سنت کی آئینی حیثیت، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی، ۲۰۰۵ء، ص: ۲۳۵
- (۲۵) معارف القرآن، ج: ۸، ص: ۳۲
- (۲۶) ڈاکٹر محی صالح، مباحث فی علوم القرآن، مطبعہ جامعہ، دمشق، ۱۹۶۶ء، ص: ۲۳-مناع ظیل القطان، مباحث علوم القرآن، دار السعودیہ للنشر، ۱۹۷۱ء، ص: ۲۲-۲۶

- (۲۷) ڈاکٹر محمد ابو زہرہ، جونحدیث و محدثین، کتب خانہ نعیمیہ، دیوبند، ۲۰۰۳ء، ص: ۲۰
- (۲۸) محمد بن اسماعیل البخاری، الجامع الصحیح، کتاب التعمیر، باب رویا من اللہ
- (۲۹) فتح الباری بشرح صحیح البخاری، ج: ۱، ص: ۲۰
- (۳۰) ابن قیم الجوزی، زاد المعاد، دار الریان، بیروت، ۱۹۸۷ء، ج: ۱، ص: ۷۸-۸۰۔ علامہ عینی نے بیان کردہ صورت میں چھٹے طریقوں میں اسرافیل کے وحی کیے جانے کا ذکر کیا ہے۔ (بدرا الدین العینی، عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری، مطبع مصطفیٰ البابی الحلی، مصر، ۱۹۷۲ء، ج: ۱، ص: ۴۴) علامہ انور شاہ کشمیری نے وحی کیے جانے کی کل تین صورتیں بیان کی ہیں۔ تیسری صورت میں دو احتمال ظاہر کئے ہیں: فرشتے کا انسانی شکل میں ظاہر ہونا اور نہ ہونا۔ اس طرح یہ چار صورتیں ہوں گی، جو بنیادی ہیں۔ پھر وہ ان صورتوں کی مختلف توجیہات کرتے ہیں جس سے ان کی تعداد سات ہو جاتی ہے۔ (تفصیل کے لیے دیکھئے: فیض الباری، ج: ۱، ص: ۱۳-۲۰)
- (۳۱) الجامع الصحیح، کتاب بدء الوحی، باب کیف کان بدء الوحی
- (۳۲) ابو عبد اللہ محمد بن یزید الرقی، سنن ابن ماجہ، ابواب التجارت، باب الاقتضاد فی طلب المعیشۃ
- (۳۳) الجامع الصحیح، کتاب فضائل القرآن، باب کیف نزول وحی واول ما نزل۔ احمد بن حنبل، مسند احمد، ج: ۲، ص: ۱۰۷۔ علامہ عینی نے فرشتے کے حضرت وحیہ کلبی کی شکل میں آنے کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ وہ بہت خوب صورت تھے۔ ان کی خوب صورتی کا یہ عالم تھا کہ اپنے چہرے کو کپڑے سے چھپا کر چلتے تھے کہ مبادا کوئی فتنے میں نہ پڑ جائے۔ (عمدۃ القاری، ج: ۱، ص: ۴۴)
- (۳۴) الجامع الصحیح، کتاب الایمان، باب سوال جبرئیل النبی۔ ابوالحسن مسلم بن حجاج القشیری، المسند الصحیح مسلم، کتاب الایمان، باب الایمان والاحسان۔
- (۳۵) الجامع الصحیح، کتاب بدء الوحی، باب کیف کان بدء الوحی
- (۳۶) حضور نے جبرئیل امین کو ان کی اپنی اصل شکل میں دو مرتبہ یا تین مرتبہ دیکھا ہے۔ دونوں طرح کی روایتیں ملتی ہیں۔ مشہور یہی ہے کہ دو ہی مرتبہ دیکھا ہے۔ (الجامع الصحیح، کتاب بدء الخلق، باب اذا قال احدکم آمین الملائکۃ فی السماء، کتاب التفسیر، تفسیر سورۃ النجم۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب معنی قول عز وجل ولقد رآه نزلاً اخری۔ جامع الترمذی، کتاب التفسیر، باب سورۃ النجم۔ مسند احمد، ج: ۱، ص: ۱۳۹۵)
- (۳۷) زاد المعاد، ج: ۱، ص: ۸۰

- (۳۸) عبد العظیم زرقانی، منابیل العرفان فی علوم القرآن، مطبع عیسیٰ البابی الخلی، مصر، ۱۳۷۲ھ، ج: ۱، ص: ۳۲۲-۳۳
- (۳۹) شیخ الاسلام ابن تیمیہ، مجموعہ فتاویٰ، مطبع سعودی عربیہ، ج: ۱۲، ص: ۵۸۲-۵۹۸
- (۴۰) تفصیلی مطالعہ کے لیے ملاحظہ کریں: جلال الدین السیوطی، الاقان فی علوم القرآن، مطبع الازہریہ مصر، ۱۹۲۵ء، ص: ۳۹-۳۳۔ بدر الدین محمد بن عبد اللہ الزرکشی، البرہان فی علوم القرآن، دار المعرفہ، بیروت، لبنان، ج: ۱، ص: ۲۲۹-۲۳۰
- (۴۱) الجامع الصحیح، کتاب بدء الوحي، باب کیف کان بدء الوحي
- (۴۲) محمد ادریس کاندھلوی، سیرۃ المصطفیٰ، دار الکتاب، دیوبند، ج: ۱، ص: ۱۳۰۔
- (۴۳) فتح الباری، ج: ۱، ص: ۲۳۔ نیز دیکھیے کتاب التعمیر، باب اول مابدی بہ رسول اللہ ﷺ من الوحي الرویا الصالحین اور باب روایا الصالحین
- (۴۴) الجامع الصحیح، کتاب بدء الوحي، باب کیف کان بدء الوحي
- (۴۵) علامہ شبلی نعمانی، سیرۃ النبی، دار المصنفین، شبلی اکینڈی، اعظم گڑھ، ۲۰۰۳ء، ج: ۱، ص: ۱۳۳
- (۴۶) تفہیم الاحادیث، ج: ۲، ص: ۱۸-۱۹۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی، رسائل ومسائل، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، دہلی، ۱۹۸۹ء، ج: ۳، ص: ۱۷۵
- (۴۷) الجامع الصحیح، کتاب بدء الوحي، باب کیف کان بدء الوحي
- (۴۸) الجامع الصحیح، کتاب بدء الوحي، باب کیف کان بدء الوحي۔ کتاب بدء الخلق، باب ذکر الملائکۃ۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بدء الوحي الی رسول اللہ ﷺ
- (۴۹) صحیح مسلم، کتاب الحدود، باب حد الزنا
- (۵۰) الجامع الصحیح، کتاب التفسیر، باب لا یتسوی القعدون۔ کتاب الصلوٰۃ، باب ما یدکر فی الخف۔ جامع الترمذی، ابواب التفسیر، سنن نسائی، کتاب المجاہدہ، باب فضل المجاہدین علی القاعدین، ابوداؤد، کتاب المجاہدہ، باب رخصۃ فی القعود من العذر
- (۵۱) الجامع الصحیح، کتاب المغازی، باب غزوۃ الطائف۔ صحیح مسلم، کتاب الحج، باب تحريم الطيب، فی الحج والعمرۃ
- (۵۲) احمد بن حنبل، مسند احمد، المطبوعۃ السنیہ، مصر، ۱۳۱۳ھ، ج: ۶، ص: ۸۰
- (۵۳) مباحث فی علوم القرآن (محمی صالح) ص: ۶۲

- (۵۳) سیرۃ المصطفیٰ، ج: ۱، ص: ۱۳۷
- (۵۵) کونستین ویرٹیل جو رجیو، عکس سیرت (La vie Mahomet) (ترجمہ اردو: غلیل الرحمن) رحمن پرنٹرز و پبلشرز، کلکتہ، ۲۰۰۸ء، ص: ۶۳۔
- (۵۶) الجامع الصحیح، کتاب التعمیر، باب اول مابعدہ رسولؐ الرویا
- (۵۷) مولانا شبیر عثمانی، فضل الباری، (مرتب: عبدالرحمن فاضل) اسلامی اکیڈمی، ڈھاکہ، ۱۴۰۹ھ، ج: ۱، ص: ۱۷۱-۱۷۲
- (۵۸) مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی، سیرت سرور عالم، ج: ۲، ص: ۴۵۲-۴۵۳
- (۵۹) عکس سیرت، ص: ۶۵-۶۶
- (۶۰) احمد شہاب الدین الخفاجی، نسیم الریاض فی شرح قاضی عیاض، مطبع الازہریہ، مصر، ۱۳۲۷ھ، ج: ۴، ص: ۲ (حاشیہ)
- (۶۱) خالد مسعود، حیات رسول امی، دارالتذکیر، اردو بازار، لاہور، ۲۰۰۳ء، ص: ۱۰۹
- (۶۲) سرسید احمد خان لکھتے ہیں: ”ہم نے بہ خوبی ثابت کر دیا ہے کہ عیسائیوں کا اتہام آنحضرتؐ کو بیماری صرع کے ہونے کا صدق سے محض معرا ہے، تاہم سرولیم میور صاحب کی اس رائے کو کہ آنحضرتؐ کے صرعی غشوں نے ان کے ذہن میں اپنی رسالت کا خیال پیدا کر دیا تھا اور ان کے قہقین کا بھی یہی اعتقاد تھا تمام منصف مزاج اور غیر متعصب لوگوں کے روبرو پیش کرنا چاہتے ہیں اور پھر یہ سوال کرتے ہیں کہ آیا یہ بات قرین قیاس ہے کہ ایسا آدمی جس کو ہر شخص معصوم جانتا ہوا اپنے صرعی غشوں کو اپنے رسول برحق ہونے کے ثبوت میں پیش کرے جو اپنی قوم کی بت پرستی کے استیصال کے واسطے بھیجا گیا ہوا اور تمام لوگ جو اس کی اس بیماری سے واقف ہیں اس کے عزیز و اقارب اور جمع اکابر عرب اس کی رسالت کو دل سے تسلیم کر لیں اور ہر شخص اپنے دین آباؤی سے منحرف ہو کر اس کے قول و فعل پر ایمان کامل لے آوے۔“ (سرسید احمد خان، الخطبات الاحمدیہ، سرسید اکیڈمی، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، ۲۰۰۳ء، ص: ۴۵۵)
- (۶۳) ڈاکٹر محمد عارف عمری (مرتب) اسلام اور مستشرقین، دارالمصنفین، شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، ۲۰۰۶ء، ج: ۷، ص: ۲۲۰

William Montgomery Watt, Muhammad Prophet and States man, (۶۴)

Oxford University Press London, 1965, p:191

- (۶۵) Chamber's Encyclopedia, Edinburgh, London.1874, Vol:IV,p:93
- (۶۶) مسند احمد، ج:۵، ص:۲۶۶
- (۶۷) مباحث فی علوم القرآن، ص:۹
- (۶۸) محمد رشید رضا مصری، الوہبی الحمدی، المکتب الاسلامی، مصر، ص:۵۹
- (۶۹) مباحث فی القرآن، ص:۳۶
- (۷۰) صحیح مسلم، کتاب الصلوٰۃ، باب حجۃ من قال البسملة آیت من اول کل سورۃ سورۃ براءۃ
- (۷۱) الاتقان فی علوم القرآن، ج:۱، ص:۲۳-۲۴

☆☆☆

باب سوم

کیا قرآن حضرت محمد ﷺ کی تصنیف ہے؟

کفار و مشرکین نے کلام ربانی اور آپ کی تعلیمات کی قدر و قیمت اور معنویت کو گھٹانے کے لیے متعدد قسم کے اعتراضات کیے ہیں۔ ان کے نزدیک قرآن سب کچھ ہو سکتا تھا، مگر اللہ کا کلام نہیں ہو سکتا تھا۔ بعد کے عہد میں عیسائیوں اور یہودیوں نے محض تعصب کی بنا پر قرآن کریم پر بہترے اعتراضات کیے ہیں۔ مگر جب ان کے اعتراض میں کوئی جان نہ رہی تو پھر ان کی ہرزہ سرائی کا رخ بدل گیا اور قرآنی تعلیمات کو خرافات کا مجموعہ ثابت کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا۔ چنانچہ مستشرق ’ویلز‘ نے یہ پروپیگنڈا کیا: ’مقدس اشخاص کی صف میں شامل ہونے کے لیے محمد کو اذھیز عمر میں ان کے حوصلہ مندانہ جذبات نے ایک نئے مذہب کی بنیاد رکھنے پر آمادہ کیا۔ اسی مقصد کے پیش نظر انہوں نے خرافاتی عقائد اور سطلی رسوم و روایات کا ایک مجموعہ تیار کیا۔ اپنی قوم میں اس مجموعہ کی اشاعت کی اور کچھ لوگوں نے اس کی پیروی بھی کی۔‘ (۱) فرانسیسی مستشرق بلاشر نے یہ باور کرانے کی کوشش کی: ’قرآن کے بیان کردہ واقعات اور یہودی و مسیحی حکایات میں بڑی مشابہت پائی جاتی ہے۔ ابتدائی کئی سورتوں میں مسیحی اثرات بہت زیادہ نمایاں ہیں اور انجیل کے غیر تسلیم شدہ نسخوں خصوصاً کتاب پیدائش جو اس زمانے میں عام تھی اور قرآن کے بیان کردہ واقعات میں مشابہت موجود ہے۔ بانی اسلام اور مسیحی راہبوں کے درمیان مکہ میں تعلقات استوار تھے۔‘ (۲) ’قلب ایرلنگی‘ متضاد رائے کا اظہار کرتے ہوئے لکھتا ہے: ’محمد کی مکہ میں اکثر یہودیوں سے ملاقات ہوتی رہتی تھی۔ محمد اپنے خادم زید سے جو عیسائیوں کا غلام رہ چکا تھا، یہودی اور مسیحی مذاہب کے بارے میں استفسار کی غرض سے سوالات کیا کرتے تھے۔ وہ اپنے خادم سے زیادہ سمجھ دار تھے۔ مدینہ میں محمد یہودیوں کے شاگرد رہے۔ یہودیوں ہی نے یہ

شخصیت تیار کی تھی۔ یہودیوں اور مسیحیوں میں جو داستانیں مشہور تھیں جبرئیل ان سب کو محمد کے سامنے بیان کر دیا کرتے تھے۔ (۳) جب کہ ’گولڈ زیہر‘ کے مطابق: ’نبی عربی کا پیغام دراصل ان مذہبی خیالات اور معلومات کا منتخب خلاصہ تھا جو آپ کو یہودی اور عیسائی حلقوں سے روابط کی بنا پر حاصل ہوئیں۔ ان خیالات سے آپ بہت زیادہ متاثر ہوئے اور دل میں خیال پیدا ہوا کہ ان کے ذریعہ اپنے ہم وطنوں میں سچے مذہبی جذبات کو بیدار کیا جاسکتا ہے۔ یہ بیرونی تعلیمات آپ کے وجدان میں سرایت کر گئیں اور آپ سمجھنے لگے کہ رضائے الہی کے مطابق ان کے ذریعہ انسانی زندگی کو ایک رنگ دیا جاسکتا ہے۔ محمد اس قسم کے خیالات سے اس قدر متاثر ہوئے کہ وہ آپ کا عقیدہ بن گئے، لیکن آپ ان کو جوشی سمجھتے رہے۔ (۴) جارج سیل نے تو یہاں تک مفروضہ گھڑا ہے کہ ’قرآن کے مصنف یا اس کتاب کو اختراع کرنے والے محمد ہیں۔ اگرچہ اس بات کا غالب امکان موجود ہے کہ اس منصوبے میں ان کو دوسرے لوگوں سے جو مدد ملی وہ کم نہ تھی۔ جیسا کہ ان کے اہل وطن نے ان پر یہ اعتراض کرنے میں کوئی کوتاہی نہیں کی۔ البتہ ان کو اس قسم کی مدد مہیا کرنے والے مخصوص شخص کے تعین میں ان کے مفروضے باہم اتنے متضاد تھے کہ یوں محسوس ہوتا ہے کہ وہ محمد کے خلاف اس الزام کو ثابت نہ کر سکے، یہ فرض کیا جاسکتا ہے کہ محمد نے اس معاملے کو خفیہ رکھنے کے لیے اتنے عمدہ اقدامات کیے کہ ان کی وجہ سے اس راز کا انکشاف ممکن نہ تھا۔ (۵)

اس طرح کے نہ معلوم کتنے اعتراضات ہیں جو مستشرقین اور مغربی دانشوروں نے قرآن کے کلام الہی ہونے کے سلسلے میں کئے ہیں اور ہنوز یہ سلسلہ جاری ہے۔ عیسائیوں کے عظیم پیشوا ہوں یا یہودیت کے علم بردار، یا پھر مستشرقین کا گروہ سب نے قرآن کو موضوع بحث بنایا ہے۔ اس کام کو بہتر طریقے سے انجام دینے کے لیے ان لوگوں نے باضابطہ عربی زبان و ادب کو سیکھا اور اسلامی علوم کا مطالعہ کیا۔ (۶)

قرآن مجید اللہ کی نازل کردہ کتاب ہے

کفار مکہ قرآن کو نہ کلام الہی مانتے تھے اور نہ ہی قرآن جیسی کوئی کتاب یا سورت یا چند آیات پیش کرنے پر قدرت رکھتے تھے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دل کی کدورت کا بھاڑا پھوڑ دیا اور انہیں کلام الہی کا یقین دلاتے ہوئے فرمایا:

أَمْ يَقُولُونَ تَقْوَاهُ ۚ بَلْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿٣٣﴾ فَلْيَأْتُوا بِحَدِيثٍ مِثْلِهِ إِنْ كَانُوا صَادِقِينَ ﴿٣٤﴾
(الطور: ۳۳-۳۴)

”کیا یہ کہتے ہیں کہ اس شخص نے یہ قرآن خود گڑھ لیا ہے، اصل بات یہ ہے کہ یہ ایمان لاتا نہیں چاہتے، اگر یہ اپنے اس قول میں سچے ہیں تو اسی شان کا ایک کلام بنالائیں۔“

کفار کہہ کے مقاصد کی تکمیل نہ ہوئی تو آخر میں ان لوگوں نے یہ بات مشہور کی کہ نبیؐ جو کچھ کہتے اور جسے اللہ کا کلام بتاتے ہیں وہ جھوٹ ہے اور اصل یہ ہے کہ انہوں نے اہل کتاب کے فلاں فلاں عالموں سے اخذ کیا ہے اور انہیں کے سکھانے پڑھانے پر یہ کلام پیش کر رہے ہیں۔ (۷) کفار کی اس دروغ گوئی اور بہتان تراشی کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ هَذَا إِلَّا إِفْكٌ افْتَرَاهُ وَأَعَانَهُ عَلَيْهِ قَوْمٌ آخَرُونَ ۖ فَقَدْ جَاءُوا ظُلْمًا وَزُورًا ﴿٦٠﴾ وَقَالُوا آسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ۚ اٰكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلَىٰ عَلَيْهِ بُكْرَةً ۖ وَأَصِيلًا ﴿٦١﴾ قُلْ أَنزَلَهُ الَّذِي يَعْلَمُ السِّرَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۚ إِنَّهُ كَانَ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴿٦٢﴾
(الفرقان: ۶۰-۶۲)

”جن لوگوں نے نبیؐ کی بات ماننے سے انکار کر دیا ہے وہ کہتے ہیں کہ یہ فرقان ایک من گھڑت چیز ہے، جسے اس شخص نے آپؐ ہی گھڑ لیا ہے اور کچھ دوسرے لوگوں نے اس کام میں اس کی مدد کی ہے۔ بڑا ظلم اور سخت جھوٹ ہے جس پر یہ لوگ اترا آئے ہیں۔ کہتے ہیں یہ پرانے لوگوں کی لکھی ہوئی چیزیں ہیں جنہیں یہ شخص نقل کراتا ہے اور وہ اسے صبح و شام سنائی جاتی ہے۔ اے نبیؐ ان سے کہو کہ اسے نازل کیا ہے اس نے جو زمین اور آسمانوں کا ہمد جانتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ بڑا غفور رحیم ہے۔“

ایک اور مقام پر اسی بات کو مختصر انداز میں اس طرح بیان کیا گیا ہے:

ثُمَّ تَوَلَّوْا عَنْهُ وَقَالُوا مُعَلَّمٌ مَّجْنُونٌ ﴿١٣﴾
(الدخان: ۱۳)

”پھر انہوں نے رسولؐ کی طرف سے منہ پھیر لیا اور کہنے لگے یہ تو سکھایا ہوا مجنون ہے۔“

عربی الہامی اور آفاقی زبان ہے۔ جس انداز اور سلیقے سے اہل عرب اسے بولتے ہیں عجمی اس طرح نہیں بول سکتے۔ چنانچہ کفار و مشرکین کا ایک اعتراض یہ بھی تھا کہ یہ کتاب عربی زبان میں ہی کیوں نازل ہوئی۔ کسی عجمی زبان میں نازل ہوتی تو واقعی ہم سمجھتے ہیں کہ یہ کتاب محمدؐ پر نازل ہوئی ہے۔ ان کے اس اعتراض کا بھی جواب اللہ تعالیٰ نے دیا ہے۔ چنانچہ فرمایا گیا:

وَ اِنَّهٗ لَنَزْلٌ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ نَزَلَ بِهٖ الرُّوْحُ الْاَمِیْنُ ۝ عَلٰی قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِیْنَ ۝ بِلِسَانٍ عَرَبِیٍّ مُّبِیْنٍ ۝ وَ اِنَّهٗ لَفِی زُبْرِ الْاَوَّلِیْنَ ۝ اَوْلَمَ یَكُنْ لَهُمْ اٰیَةٌ اَنْ یُعَلِّمَهُ عَلٰمُوْا بَنِیْ اِسْرَآءِیْلَ ۝ وَ لَوْ نَزَّلْنٰهٗ عَلٰی بَعْضِ الْاَعْجَمِیْنَ ۝ فَقَرَّاهُ عَلَیْهِمْ مَا كَانُوْا بِهٖ مُّؤْمِنِیْنَ ۝
(اشعراء: ۱۹۲-۱۹۹)

”یہ رب العالمین کی نازل کردہ چیز ہے۔ اسے لے کر تیرے دل پر امانت دار روح اتری ہے، تاکہ تو ان لوگوں میں شامل ہو جو (خدا کی طرف سے خلق کو) متنبہ کرنے والے ہیں۔ صاف صاف عربی زبان میں۔ اور اگلے لوگوں کی کتابوں میں بھی یہ موجود ہے۔ کیا ان (اہل مکہ) کے لیے یہ کوئی نشانی نہیں ہے کہ اسے علانی بنی اسرائیل جانتے ہیں۔ (لیکن ان کی ہٹ دھرمی کا حال تو یہ ہے کہ) اگر ہم اسے کسی عجمی پر بھی نازل کر دیتے (اور یہ فصیح عربی کلام) وہ ان کو پڑھ کر سنا تا تب بھی یہ مان کر نہ دیتے۔“

قرآن کا دعویٰ کہ وہ کلام الہی ہے

جب نبیؐ کی بعثت ہوئی اور آپؐ نے تبلیغ اسلام کا فریضہ انجام دیا تو جن کے دل پہلے سے حق کو قبول کرنے کے لیے تیار تھے وہ بغیر کسی تذبذب کے آپؐ کی رسالت پر ایمان لے آئے۔ مثلاً حضرت خدیجہؓ، حضرت ابوبکرؓ، حضرت علیؓ، حضرت زید بن حارثہؓ اور دوسرے صحابہ۔ ایسی بات نہ تھی کہ ان کے قبول اسلام کا اثر معاشرہ پر نہ پڑا ہوگا اور ان کی رغبت کسی نہ کسی درجہ میں اسلام سے نہ ہوئی ہوگی۔ مگر چونکہ ایسا کرنے سے ان کے مفادات مجروح ہو رہے تھے، اس لیے سرے سے انہوں نے نبوت کا انکار کر دیا اور قرآن کی مخالفت کرنے لگے۔ جس طرح سے

انہوں نے کلام الہی کی تکذیب کی، سب کا ذکر قرآن میں موجود ہے۔ اللہ نے انہیں نبی کے ذریعہ ہر طرح سے سمجھانے کی کوشش کی۔ اس نصیحت کا ان پر اثر بھی ہوا، لیکن جن لوگوں نے اپنی ضد کو ہی سب کچھ سمجھا، اسے اللہ تعالیٰ نے حرف آخر کے طور پر قرآن کی صداقت کا بھی یقین دلایا اور ان کے سامنے دلائل کے انبار لگا دیے، تاکہ وہ خود فیصلہ کر سکیں کہ حقیقت کیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ لِلْعَالَمِينَ ۖ فَمَنْ اهْتَدَىٰ فَلِنَفْسِهِ ۖ
وَمَنْ ضَلَّٰ فَلِنَافْسِهِ ۚ وَمَا أَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيلٍ ﴿۳۱﴾
(الزمر: ۳۱)

”اے محمد، ہم نے تم پر یہ کتاب لوگوں کے لیے حق کے ساتھ نازل کی ہے۔ اب جو ہدایت قبول کرے گا اپنے ہی بھلے کے لیے کرے گا اور جو گمراہ ہوگا اس کا دباں بھی اسی پر ہوگا، تم اس کے ذمہ دار نہیں ہو۔“

وَإِنَّا لَنَنْزِلُكَ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿۳۲﴾ نَزَّلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ ﴿۳۳﴾ عَلَىٰ
قَلْبِكَ لِتَكُونَ مِنَ الْمُنْذِرِينَ ﴿۳۴﴾ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُبِينٍ ﴿۳۵﴾
(الشعراء: ۱۹۲-۱۹۵)

”اور بلاشبہ یہ رب العالمین کا نازل کردہ ہے، اسے لے کر ایک امانت دار روح اتری ہے، تاکہ تو ان لوگوں میں شامل ہو جو (خدا کی طرف سے خلق کو) متنبہ کرنے والے ہیں۔ صاف صاف عربی زبان میں۔“

قرآن کا چیلنج پوری دنیا اور قیامت تک کے لیے ہے

کفار مکہ نے قرآن کریم کو من گھڑت کلام کہا تو خود باری تعالیٰ نے انہیں اس بات کی اجازت دی کہ اگر واقعی تم اپنے دعوے میں سچے ہو اور تم بھی نبی کی طرح ایک انسان ہو، عقل و فہم رکھتے ہو، اپنی زبان دانی پر ناز ہے تو اس جیسا کلام پیش کر کے دکھاؤ۔ (القصاص: ۴۹، یونس: ۳۸) قرآن مجید کا یہ چیلنج مغربی دنیا کے لیے بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے معترضین کی درماندگی اور بے بسی کا بھی خیال رکھا۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا قانون ہے کہ وہ کسی پر اس کی استطاعت سے زیادہ بوجھ

نہیں ڈالتا۔ (البقرہ: ۲۸۶) اس لیے ان سے یہ بھی کہا کہ تم پوری کتاب تصنیف کرنے پر قدرت نہیں رکھتے تو پھر اس جیسی دس سورتیں ہی بنا کر پیش کر دو:

أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ ۚ قُلْ فَأْتُوا بِعَشْرِ سُوْرٍ مِّثْلِهِ مُفْتَرِيْنَ ۚ
ادْعُوا مَنِ اسْتَضَعْتُمْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۳﴾ (ہود: ۳)
”کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ تو غیبر نے یہ کتاب خود گڑھی ہے، کہو اچھا یہ بات ہے تو اس جیسی گڑھی ہوئی دس سورتیں بلاؤ اور اللہ کے سوا جس کو چاہو اپنی مدد کے لیے بلاؤ، اگر تم سچے ہو۔“

اللہ تعالیٰ نے ہر موقع پر کفار و مشرکین کی رعایت کی۔ مگر وہ کہیں بھی اپنے دعویٰ کے استحکام کے لیے دلیل پیش نہ کر سکے۔ چنانچہ اب اللہ تعالیٰ نے ان کے بے بسی اور کم زوری کا پردہ فاش کیا اور فرمایا:

قُلْ لِّمَنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَ الْاِنْجُ عَلٰی اَنْ يَّاتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا
الْقُرْاٰنِ لَا يَأْتُوْنَ بِمِثْلِهِمْ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظٰهِمِرًا ﴿۵﴾
(بنی اسرائیل: ۸۸)

”کہہ دو کہ اگر انسان اور جن سب کے سب مل کر اس قرآن جیسی کوئی چیز لانے کی کوشش کریں تو نہ لائیں گے، چاہے وہ سب ایک دوسرے کے مددگار ہی کیوں نہ ہوں۔“

قرآن کو کلام الہی سمجھنے کے باوجود انکار

کفار مکہ قرآن کے متعلق جو اعتراض کرتے تھے، وہ ان کی جہالت اور ہٹ دھرمی تھی۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ نبی کا دین پھلے پھولے۔ اس لیے انہوں نے اس کی مخالفت کی۔ باوجود اس کے کفار مکہ قرآن کے اعجاز و الفاظ سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ انہوں نے اسے شاعری، ساحری، من گھڑت، سیکھا سکھایا کلام، سابقہ کتابوں سے اقتباس، کیا نہیں کہا۔ مگر ای کلام ربانی کو سننے کے لیے بعض وقت وہ بے تاب ہو جاتے اور نہ چاہنے کے باوجود چھپ چھپا کر اسے سنتے تھے۔ محفل میں آتے تو مخالفت کرتے اس قرآن کو نہ سنو اور جب یہ پڑھا جائے تو شور و غل کرو۔ (احم السجدہ: ۲۶) مگر تنہائی میں قرآن کے الفاظ و معنی اور اعجاز پر غور کرتے تو یہی نتیجہ اخذ کرتے کہ

واقعی یہ اللہ کا کلام ہے، کسی انسان کا کلام نہیں۔

سفیان بن حرب، ابو جہل، اخنس بن شریق اور ابن وہب ثقفی کے متعلق یہ روایت ملتی ہے کہ یہ سب راتوں کو چھپ کر قرآن سنتے تھے اور جب واپسی میں کسی مقام پر ان کی ملاقات ہو جاتی تو ایک دوسرے پر لعنت و ملامت کرتے اور آئندہ کبھی قرآن نہ سننے کا وعدہ کرتے، مگر اگلی رات پھر یہی صورت حال پیش آتی۔ آخر میں ان لوگوں نے قرآن کے متعلق یہی فیصلہ کیا کہ واقعی یہ اللہ کا کلام ہے، کسی انسان کا نہیں ہے۔ پھر بھی ہم اس پر ایمان نہیں لائیں گے۔ (۸) دوسری طرف کفار مکہ کی مخالفت کا یہ عالم تھا کہ حج کے موقع پر ولید بن مغیرہ نے کفار کے معزز لوگوں کو جمع کیا اور کہا لوگو! حج کا زمانہ قریب ہے، یہاں باہر سے بہت سارے لوگ آئیں گے۔ چون کہ محمدؐ کی باتیں دور دور تک پھیل چکی ہیں، وہ ان کے متعلق معلومات حاصل کرنا چاہیں گے، اس لیے بہتر ہے کہ ہم سب کسی ایسی بات پر متفق ہو جائیں جسے سب یکساں طور پر بیان کریں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ اختلاف بیان کی وجہ سے وہ ہماری تکذیب کرنے لگیں اور اس طرح ہمارا وقار مجروح ہو جائے۔ لوگوں نے کہا اے سردار آپ معمر اور تجربہ کار ہیں، آپ ہی کوئی ایسی بات بتائیں جسے ہم لوگوں کے سامنے بیان کریں گے۔ ولید نے کہا پہلے تم لوگ اپنی اپنی باتیں بیان کرو کہ کیا کہو گے۔ اگر وہ غیر مناسب ہوئیں تو ہم بتائیں گے۔ چنانچہ ان میں سے ایک نے کہا کہ ہم انہیں کاہن کہیں گے۔ اس کا رد کرتے ہوئے ولید نے کہا ایسی بات نہیں ہے وہ کاہن نہیں ہیں، میں نے کاہنوں کا کلام دیکھا ہے، ایسی اثر آفرینی کاہن کے کلام میں نہیں ہوتی۔ دوسرے نے کہا ہم اسے مجنون کہیں گے۔ اس کے جواب میں ولید نے کہا وہ مجنون بھی نہیں ہیں، ہم پاگلوں کے کلام سے خوب واقف ہیں، محمدؐ کی باتیں نہیں کرتا ہے اور نہ غیر شائستہ حرکات کا ارتکاب کرتا ہے۔ پھر لوگوں نے کہا ہم اسے شاعر کہیں گے۔ ولید نے کہا وہ شاعر بھی نہیں ہیں، ہم شاعروں کے کلام سے خوب واقف ہیں، ان کے کلام میں شاعری کی کوئی چیز نہیں۔ پھر لوگوں نے کہا ہم اسے جادوگر کہیں گے۔ ولید نے اس کی بھی نفی کی اور کہا کہ محمدؐ ایسا کوئی کام نہیں کرتے کہ ان پر جادوگر کا اطلاق کیا جاسکے۔ اب لوگوں نے کہا کہ اگر ایسا کچھ نہیں کہہ سکتے تو پھر اے سردار ہم ان کے متعلق کیا کہیں، آپ ہی بتائیں۔ اب ولید نے اپنا فیصلہ سنایا:

”اللہ کی قسم محمدؐ جو کلام پیش کرتے ہیں اس میں ایک طرح کی شیرینی ہے اور اس کی

جڑیں پھیلی ہوئی اور مستحکم ہیں اور اس کی شاخیں شردار ہیں۔ ان میں سے جو باتیں تم کہو گے اس سے تمہارا جھوٹ واضح ہو جائے گا۔ ہاں صحت سے قریب بات جو تم محمدؐ کے بارے میں کہہ سکتے ہو وہ یہ کہ تم ان کے بارے میں یہ کہو کہ یہ شخص جادوگر ہے اور جادو بھرا کلام لے کر آیا ہے جس کے ذریعے وہ اپنوں کو اپنوں سے بیگانہ اور خان دان کو خان دان سے جدا کر دیتا ہے۔“ (۹)

ایک مرتبہ نبی اکرمؐ حرم میں ایک طرف تنہا بیٹھے ذکر اللہ میں مشغول تھے۔ عتبہ بن ربیعہ سرداران قریش سے مشورہ کرنے کے بعد حضورؐ کی خدمت میں پہنچا اور اپنا مدعا ظاہر کیا اور یہ پیش کش بھی کی کہ اس کے عوض آپؐ جو کچھ بھی طلب کریں ہم پورا کر دیتے ہیں۔ اس کی گفتگو کو سننے کے بعد آپؐ نے سورہٴ قلم سجدہ کی تلاوت فرمائی۔ عتبہ اسے بغور سنتا رہا، یہاں تک کہ نبیؐ جب آیت سجدہ پر پہنچے تو سجدہ کیا۔ پھر آپؐ نے فرمایا: اے ابوالولید آپؐ نے میری باتوں کو سن لیا، اب آپؐ جانیں اور وہ لوگ۔۔۔ عتبہ وہاں سے اٹھا اور سیدھا قریش کی مجلس میں پہنچا۔ اسے دیکھتے ہی لوگوں نے کہا، عتبہ وہ نبیر ہے جو محمدؐ کے پاس جاتے وقت تھا۔ لوگوں نے کہا عتبہ بتاؤ کیا خبر لائے ہو۔ اس نے کہا:

”میں نے ایسی بات سنی ہے کہ واللہ کبھی نہیں سنی، واللہ وہ نہ شعر ہے، نہ جادو اور نہ کہانت۔ اے گردہ قریش میری بات سنو اور اس کام کو میری رائے کے موافق کرو، اس شخص کو اسی کی حالت پر چھوڑ دو اور اس سے الگ رہو، کیوں کہ واللہ اس کی جو بات میں نے سنی ہے اسے بڑی اہمیت حاصل ہوگی۔ اگر عربوں نے اس کا خاتمہ کر دیا تو سمجھ لو انہوں نے تمہیں اس سے بے نیاز کر دیا اور اگر اس نے عربوں پر غلبہ حاصل کر لیا تو اس کی حکومت تمہاری حکومت ہوگی، اس کی عزت تمہاری عزت ہوگی۔“ (۱۰)

ان واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار و مشرکین قرآن کو اللہ کا کلام مانتے تھے۔ مگر ایک ضد تھی جسے تعارف جاہلانہ کہا جاسکتا ہے کہ اس کا بہر حال انکار کرنا ہے، تاکہ نبیؐ اپنے انبیائی مشن سے باز آجائیں۔ (۱۰)

تمام کوششوں کے باوجود قرآن کا بدل تیار نہ کر سکے

کفار مکہ کے سامنے جب خود باری تعالیٰ نے چیلنج کیا کہ تم اس جیسا کلام پیش کرو

تو انہوں نے اپنے طور پر اس کا جواب تیار کرنے کی کوشش کی۔ بڑی مشکل سے طویل سورتوں کے بجائے مختصر سورتیں تحریر کیں۔ پھر بھی ان کی یہ سعی نامبارک صرف جگ ہنسائی کا موجب اور فضیحت و رسوائی کا سامان ہوئی۔

عرب کے مشہور شاعر لبید بن ربیعہ کو اپنی زبان دانی اور مقفی و مسجع کلام کہنے پر بڑا ناز تھا۔ ایک مرتبہ اس کے کلام کا کچھ حصہ لوگوں نے خانہ کعبہ میں لٹکا دیا۔ اس کے کچھ ہی دن بعد کسی مسلمان نے قرآن مجید کی چند آیات لکھ کر اس کے برابر میں لٹکا دیں۔ دوسرے دن اس کا گزر ادھر سے ہوا تو دیکھا کہ میرے کلام کے بغل میں کسی کی تحریر لٹکی ہوئی ہے۔ وہ قریب گیا اور قرآنی آیات کو بار بار پڑھنے لگا۔ بالآخر وہ اس نتیجہ پر پہنچا کہ یہ کسی انسان کا کلام نہیں ہو سکتا۔ جب وہ اسلام کی دولت سے مالا مال ہو گئے اور خلافت فاروقی کا زمانہ آیا تو حضرت عمرؓ نے شعر کہنے کو کہا۔ اس پر انہوں نے کہا سورہ بقرہ اور سورہ آل عمران کی آیات کے سامنے سارے شعر بے وزن معلوم ہوتے ہیں۔ (۱۲) یعنی اب شعر و شاعری میں کوئی مزہ ہی نہ رہا۔

ابو محمد بن مسلم نحوئی فرماتے ہیں کہ ایک دن ہم لوگ اعجاز قرآن پر گفتگو کر رہے تھے۔ ایک عمر رسیدہ اور صاحب کمال شخص میرے قریب بیٹھا تھا۔ اس نے کہا قرآن مجید میں ایسی کوئی امتیازی خوبی اور اعجازی شان نہیں کہ فضلاء اس کو اپنے کلام میں پیدا نہ کر سکیں۔ اس نے وعدہ کیا ایسا کلام میں تین دن میں تیار کر سکتا ہوں۔ یہاں تک کہ وہ اپنے مطالعہ کے کمرے میں اس کام کو انجام دینے کے لیے کے بیٹھ گیا۔ تین دن بعد لوگوں کو تجسس ہوا کہ آخر کیا وجہ ہے کہ اس نے حسب وعدہ اب تک قرآن کا بدل تیار کر کے پیش نہیں کیا۔ لوگ اس کا حال دریافت کرنے کے لیے گئے۔ دیکھا کہ وہ آدمی دیوار سے ٹیک لگائے خشک تنے کے مانند بیٹھا ہے، اس کا قلم گھس چکا ہے اور سیاہی خشک ہو چکی ہے اور پھٹے ہوئے کاغذوں کا ڈھیر اس کے گرد جمع ہے۔ (۱۳) بعد کے عہد میں بھی کچھ لوگوں نے اس طرح کی ناکام کوششیں کی ہیں، ان میں عبد اللہ ابن مقفع کا نام مشہور ہے۔ مگر تمام ہی لوگ ناکام ہوئے اور آخر میں یہی فیصلہ کیا کہ کلام الہی کے مماثل دوسرا کلام تیار نہیں کیا جاسکتا۔ یہ باتیں اس کی صداقت اور منزل من اللہ ہونے کی دلیل ہے۔ ابن جوزیؒ لکھتے ہیں:

”اگر یہ اطمینان اور تسلی کرنا چاہو کہ قرآن مجید نبی اکرمؐ کا اپنا ذاتی کلام نہیں ہے، بلکہ صرف اور صرف وحی الہی ہے جو ان پر نازل کی گئی ہے تو آپؐ کا کلام اقدس حدیث مبارک میں دیکھو، اس میں اور کلام مجید میں کتنا فرق ہے اور دونوں کلاموں اور ان کے اسلوب بیان اور انداز کلام میں کتنا واضح اور بین تفاوت ہے اور یہ امر ناقابل تردید حقیقت ہے کہ ایک ہی شخص خواہ جتنی بھی اسلوب میں تبدیلی اور تغیر کی کوشش کرے لامحالہ تشابہ اور قائل پایا جائے گا اور بالکل بتائیں و تغایر کا پایا جانا ممکن نہیں ہوگا، حالاں کہ اس حضرتؐ کے کلمات طیبات میں سے ایک کلمہ بھی قرآن مجید کے مشابہ نہیں ہے۔“ (۱۳)

قرآن نے کفار مکہ کے دلوں کی دنیا بدل دی

کفار مکہ کو کلام الہی کی بے وقعتی ثابت کرنے کی دھن تھی، اس لئے اوٹ پٹانگ باتیں جو ذہن میں آجاتیں کہہ دیتے تھے۔ لیکن سب نے دیکھا کہ اسی کلام الہی کے سامنے بالآخر وہ سجدہ ریز ہوئے۔ بلکہ عرب کے جتنے بڑے بڑے لوگ تھے اور جن کا شمار خطباء، شعر اور انشا پر دازوں میں ہوتا تھا، قرآن کی تعلیمات سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔

حضرت عمرؓ شروع میں اسلام کے شدید ترین دشمن تھے۔ نعوذ باللہ ایک دن محمدؐ کے قتل کا ارادے سے نکلے، راستے میں خبر ملی کہ ان کے بہن اور بہنوئی اسلام لاپچکے ہیں۔ اس خبر نے تھوڑی دیر کے لیے ان کے ارادہ کو ملتوی کر دیا۔ بہن کے گھر پہنچے تو دیکھا کہ اندر قرآن کی تلاوت کی جا رہی ہے۔ بہن اور بہنوئی سے تھوڑی دیر گرما گرمی رہی، اس کے بعد عمرؓ کے اندر داعیہ پیدا ہوا کہ ہم نے ان لوگوں کے ساتھ جو نازیبا حرکت کی ہے، واقعی وہ اس کے مستحق تھے بھی کہ نہیں۔ آخر میں انہوں نے بہن سے کہا کہ وہ چیز مجھے سناؤ جس کی تم تلاوت کر رہی تھی۔ بہن نے سورہ طہ کی تلاوت کی۔ ابھی چند آیتوں کی ہی تلاوت ہوئی تھی کہ دل پانی پانی ہو گیا اور اسلام قبول کرنے کے لیے بے چین ہو گئے۔ خدمت اقدسؐ میں حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہوئے۔ (۱۵)

حضرت ابوذر غفاریؓ نے پہلے اپنے بھائی کو بھیجا کہ وہ حضورؐ کے حال کی تحقیق کر کے آئیں۔ ان کے بھائی کا شمار عرب کے باکمال شعرا میں ہوتا تھا۔ انہوں نے حضورؐ کے کلام کو سن کر اپنے بھائی سے کہا ابوذرؓ لوگ ان کو کاہن و شاعر کہتے ہیں، لیکن ان میں ایسی کوئی چیز نہیں۔ اس کے

بعد حضرت ابوذر غفاریؓ آئے اور کلام الہی کو سننے کے بعد اسلام قبول کر لیا۔ ان کے اسلام قبول کرتے ہی آدھا قبیلہ اسی وقت مسلمان ہو گیا۔ (۱۶) حضرت عثمان بن مظعونؓ کے قبول اسلام کا واقعہ بھی سورہ نحل کی آیتیں سننے کے بعد پیش آیا۔ جس مجلس میں حضرت عثمانؓ نے اسلام قبول کیا اسی مجلس میں عبیدہ بن جراحؓ، عبدالرحمن بن عوفؓ اور ابوسلمہؓ نے بھی اسلام قبول کیا۔ (۱۷) جبیر بن مطعمؓ نے حالت کفر میں آں حضرت کو سورہ طور پڑھتے سنا، جب آیت ۳۵-۳۷ پر پہنچے تو خود جبیر کا بیان ہے کہ مجھ کو یہ معلوم ہوتا تھا کہ میرا دل اڑنے لگا۔ (۱۸) طفیل بن عمروؓ کو کفار مکہ نے اس حد تک ورغلا یا کہ انہوں نے کانوں میں کپڑا ٹھونس لیا کہ مبادا محمدؐ کی آواز میرے کانوں تک نہ پہنچے۔ لیکن اتفاقاً مسجد حرام سے گزرے تو دیکھا کہ محمدؐ نماز پڑھ رہے ہیں، نہ چاہنے کے باوجود انہوں نے کلام الہی کو سنا اور اس سے اس قدر متاثر ہوئے کہ بالآخر اسلام قبول کر کے ہی اپنے گھر لوٹے اور اپنے باپ اور بیوی کو بھی مسلمان بنا لیا۔ (۱۹) خالد عدوانیؓ جو طائف کے رہنے والے تھے، انہوں نے ایک موقع سے سورہ طارق سنی تو اس قدر متاثر ہوئے کہ حالت کفر میں پوری سورہ یاد کر لی، بعد میں اسلام قبول کیا۔ (۲۰) طائف سے ناامید ہو کر آپؐ لوٹ رہے تھے تو ایک باغ میں پہنچے وہاں ایک نصرانی غلام رہتا تھا، اس نے کھجور کے خوشے آپؐ کو دیے تاکہ آپؐ اپنی بھوک کی شدت ختم کریں۔ آپؐ نے اسے تناول فرمایا تو پہلے بسم اللہ پڑھا، غلام آپؐ کی صورت دیکھنے لگا اور کہا واللہ یہ بات تو ایسی ہے کہ یہاں کی بستیوں کے لوگ نہیں جانتے۔ اس کے بعد کچھ گفت و شنید ہوئی، آپؐ کی باتوں سے وہ اس قدر متاثر ہوا کہ وہ آپؐ کا سر، ہاتھ اور پاؤں چومنے لگا۔ (۲۱) حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنے گھر کے ایک کونے میں ایک مسجد بنائی تھی، اس میں وہ نماز ادا کیا کرتے تھے، نماز میں بلند آواز سے قرآن کی قرأت کرتے تھے، جس کو سننے کے لیے محلہ کے نوجوان، بچے، بوڑھے، عورت مرد سب جمع ہو جاتے اور آپؐ کی اس ہیئت و کیفیت کو حسرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ قریش کے چند نوجوانوں کو یہ منظر ایک آنکھ نہ بھایا، انہوں نے حضرت ابوبکرؓ کو منع کیا اور کہا کہ تم بلند آواز سے قرآن کی تلاوت نہ کرو، ہمیں خوف ہے کہ کہیں یہ لوگ اسلام میں نہ داخل ہو جائیں۔ (۲۲) انصار جب اول اول مقام عقبہ میں اسلام لائے تو قرآن کی اثر انگیزی سے متاثر ہوئے اور اسلام لائے۔ (۲۳) نجاشی شاہ حبشہ بھی قرآنی آیات سن کر اسلام سے حد درجہ متاثر ہوا۔ (۲۴) اسی طرح حبشہ کے ہی کوئی ۲۰ عیسائی حضرت

محمدؐ کی نبوت کی شہرت سن کر مکہ تشریف لائے اور بارگاہ نبویؐ میں حاضری دی، اللہ کے رسولؐ نے ان کے سامنے قرآن مجید کی آیت تلاوت کی تو وہ اس سے بہت متاثر ہوئے اور اسی وقت اسلام لے آئے۔ ان کے اس عمل پر ابو جہل بن ہشام اور دوسرے قریشی لوگوں نے ان کو لعنت و ملامت کی، اس کے جواب میں انہوں نے کہا تم اپنے دین پر ہو، ہم اسلام پر ہیں اور جہالت میں ہم تمہارا مقابلہ کرنا نہیں چاہتے۔ (۲۵)

قرآن مجید حضورؐ کا کلام ہوتا تو اس میں ان کی گرفت نہ ہوتی

نبی اکرمؐ کو کلام الہی کا پتلا مبر بنا کر بھیجا گیا تھا، آپ سے پہلے بھی جتنے انبیاء آئے ان کا بھی نہیں کام تھا۔ وہ اپنی طرف سے اس میں کچھ بھی حذف و اضافہ نہیں کر سکتے تھے اور نہ ایسی بات پیش کرنے کے مجاز تھے جو نشتائے الہی کے خلاف ہو۔ نبی اکرمؐ کے متعلق جو اعتراضات کیے گئے منسوب کی گئیں، اس کی تردید کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضُ الْأَقَاوِيلِ ۖ لَأَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِينِ ۖ ثُمَّ

لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِينَ ۖ فَمَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ عَنْهُ حَاجِزِينَ ۝

(الحاقة: ۳۳-۳۷)

”اور اگر یہ (نبی) خود گھڑ کر کوئی بات ہماری طرف منسوب کر دیتا تو ہم دائیں ہاتھ سے

پکڑ کر اس کی رگ گردن کاٹ دیتے، پھر تم میں سے کوئی اس میں حائل ہونے والا نہ ہوتا۔“

قرآن مجید کے الہامی کتاب ہونے کی بڑی واضح دلیل یہ بھی ہے کہ اس میں کئی مقامات پر براہ راست حضورؐ کی بعض چیزوں کے تعلق سے گرفت کی گئی ہے اور انہیں ایسا کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ مثلاً آپ کے چچا ابوطالب قریب المرگ تھے۔ آپ آخر وقت میں ان سے کہتے ہیں کہ چچا اب بھی وقت ہے میری نبوت کا اقرار کر لیجئے میں قیامت میں آپ کی سفارش کا مجاز ہو جاؤں گا۔ یہاں تک کہ ان کا انتقال ہو گیا۔ اس کا آپ کو بہت قلق ہوا۔ نبیؐ کے اس فعل پر اللہ تعالیٰ نے خبردار کیا اور فرمایا اے نبیؐ، تمہارا کام حق کو پہنچا دینا ہے، کون ہدایت قبول کرے گا اور نہ کرے گا، اس کی ذمہ داری آپ پر نہیں ہے۔ (القصص: ۵۶) اسی طرح ایک موقع پر آپ نے اپنے اوپر شہد حرام کر لیا تھا۔ اس وقت اللہ نے فرمایا: جس چیز کو اللہ نے حلال کر دیا ہے، اسے آپ

حرام نہیں کر سکتے۔ (البحریم: ۱) منافقین کے سردار عبداللہ بن ابی کی نماز جنازہ پڑھانے کے ارادے پر اللہ نے آپ سے فرمایا: تم ان کی استغفار کی دعا کرو گے بھی تو ایسے منافقین کو بخشا نہ جائے گا۔ (التوبہ: ۸۰) اسی طرح کئی زندگی کے ابتدائی سالوں میں آپ بعض سرداران قریش کو اللہ پر ایمان لانے کی تلقین کر رہے تھے اور ان سے کچھ بہتر توقع رکھتے تھے کہ اچانک ایک نابینا صحابی حضرت ابن ام مکتوم وہاں پہنچ گئے۔ ایسے وقت میں ان کا یہاں آنا حضور کو ناگوار معلوم ہوا۔ اللہ نے فوراً آپ کی گرفت کی، جس کی تفصیل 'سورہ عبس' میں موجود ہے۔ اتنی سخت گرفت کا تذکرہ کوئی مصنف اپنی کتاب میں نہیں کر سکتا ہے۔ وہ کوئی کتاب تحریر کرتا ہے تو اس کی پوری کوشش ہوتی ہے کہ اس میں کوئی ایسی بات نہ آنے پائے جو قابل اعتراض ہو۔ خاص طور پر اپنی ذات کے متعلق اس طرح کی باتوں کا ذکر مصنف کی تصنیف کو مجروح ہی کرے گا نہ کہ مقبول۔

عرب کے ماحول میں قرآن کی تصنیف ناممکن تھی

قرآن کریم میں بہت سے ایسے واقعات بیان ہوئے ہیں جن کا تعلق گزشتہ قوموں اور امتوں سے ہے۔ اس کا ذکر سابقہ آسمانی کتابوں میں بھی نہیں ملتا۔ ان آسمانی کتابوں کے عالموں اور اس مذہب کے راہبوں کے حافظہ میں وہ باتیں کہاں سے آسکتی تھیں جن کے بارے میں ان لوگوں نے کسی کتاب میں نہیں پڑھا اور نہ کسی سے سنا۔ اگر رسول امی نے اہل کتاب سے جو باتیں سیکھیں جیسا کہ کفار و مشرکین باور کراتے تھے اور جیسا کہ مستشرقین کا دعویٰ ہے تو وہ وہیں تک محدود رہتیں۔ اس سے آگے بڑھ کر قرآن میں جو حقائق بیان ہوئے ہیں وہ کہاں کی پیداوار ہیں۔ اسی کے ساتھ قرآن تمام سابقہ آسمانی کتابوں کی تصدیق بھی کرتا ہے۔ یقیناً اس کے پیچھے کوئی ایسی ہستی ضرور ہے جو عظیم و خیر اور قادر مطلق ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم کی تلاوت کے دوران ایسے واقعات سامنے آتے ہیں جو چونکا دینے والے ہیں۔ اب لاحالہ ذہن اس بات کی طرف مائل ہوتا ہے کہ ایسا جامع کلام پیش کرنے والا انسان نہیں ہو سکتا اور عرب کے ماحول میں ایسی کتاب کی تصنیف ممکن بھی نہ تھی، جیسا کہ عبدالقادر جیلانی لکھتے ہیں:

”یہ مسئلہ اس وقت تک حل طلب ہی رہے گا جب تک کہ وحی الہی کو ذریعہ علم تسلیم نہیں کیا جاتا اور جو وحی کو اس کا ذریعہ تسلیم کر لیا جائے تمام مسائل خود بخود حل ہو جاتے ہیں کہ تمام صحف سماوی کا تعلق ایک ہی سرچشمہ ہدایت سے ہے، جس کے

باعث ان میں مماثلت پائی جاتی ہے۔ قرآن میں عہد نامہ قدیم و جدید کے مذکور انبیاء کا تذکرہ اسی لیے بار بار ہوتا ہے کہ وہ بھی انسان اور عالم بالا کے درمیان واسطہ تھے۔ جس طرح پیشہ ور طبقے مثلاً مورخ، سائنس دان، اطباء، فلسفی، سب کے سب اپنے پیش رو مشابیر سے اپنا تعلق قائم رکھتے ہیں۔ اسی طرح اگر سلسلہ توحید میں یہی تعلق نظر آتا ہے تو اس میں حیرت کی کون سی بات ہے؟ کوئی بھی شخص جو کسی صحیفہ ساوی کا قائل ہو قرآن کے صحیفہ ساوی ہونے سے انکار نہیں کر سکتا۔ قرآن ہر پہلو سے دیگر صحف ساوی سے اعلیٰ وارفع ہے۔“ (۲۶)

یک بارگی قرآن کے نازل نہ ہونے سے کلام الہی کی نفی نہیں ہوتی

قرآن کریم کا نزول حسب ضرورت تھوڑا تھوڑا ہوا۔ جس وقت جیسی ضرورت درپیش تھی، اللہ تعالیٰ نے جبریلؑ کے ذریعہ محمدؐ پر نازل کیا۔ اس پر کفار مکہ کہتے کہ اگر یہ اللہ کا کلام ہوتا تو پورا کا پورا ایک ہی بار مکمل کتاب کی شکل میں نازل ہوتا۔ محمدؐ کو جس دن جتنی آیات یاد اور محفوظ ہو جاتی ہیں، اسے دوسروں تک پہنچاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کا کلام ہے جسے فرشتے لے کر آیا ہے۔ حالاں کہ ایسا کرنے کی مصلحت کیا تھی وہ سب پر واضح ہے۔ اگر کلام الہی یک بارگی نازل ہو جاتا تو یہ ایک بارگراں ہوتا، جس سے استفادہ مشکل ہو جاتا۔ ان کے اس الزام اور اعتراض کا ذکر کر کے اس کا جواب قرآن میں اس طرح دیا گیا ہے اس کی حکمت و مصلحت کو بھی بیان کر دیا گیا:

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ لَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْآنُ جُمْلَةً وَاحِدَةً ۖ
 كَذَلِكَ لِنُثَبِّتَ بِهِ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنَاهُ تَرْتِيلًا ۝ وَلَا يَأْتُونَكَ
 بِمَثَلٍ إِلَّا جِئْنَاكَ بِالْحَقِّ وَأَحْسَنَ تَفْسِيرًا ۝ (الفرقان: ۳۲-۳۳)

”مکفرین کہتے ہیں اس شخص پر سارا قرآن ایک ہی وقت میں کیوں نہ اتار دیا گیا؟ ہاں ایسا اس لیے کیا گیا ہے کہ (اے نبیؐ) اس کو اچھی طرح ہم تمہارے ذہن نشین کرتے رہیں اور (اسی غرض کے لیے) ہم نے اس کو ایک خاص ترتیب کے ساتھ الگ الگ اجزا کی شکل دی ہے اور (اس میں یہ مصلحت بھی ہے) کہ جب کبھی وہ تمہارے سامنے کوئی نرالی بات (یا عجیب سوال) لے آئے، اس کا ٹھیک جواب بروقت ہم نے تمہیں بتا دیا اور بہترین طریقے سے بات کھول دی۔“

قرآن ایک عظیم معجزہ اور جملہ علوم و فنون کا مجموعہ ہے

اپنے تجربات و مشاہدات اور علمی تحقیقات کو دوسروں تک منتقل کرنے کا کام ہر زمانے میں لوگوں نے انجام دیا ہے۔ ہم اس کا صحیح طور سے احاطہ نہیں کر سکتے۔ انسانی زندگی اور اس کی ضرورت کا کون سا ایسا گوشہ ہے جسے موضوع بحث نہ بنایا گیا ہو۔ لیکن جب یہ چیزیں منظر عام پر آئیں تو اس میں تفنگی اور کمی پائی گئی ہے۔ اس کے برخلاف ۱۱۴ چھوٹی بڑی سورتوں پر مشتمل کتاب قرآن کریم اتنی جامع اور مکمل ہے کہ اس میں دنیا کی ہر چیز کو کھول کھول کر بیان کر دیا گیا ہے۔ جملہ افکار و خیالات کی نشان دہی کر دی گئی ہے، روز و شب گزارنے کے اصول بیان کر دیے گئے ہیں، حق و باطل اور حرام و حلال کو واضح کر دیا گیا ہے، جزا و سزا کا مدار متعین کر دیا گیا ہے، آئندہ رونما ہونے والے واقعات و تغیرات سے پردہ اٹھایا گیا ہے، پچھلی امتوں اور نبیوں و رسولوں کے احوال و کوائف سے بھی روشناس کر دیا گیا ہے۔ گویا کہ دنیا کی ہر چیز کا اس میں اجمالی یا تفصیلی ذکر ہے اور چشم بصیرت رکھنے والوں کے لیے عبرت و نصیحت بھی ہے۔ اس کا ایک ایک جملہ اتنا چھٹلا اور ادبیت و اعجاز سے لبریز ہے کہ اگر آدمی اس کی تفسیر و تعبیر کے لیے قلم اٹھائے تو وہ اس کا حق ادا نہیں کر سکتا۔ یہ باتیں خود اس بات کی دلیل ہیں کہ یہ انسانی کلام نہیں ہے۔ بھلا ایک 'امی' اتنی جامع کتاب کیسے تصنیف کر سکتا ہے جس نے اپنے زمانہ آغاز سے لے کر آج تک دنیا میں ہلچل مچا رکھی ہے۔ لہذا اس عظیم کتاب کو ایک عظیم معجزہ کے طور پر ہی تسلیم کرنا چاہیے۔ خود نبی اکرمؐ نے فرمایا:

”پیغمبروں میں سے ہر پیغمبر کو اللہ تعالیٰ نے کچھ نہ کچھ معجزات عطا کیے، جسے دیکھ کر لوگ ایمان لائے۔ لیکن جو معجزہ مجھے عنایت کیا گیا وہ وحی (قرآن) ہے۔ جس کو اللہ نے مجھ پر اتارا ہے۔ اس لیے میں امید کرتا ہوں کہ قیامت کے دن میری اتباع کرنے والوں کی تعداد سب سے زیادہ ہوگی۔“ (۲۷)

قرآن کریم کی جامعیت کا اندازہ اس روایت سے بھی لگایا جاسکتا ہے:

”حارث الاعورؓ بیان کرتے ہیں کہ میں مسجد سے گزرا۔ میں نے دیکھا کہ لوگ بحث کر رہے تھے۔ میں حضرت علیؓ کے پاس گیا اور کہا امیر المؤمنین! کیا آپ نہیں دیکھ رہے ہیں کہ لوگ آپس میں مناظرہ کر رہے ہیں۔ فرمایا: کیا وہ ایسا ہی کرتے

ہیں؟ میں نے کہا: ہاں۔ حضرت علیؓ نے فرمایا: میں نے رسول اللہؐ سے سنا ہے کہ عنقریب فتنوں کا دروازہ کھل جائے گا۔ میں نے پوچھا کہ فتنوں سے بچاؤ کا راستہ کیا ہے؟ فرمایا: فتنوں سے بچانے والی چیز اللہ کی کتاب قرآن مجید ہے۔ یہ قرآن وہ کتاب ہے جس میں تم سے پہلی قوموں کی (ہدایت و ضلالت، عروج و زوال کی) خبریں موجود ہیں اور تمہارے بعد کی خبریں بھی (جو زندگی میں اس کے بعد موت کے وقت اور قبر و حشر میں تمہارے سامنے آنے والی ہیں)۔ اور اس میں ان تمام اختلافات اور جھگڑوں کا حل موجود ہے جو تمہارے درمیان پیدا ہو سکتے ہیں۔ یہ قرآن حق و باطل میں فیصلہ کرنے والی کتاب ہے۔ اس میں ایک چیز بھی ایسی نہیں جس کو فضول، بے کار اور بزل کہا جاسکے۔ یاد رکھو جو شخص اپنے غرور و شر کی وجہ سے قرآن شریف پر توجہ نہ دے گا، اللہ اسے پاش پاش کر دے گا اور جو کوئی اس قرآن سے ہٹ کر کہیں دوسری جگہ ہدایت و کامیابی اور خدا ترسی کی راہ ڈھونڈے گا، اللہ پاک اسے گم راہی کے غار میں ڈھکیل دے گا۔ یہ قرآن اللہ پاک کی مضبوط رسی ہے۔ یہ ایسی نصیحت ہے جس کی چٹنگی میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں اور یہی صراطِ مستقیم ہے۔ یہ وہ محکم اور مضبوط کتاب ہے کہ خواہشات کے پیچھے لگنے والے اس میں تبدیلی نہیں کر سکتے۔ یہ مقدس کتاب ہے جس کو مختلف زبانوں والے لوگ پڑھیں گے، مگر ان کی مختلف بولیوں کا اس پر کوئی اثر نہ پڑے گا۔ یہ وہ علمی خزانہ ہے جس کے حاصل کرنے سے قدردانِ علم سیراب نہیں ہوتے اور نہ کثرتِ تلاوت سے یہ کتاب پرانی ہوتی ہے۔ یہ وہ نادر کتاب ہے جس کے اند بیان کردہ عجائبات کی کوئی حد نہیں۔ ہاں یہی وہ کتاب ہے جسے سن کر جنات کو اقرار کرنا پڑا اور وہ کہنے لگے کہ ہم نے ایک عجیب کتاب سنی ہے جو یقیناً خدا کی الہام ہے، پس ہم اس پر ایمان لائے۔ یہ کتاب سراسر رشد و ہدایت کا خزانہ ہے۔ یہ وہ کتاب ہے کہ جس نے اس کے ساتھ کوئی بات منہ سے نکالی وہ یقیناً سچا ہے اور جس نے اس پر عمل کیا اس کو ثواب حاصل ہوگا اور جس نے اس کو قاتل و ظہمِ ایا اس نے عدل کیا اور جس نے اس کی طرف دعوت دی وہ یقیناً صراطِ مستقیم کا ہادی ہوا۔ (۱۷۱ اعمور اس کو لے لو)۔ (۲۸)

آپؐ کے دست مبارک سے یوں تو بہت سارے معجزات صادر ہوئے، مگر سوائے قرآن کے کسی معجزہ کو کسی چیلنج کے مقابلے میں حضورؐ نے پیش نہیں کیا۔ لوگوں نے آپؐ سے نبوت

کی نشانی مانگی تو آپؐ نے قرآن ہی کو جواب میں پیش کیا۔ جو اس بات کی واضح دلیل ہے کہ قرآن ہی آپؐ کا سب سے عظیم معجزہ ہے، جس کی نظیر پیش کرنے سے دنیا قاصرو کا جز ہے۔

قرآن کریم آج تک تحریف و تبدیل سے پاک ہے

کچھ عرصہ پہلے جرمنی کے عیسائی پادریوں نے سوچا کہ حضرت عیسیٰؑ کے زمانہ میں جو انجیل آرمی زبان میں تھی، وہ اب دنیا میں نہیں پائی جاتی۔ اس وقت جو انجیل کا نسخہ پایا جاتا ہے وہ یونانی زبان میں ہے، اسی سے دوسری زبانوں میں اس کے ترجمے ہوئے ہیں۔ لہذا یونانی زبان کے مخطوطات کو جمع کیا جائے اور ان کا آپس میں مقابلہ کیا جائے۔ بڑی محنت کے بعد دستیاب نسخے جمع کیے گئے اور ان کے ایک ایک لفظ کا باہم مقابلہ کیا گیا، اس کی رپورٹ شائع کی گئی اور بتایا گیا کہ ان میں کوئی دولاکھ اختلافی روایات ملتی ہیں، اس کے بعد یہ جملہ بھی تحریر کیا گیا کہ ان میں سے ۸/۱۱ ہم ہیں۔ اس رپورٹ کے کچھ عرصہ بعد لوگوں کے اندر قرآن کے متعلق حسد پیدا ہوا کہ قرآن کا بھی آپس میں موازنہ کیا جائے، چنانچہ اس کے لیے جرمنی کی میونخ یونیورسٹی میں ایک ادارہ قائم کیا گیا۔ اس کا نام رکھا گیا ”قرآن مجید کی تحقیقات کا ادارہ“۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ پوری دنیا سے قرآن مجید کے قدیم ترین نسخوں کو کسی بھی طرح حاصل کیا جائے۔ جمع کرنے کا یہ سلسلہ تین نسلوں تک جاری رہا ۱۹۳۳ء میں اس کے تیسرے ڈائرکٹر پریتمیل نے بتایا کہ اس ادارہ میں قرآن مجید کے ۴۲ ہزار نسخوں کے فوٹو موجود ہیں اور مقابلے کا کام جاری ہے۔ دوسری جنگ عظیم میں اس ادارے کی عمارت پر ایک امریکی بم گرا اور عمارت و کتب خانہ سب برباد ہو گیا۔ لیکن اس حادثہ سے کچھ ہی پہلے ایک عارضی رپورٹ شائع ہوئی تھی، اس کے الفاظ یہ ہیں کہ قرآن مجید کے نسخوں میں مقابلے کا جو کام ہم نے شروع کیا وہ ابھی مکمل نہیں ہوا ہے، لیکن اب تک جو نتیجہ نکلا ہے وہ یہ کہ ان نسخوں میں کہیں کہیں کتابت کی غلطیاں تو ملتی ہیں لیکن اختلاف روایت ایک بھی نہیں ہے۔ (۲۹) اس سے یہ نتیجہ بھی اخذ کیا جانا چاہیے کہ اللہ نے خود اس کتاب کی حفاظت کی ذمہ داری لی ہے:

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ﴿۹﴾ (الحجر: ۹)

”ہم نے ہی اس ذکر کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کریں گے۔“

تحریف قرآن کی تمام کوششیں ناکام ہوں گی

اپنی برتری کو دنیا میں تسلیم کرانے کے لیے اہل مغرب قرآن کو الہامی اور دنیا کی عظیم ترین کتاب ماننے سے انکار کرتا ہے۔ اس کی ڈھٹائی کا یہ عالم کہ وہ اپنی کتابوں کی طرح قرآن مقدس میں بھی تحریف و ترمیم کے عمل سے گزرنے کا دعویٰ کرتا ہے۔ جب کہ یہ بات تسلیم کی جا چکی ہے کہ آج تک اس میں ایک لفظ کا بھی حذف و اضافہ نہیں کیا گیا ہے۔ اس دعویٰ کو مشکوک ٹھہرانے کے لیے مغرب نے ایک ناکام اور بے ہودہ کوشش یہ کی کہ قرآن کے مقابل ایک کتاب 'الفرقان الحق' کے نام سے گھڑ ڈالی اور اسی نسخ پر اس کتاب کی ترتیب و تدوین کی اور اس میں پیش کی گئی سورتوں کا نام بھی اسی انداز پر رکھا۔ مگر جب 'الفرقان الحق' منظر عام پر آئی تو مغربی ذہنیت کا پول کھل گیا اور کسی نے بھی اس کوشش کو نہیں سراہا، بلکہ ہر طرف سے اس پر صدائے احتجاج بلند ہوئی۔ چند دنوں کے بعد ہی یہ فتنہ خود بہ خود سرنگوں ہو گیا۔ عبدالرحمن ابن جوزی لکھتے ہیں:

”ہمارے نبیؐ کے صدق و دعویٰ اور حقانیت رسالت پر سب سے بڑی دلیل اور برہان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جھوٹے دعوے دار کو بہت کم مہلت دیتا ہے، پھر اس کو عذاب میں مبتلا کر کے بے رحم و بے رحم سے اکھڑ پھینکتا ہے۔ تو یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ ایسی ذات کو جو اس پر بہتان باندھے اور افترا کرے، سالہا سال تک مہلت دے۔“ (۳۰)

قرآن ایک زندہ حقیقت ہے اور لوگوں کی ہدایت کے لیے نازل کی گئی ہے، اس لیے وہ ہمیشہ باقی رہنے والی ہے۔ اس طرح کی جو بھی بیہودہ کوشش کی جائے، اس کا لغو ہونا دنیا پر واضح ہو کر رہے گا۔ کیوں کہ خود باری تعالیٰ فرماتا ہے:

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِالذِّكْرِ لَمَّا جَاءَهُمْ ۖ وَإِنَّهُ لَكِتَابٌ عَزِيزٌ ۚ لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ ۚ تَنْزِيلٌ مِنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ ۝ (آل عمران: ۳۱-۳۲)

”یہ وہ لوگ ہیں جن کے سامنے کلام نصیحت آیا تو انہوں نے اسے ماننے سے انکار کر دیا، مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ ایک زبردست کتاب ہے۔ باطل نہ سامنے سے اس پر آ سکتا ہے نہ پیچھے سے۔ یہ ایک حکیم و حمید کی نازل کردہ کتاب ہے۔“



مآخذ و مراجع

- (۱) ڈاکٹر محمد ثناء اللہ ندوی (مرتب) عربی اسلامی علوم اور مستشرقین (مجموعہ مقالات عربی) توحید ایجوکیشنل ٹرسٹ، کشن گنج، ۲۰۰۳ء، ص: ۱۱، مضمون نگار: ڈاکٹر الہامی القزہ، مضمون: مستشرقین اور قرآن
- (۲) ایضاً
- (۳) ایضاً، ص: ۱۲
- (۴) ایضاً، ص: ۱۱
- (۵) G.Sale. The Koran, New York, 1890, P: 48
- (۶) ڈاکٹر عبدالقادر جیلانی، اسلام، پیغمبر اسلام اور مستشرقین مغرب کا انداز فکر، اریب پبلیکیشنز، نئی دہلی، ۲۰۰۷ء، ص: ۱۸۹-۱۹۰
- (۷) ابو محمد عبدالملک بن ہشام، سیرۃ النبیؐ، مطبعۃ حجازی، قاہرہ، ۱۹۳۷ء، ج: ۱، ص: ۲۲۰
- (۸) ایضاً، ج: ۱، ص: ۳۳-۳۳۸
- (۹) ایضاً، ج: ۱، ص: ۲۸۳-۲۸۴
- (۱۰) ایضاً، ج: ۱، ص: ۳۱۳-۳۱۴
- (۱۱) ڈاکٹر عائشہ عبدالرحمن بنت الشاطی، قرآن کریم کا اعجاز، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی، ۱۹۹۹ء، ص: ۶۹
- (۱۲) عزالدین ابن الاثیر جزئی، اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ، دار الشعب، قاہرہ، ج: ۴، ص: ۵۱۶
- (۱۳) عبدالرحمن ابن جوزی، الوفا باحوال المصطفیٰ (اردو ترجمہ) اعتقاد پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، ۱۹۸۳ء، ص: ۳۱۶
- (۱۴) ایضاً، ص: ۳۱۹
- (۱۵) سیرۃ النبیؐ، ج: ۱، ص: ۳۶۵-۳۶۸

- (۱۶) صحیح البخاری، کتاب المناقب، باب قصۃ اسلام ابی ذر الغفاری
- (۱۷) مسند احمد، ج: ۱، ص: ۳۱۸
- (۱۸) صحیح البخاری، کتاب التفسیر، تفسیر سورہ طور
- (۱۹) سیرۃ النبیؐ، ج: ۱، ص: ۳۰۷-۳۱۰
- (۲۰) مسند احمد، ج: ۴، ص: ۳۳۵
- (۲۱) سیرۃ النبیؐ، ج: ۲، ص: ۳۰
- (۲۲) ایضاً، ج: ۱، ص: ۳۹۶
- (۲۳) ایضاً، ج: ۲، ص: ۳۸
- (۲۴) ایضاً، ج: ۱، ص: ۳۵۹
- (۲۵) ایضاً، ج: ۱، ص: ۳۱۸-۳۱۹
- (۲۶) اسلام، بتغییر اسلام اور مستشرقین مغرب کا انداز فکر، ص: ۲۴۹-۲۵۰
- (۲۷) صحیح البخاری، کتاب الاعتصام، باب قول بعثت بجوامع الکلم
- (۲۸) سنن ترمذی، کتاب فضائل القرآن، باب ما جاء فی فضل القرآن
- (۲۹) ذاکر محمد حمید اللہ، خطبات بھاول پور، اسلامک بک فاؤنڈیشن، دہلی، ۱۹۹۷ء، ص: ۳۴-۳۵
- (۳۰) الوفا باحوال المصطفیٰ، ص: ۴۰۳

☆☆☆

باب چہارم

معجزات نبوی ﷺ کی حقیقت

انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ رونما ہونے والے خوارق عادات واقعات کے لیے قرآن وحدیث میں آیات و بینات اور براہین کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ محدثین ان کے لیے دلائل اور علامات کی تعبیر استعمال کرتے ہیں۔ متکلمین اور فلاسفہ کی اصطلاح میں انہیں معجزہ کہا جاتا ہے۔ (۱) آخر الذکر اصطلاح اتنی مشہور اور مروج ہو گئی کہ بغیر کسی تدبر و تفکر کے لوگوں کا ذہن اس طرف مائل ہو جاتا ہے۔ بعض وقت انبیائے کرام کے ذریعے کوئی ایسا غیر معمولی خرق عادت واقعہ رونما ہوا، جس کی تعبیر نہیں کی جاسکتی کہ یہ کیوں اور کیسے ہوا؟ بلکہ اس پر ایمان لانا اور یقین کرنا ضروری ہے۔ ایسے اعتقادی مسئلہ پر بھی حضور اکرم ﷺ کے حوالے سے مستشرقین نے متعدد قسم کے اعتراضات کیے ہیں اور اس کا انکار کیا ہے۔ سطور ذیل میں اسی اعتراض کا جائزہ لیا گیا ہے۔

معجزات بے وجہ رونما نہیں ہوتے

اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے بندوں میں سے کسی کو نبی بنا کر مبعوث فرماتا ہے تو ان کے مخاطبین میں سے جن کے قلوب زنگ آلود ہوتے ہیں وہ اپنے مفاد کو مجروح ہوتا ہوا دیکھ کر ان سے کنارہ کشی اختیار کرنے کی کوشش کرتے اور ان کی پیش کردہ تعلیمات کا مذاق اڑاتے ہیں۔ اس کے باوجود کوئی بات نہیں بنتی تو وہ یہ مطالبہ بھی کرنے لگتے ہیں کہ اگر تم واقعی اللہ کے نبی ہو تو کوئی ایسا خرق عادت واقعہ دکھاؤ جو قوانین فطرت کے خلاف ہو اور جسے ہماری آنکھوں نے نہ دیکھا اور کانوں نے نہ سنا ہو۔ (۲) ایسے نازک ترین لحاظ میں اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے نبی کی صداقت کے لیے اپنی مداخلت سے کوئی نہ کوئی خرق عادت واقعہ رونما فرماتا ہے۔ (۳) اسے دیکھ کر بعض لوگ

ایمان لے آتے ہیں اور بعض اس کا انکار کر دیتے ہیں اور اسے سحر و جادو کہہ کر بے معنی بتا دیتے ہیں۔ قرآن کریم میں ایسے ہی لوگوں کے بارے میں فرمایا گیا ہے:

فَلَمَّا جَاءَهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ قَالُوا هَذَا سِحْرٌ مُّبِينٌ ① (القاف: ۶)

”مگر جب وہ ان کے پاس کھلی کھلی نشانیاں لے کر آیا تو انہوں نے کہا یہ تو کھلا جادو ہے۔“

انبیائے سابقین اور معجزات

انسانیت کی ہدایت و رہنمائی کے لیے بڑی تعداد میں انبیائے کرام دنیا کے مختلف خطوں میں مبعوث کیے گئے: **وَالْأَنبِيَاءُ قَوْمٌ مُّهَيِّدُونَ** (الرعد: ۷) (اور ہر قوم کے لیے ایک رہنما ہے) اور اس قسم کی دوسری آیتوں کا یہی مطلب ہے۔ قرآن کریم کی مختلف آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ سب کے سب انبیاء صاحب معجزہ ہوئے ہیں:

لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَأَنزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ (الحمد: ۲۵)

”ہم نے اپنے رسولوں کو صاف صاف نشانوں اور ہدایات کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان نازل کی۔“
ایک اور جگہ پر اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا:

قُلْ قَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ قَبْلِي بِالْبَيِّنَاتِ وَالْأَنبِيَاءُ قَوْمٌ مُّهَيِّدُونَ ② (آل عمران: ۱۸۳)

”ان سے کہو: تمہارے پاس مجھ سے پہلے بہت سے رسول آچکے ہیں، جو بہت سی روشن نشانیاں لائے تھے اور وہ نشانیاں بھی لائے تھے جس کا ذکر تم کرتے ہو۔ پھر (ایمان لانے کے لیے یہ شرط پیش کرنے میں) تم سچے ہو تو ان رسولوں کو تم نے قتل کیوں کیا۔“

ایک حدیث میں نبیؐ نے اسی حقیقت کو اس طرح واضح کیا ہے:

’ہر نبیؐ کو کچھ ایسی باتیں (بطور معجزہ) دی گئیں جن کو دیکھ کر لوگ اس پر ایمان لائے۔“ (۴)

انبیائے سابقین کے بعض معجزات

حالات اور ضرورت کے تحت انبیائے کرام کے ذریعے معجزات رونما ہوئے کسی کو کوئی ایک معجزہ دیا گیا تو کسی کو کوئی دوسرا۔ جس وقت جس قسم کے معجزات کی ضرورت تھی اسی سے انہیں نوازا گیا۔ قرآن مجید میں بعض انبیاء کے معجزات کا ذکر ہوا ہے۔ یہاں ان میں سے چند کا ذکر کیا جاتا ہے:

حضرت ابراہیمؑ نے نمرود کے سامنے خدا کی وحدانیت کا اقرار کیا اور ان کے خود ساختہ معبودوں کی تغلیط کی تو نمرود نے آگ روشن کی اور جب وہ بھڑکنے لگی تو ان کو پکڑ کر اس میں پھینک دیا۔ مگر آگ نے ان کو جلایا نہیں، بلکہ وہ گلزار بن گئی۔ (الانبیاء: ۶۸-۷۰)

حضرت صالحؑ کو قوم ثمود کے لیے ایک اونٹنی دی گئی، تاکہ ان کی قوم اس معجزہ سے متاثر ہو کر ایمان لے آئے۔ مگر انہوں نے ایمان لانے کے بجائے اس اونٹنی کو بھی پکڑ کر مار دیا۔ (ہود: ۶۳)

حضرت داؤدؑ کے لیے پہاڑوں اور پرندوں کو مسخر کر دیا گیا تھا۔ (ص: ۱۸-۱۹)

حضرت سلیمانؑ کے لیے ہوا، جنات اور جانوروں کو مسخر کر دیا گیا۔ (النمل: ۱۷) ملکہ سبا اور اس کے تحت کو سلیمانؑ کے دربار میں آن واحد میں پہنچا دیا گیا۔ (النمل: ۴۰)

حضرت موسیٰؑ کو بہت سے معجزات عطا ہوئے۔ ان کا ذکر قرآن کریم کی مختلف آیات میں ہوا ہے۔ خاص طور پر من و سلویٰ، عصائے موسیٰؑ کا اثر دہا بن جانا، پتھروں پر عصا مارنے سے پانی کے چشمے کا ابلنا، دریائے نیل سے عبور کرنا وغیرہ۔ (البقرہ: ۵۷-۵۸، الاعراف: ۱۶۰-۱۶۱، طہ: ۱۹-۲۰، البقرہ: ۵۰-۵۱)

حضرت عزیرؑ کو سو سال تک موت کے آغوش میں رکھنے کے بعد دوبارہ زندہ کیا گیا۔ اس عرصے میں ان کا سامان خور و نوش ویسا ہی محفوظ اور تروتازہ رہا۔ جب کہ ان کا گدھا گل سرسبز ہڈیوں کا ڈھانچہ بن گیا، جسے دوبارہ اللہ نے گوشت و پوست عطا کیا۔ (البقرہ: ۲۵۹)

حضرت عیسیٰؑ کو بھی اہم معجزات عطا کئے گئے۔ بغیر باپ کے ان کی پیدائش ہوئی۔ (آل عمران: ۴۵-۴۶) گہوارہ میں ہی اللہ نے انہیں گویائی عطا کی۔ (مریم: ۳۰) پیدائشی طور پر انہیں کتب سماوی پر عبور اور مہارت دی گئی۔ (آل عمران: ۴۸-۵۰) وہ مٹی کے جانور بناتے اور پھونک مارتے تو اللہ کے اذن سے اس میں زندگی پیدا ہو جاتی۔ ماورزادانہوں اور کوڑھیوں کو چھو دیتے

تو اچھے ہو جاتے۔ (آل عمران: ۳۹) اللہ نے انہیں جسم و روح سمیت آسمان پر اٹھالیا تاکہ کوئی انہیں گزند نہ پہنچا سکے۔ (النساء: ۱۰۸)

ان کے علاوہ اور بھی انبیاء ہیں جن کو اللہ نے معجزات سے نوازا۔ لیکن خاص طور پر حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام کے معجزات زیادہ تفصیل اور تکرار کے ساتھ قرآن میں بیان ہوئے ہیں۔ اس لیے کہ نزول قرآن کے وقت انہی دونوں انبیاء کی امتیں عرب میں موجود تھیں۔ (۵) ان معجزات سے عبرت و نصیحت ضرور حاصل کی جاسکتی ہے۔ قرآن میں اسی غرض کے تحت ان معجزات کا ذکر کیا گیا ہے۔

حضور کے معجزات کو بھی تسلیم کرنا چاہیے

آپ کے تمام معجزات میں سب سے اہم معجزہ قرآن کریم ہے۔ جب دوسرے انبیاء کے معجزات کے رونما ہونے پر کسی کو کوئی اشکال نہیں اور جسے سب نے تسلیم کیا ہے، تو پھر کیا وجہ ہے کہ صرف نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کو ماننے سے انکار کیا جاتا ہے۔ معترضین کہتے ہیں کہ وہ معجزات جو آخری نبی سے منسوب ہیں، صرف ان کی ذات کو دیگر انبیاء کے ہم پلہ ثابت کرنے کے لیے وضع کیے گئے ہیں۔ (۶) اس نظریہ کے حامل لیبان، اوگست کانٹ، ہیوم اور گولڈزیہر وغیرہ ہیں۔ (۷) سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ معجزات جو صرف قرآن سے ثابت ہیں، مثلاً آپ کا امی ہونا، سیر سادات (اسراء و معراج)، باری تعالیٰ سے ہم کلامی، انگلی کے اشارہ سے چاند کا دو ٹکڑے ہونا، شق صدر کا واقعہ پیش آنا وغیرہ کا انکار کیسے کیا جاسکتا، جن کے ثبوت کے لیے وافر دلائل موجود ہیں۔ دراصل ان معجزات کے تسلیم کرنے کے لیے ضروری ہے کہ بندہ خدا کے قادر مطلق ہونے پر یقین کرے۔

حضور کو مختلف طبائع کے لحاظ سے معجزات عطا کیے گئے

حضور کی بعثت اس وقت ہوئی جب کہ اہل کتاب عرب میں بہ کثرت موجود تھے۔ لیکن انہوں نے اپنے انبیاء کی تعلیمات کو نہ صرف بھلا دیا تھا، بلکہ اس میں تلمیس و تحریف بھی کر دی تھی۔ انبیائے سابقین کسی ایک قوم یا ملک یا خطے کے لیے آئے تھے اور ان کے مخاطبین بھی وہی

لوگ تھے۔ جب کہ حضرت محمدؐ پوری دنیا کے لیے اور قیامت تک کے لیے نبی بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ ان سب کے طبائع اور فکر و خیالات میں اختلاف تھا، اس لیے آپؐ کو جو معجزے عطا کیے گئے ان میں ان باتوں کا بھی خیال رکھا گیا۔ اس لیے آپؐ کو تمام انبیاء سے زیادہ معجزے دیے گئے۔ قاضی ابوالفضل عیاض مالکیؒ فرماتے ہیں:

حقیقت یہ ہے کہ ہمارے نبی کریمؐ کے معجزات تمام انبیاء مرسلین کے معجزات سے بہت وافر و زیادہ اور خوب ظاہر و واضح ہیں، بلکہ اکثر معجزے ایسے عطا ہوئے جو کسی شی کیسے دیے گئے اور جتنے معجزات انبیاء کو مرحمت ہوئے یا تو ان کی مثل یا ان سے زیادہ بلیغ ہمارے سردار سید عالمؐ سے ظاہر ہوئے ہیں۔“ (۸)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کی نوعیت

حضور کو بہ کثرت معجزے عطا کیے گئے، تاکہ کفار و مشرکین پر واضح ہو جائے کہ واقعی آپؐ نبی برحق ہیں۔ مگر ان معجزات سے بھی ان کو تشفی نہ ہوئی اور وہ برابر آپؐ کی تکذیب کرتے رہے (یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں ایمان کی روشنی نہ ڈال دی)۔ پھر معجزات بھی مختلف نوعیت کے تھے۔ بعض معجزے تو آپؐ نے لوگوں کی ہدایت کے لیے پیش کیے، بعض سے ڈرانا مقصود تھا اور بعض معجزے ایسے بھی رونما ہوئے جن سے کفار و مشرکین کی ہلاکت مقصود تھی۔ بعض علماء کے نزدیک غزوہ بدر کا واقع ہونا کفار مکہ کے لیے کے معجزہ ہلاکت تھا۔ (۹)

آپؐ کے ہاتھوں ایسے بھی معجزات رونما ہوئے جو صرف اہل ایمان کی بعض ناگزیر ضرورتوں کی تکمیل کے لیے تھے، تاکہ ان پر یہ واضح ہو جائے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے مخصوص بندوں سے جنگی اٹھالیتا ہے۔

معجزات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعداد

آپؐ کو عطا کردہ معجزات کی تعداد بہت ہے۔ بعض علماء نے اس کی تعداد بھی متعین کی ہے اور اس پر مستقل ضخیم کتابیں بھی تحریر کی ہیں۔ خاص طور سے امام بیہقیؒ اور امام ابو نعیمؒ کی دلائل النبوةؒ اور جلال الدین السیوطیؒ کی ’خصائص کبریٰ‘ اہمیت کی حامل ہیں۔ اردو زبان میں بھی اس

موضوع پر بہت کام ہوا ہے۔ ان کتابوں میں آپ کے معجزات تفصیل سے بیان کئے گئے ہیں۔ چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں کہ امام مسلمؒ نے شرح مسلم کے مقدمے میں لکھا ہے کہ نبیؐ کے معجزات کی تعداد ایک ہزار دو سو سے زیادہ ہے۔ امام بیہقیؒ کے بقول معجزات کی تعداد ایک ہزار تک پہنچتی ہے۔ یہی رائے حنفیہ میں علامہ زاہدیؒ کی بھی ہے اور بعض علماء نے لکھا ہے کہ آپ کے معجزات کی تعداد تین ہزار تک پہنچ جاتی ہے۔ (۱۰) علامہ سید سلیمان ندویؒ لکھتے ہیں: اسلامی روایات میں صحیح معجزات نبویؐ کی شہادت اس قدر بلند ہے کہ دنیا کی کوئی تاریخی روایت اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی اور اس سے معجزات اور خوارق عادات کا قوی ثبوت بہم پہنچتا ہے۔ (۱۱) ڈاکٹر شیخ محمد سعید رمضان البوطیؒ لکھتے ہیں: اگر ہم نبیؐ کی زندگی کے حالات اور سیرت طیبہ میں غور و فکر کریں گے تو معلوم ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ہاتھ پر بہت سے معجزات ظاہر کئے جن سے انکار کی کوئی گنجائش نہیں، کیونکہ وہ ایسی صحیح اور متواتر سندوں سے نقل ہوئے ہیں جو فکر اور عقل کی قطعیت اور یقین کے درجے تک پہنچتی ہیں۔ (۱۲)

معجزات نبویؐ کی قسمیں

نبی کریمؐ کو جو معجزات عطا کیے گئے وہ دو قسم کے تھے:

(۱) معجزہ عقلی

(۲) معجزہ حسی

جس معجزہ کے سمجھنے میں عقل کی ضرورت پیش آتی ہے، اسے 'عقلی' معجزہ کہا جاتا ہے۔ اسے وہی لوگ سمجھتے ہیں جو دانش مند اور فہیم ہوتے ہیں۔ اور معجزات 'حسی' وہ خرق عادت امور ہیں جن کا ادراک حواس کے ذریعہ ہوتا ہے۔ انہیں ایسے ہی لوگ طلب کرتے ہیں جن کو عقلی اصول سمجھنے کا سلیقہ نہیں ہوتا یا ضدی اور عنادی ہوتے ہیں۔

ان دونوں قسم کے معجزات کی مزید دو قسمیں ہیں:

معجزات علمیہ

معجزات عملیہ

معجزات علمیہ ایسے معجزات کو کہا جاتا ہے کہ مدعی نبوت کے ہاتھوں کوئی ایسا عمل ظاہر

ہو کہ اس جیسا کام کرنے سے شب عاجز اور درماندہ ہوں۔ جب کہ معجزات 'عملیہ' ایسے معجزات کو کہتے ہیں کہ مدعی نبوت سے ایسے علوم و معارف ظاہر ہوں کہ ساری دنیا ان کے مثل اور مقابلہ میں کوئی چیز پیش نہ کر سکے۔

آپ کے معجزات میں اتنی وسعت کیوں رکھی گئی۔ اس کی وضاحت کرتے ہوئے مولانا اور لیس کاغذ ہلوی لکھتے ہیں:

”آں حضرت کی نبوت و رسالت چوں کہ تمام عالم کے لیے ہے اور قیامت تک کے لیے ہے۔ اس لیے حق جل شانہ آپ کو جملہ اقسام عالم سے معجزات اور نشانات عطا فرمائے۔ تاکہ عالم کی ہر چیز آپ کی نبوت کی دلیل اور برہان ہو اور عالم کی کوئی نوع ایسی باقی نہ رہے جو آپ کی نبوت کی شہادت نہ دے۔ اس لیے کہ معجزہ نبوت کی دلیل اور برہان ہوتا ہے۔ پس جب کہ عالم کی تمام انواع و اقسام میں سے آپ کے معجزات ہوں گے تو عالم کی تمام انواع و اقسام آپ کی نبوت و رسالت کی شاہد اور گواہ ہوں گی اور تاکہ تمام انبیاء و مرسلین پر آپ کی برتری روز روشن کی طرح واضح ہو جائے کہ آپ کے تنہا معجزات تمام انبیاء کے کل معجزات سے زیادہ ہیں اور کسی کو آپ کی نبوت میں شک و شبہ کی گنجائش باقی نہ رہے۔“ (۱۳)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض اہم معجزات

حضور کے عقلی معجزے ہوں یا حسی، ان کی تعداد بہت ہے۔ ان میں سے بعض کا ذکر قرآن مجید میں ہے اور بیش تر احادیث صحیحہ و متواترہ سے ثابت ہیں۔ ان کی تفصیلات کا یہاں احاطہ نہیں کیا جاسکتا۔ البتہ چند اہم معجزات کا بالا اختصار ذکر کیا جاتا ہے۔

قرآن کریم آپ کا سب سے اہم اور زندہ جاوید معجزہ ہے۔ اس کا تفصیلی جائزہ پیش کیا جا چکا ہے۔ اسی طرح اسرار و معراج کا واقعہ بھی آپ کے عظیم معجزوں میں شمار ہوتا ہے۔ اس پر بھی الگ سے گفتگو کی جائے گی۔ چند اہم معجزات کا ذکر درج ذیل سطور میں کیا جاتا ہے:

(۱) حضور کی امیت

(۲) شق الصدر یا شرح صدر

(۳) شق القمر

- (۴) اشیاء میں اضافہ
 (۵) پانی کا جاری ہونا
 (۶) شقائے امراض
 (۷) اطلاع غیب (پیشین گوئی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امیت

آپ کی تعلیم و تربیت کے سارے دروازے اسی وقت بند ہو گئے جب کہ بچپن ہی میں والدین کا سایہ آپ کے سر سے اٹھ گیا۔ جب آپ آٹھ سال کے ہوئے تو دادا نے بھی داغ مفارقت دے دیا۔ چچا ابوطالب اتنے مال دار نہ تھے کہ بھیجے کی تعلیم کی فکر کرتے۔ وہ خود کثیر العیال تھے۔ پھر مکہ میں پڑھنے لکھنے کا زیادہ رواج بھی نہ تھا جس کو دیکھ کر آپ کے اندر اس کا داعیہ پیدا ہوتا۔ چون کہ آپ کی فطرت میں صالحیت تھی اس لیے اپنی اچھی خصلت اور عادات و اطوار کی وجہ سے اہل مکہ کے محبوب بن گئے تھے۔ (۱۴) کوئی ایسی روایت نہیں ملتی جس سے یہ ثابت ہو کہ آپ نے حصول علم کے لیے کسی کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا ہو۔ اس کے باوجود آپ کے ذریعہ علم و عمل کے جو چشمے ابے وہ اپنے آپ میں اہم معجزہ ہے۔ آپ کی زبان سے نکلا ہوا ہر لفظ معنویت کا حامل ہے۔ اس کی افہام و تفہیم اور تشریح و تعبیر کے لیے علماء نے ضخیم کتابیں لکھی ہیں، پھر بھی اس کا حق ادا کرنے سے قاصر ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ایک ای کو نبی بنا کر انسانوں کو یہ باور کرایا کہ یہ اللہ کے اختیار میں ہے کہ وہ جسے چاہے اپنے فضل سے نواز دے اور ذرے کو آفتاب بنا دے۔ آپ نے نہ صرف موجودہ حالات کی اصلاح کی اور لوگوں کے اندر علمی انقلاب برپا کیا بلکہ انبیائے سابقین اور ان کی امتوں کے خال کو بھی کھول کھول کر بیان کر دیا ہے، یہاں تک کہ مستقبل میں رونما ہونے والے بہت سے واقعات اور تغیرات کی بھی نشان دہی کی ہے، جسے دیکھ کر اہل مکہ حیران و ششدر ہو جاتے۔

سابقہ آسمانی کتابوں میں بھی اس کی وضاحت کی گئی ہے کہ آخر میں جو نبی مبعوث ہوگا وہ امی ہوگا۔ (۱۵) قرآن نے جگہ جگہ آپ کی امیت پر گفتگو کیا ہے اور مخالفین سے کہا ہے کہ تمہیں ان کے امی ہونے کی بحث میں الجھنے کی ضرورت نہیں ہے، جو کام تمہارے کرنے کے ہیں وہ یہ

ہیں کہ نبی امی جو کچھ فرما رہے ہیں اس پر ایمان لاؤ اور عمل کرو۔ چنانچہ ایک جگہ فرمایا گیا ہے:

الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأَتَمَّ الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا
عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرَةِ وَالْإِنْجِيلِ (الاعراف: ۱۵۷)

”(پس آج یہ رحمت ان لوگوں کا حصہ ہے) جو اس پیغمبر، نبی امی کی پیروی اختیار کریں
جس کا ذکر انہیں اپنے ہاں تورات اور انجیل میں لکھا ہوا ملتا ہے۔“

اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی لکھتے ہیں:

”یہاں نبی کے لیے ’امی‘ کا لفظ بہت معنی خیز استعمال ہوا ہے۔ بنی اسرائیل اپنے سوا
دوسری قوموں کو انہی (Gentiles) کہتے تھے اور ان کا قومی فخر و غرور کسی امی کی پیش دانی
تسلیم کرنا تو درکنار، اس پر بھی تیار نہ تھا کہ امیوں کے لیے اپنے برابر انسانی حقوق ہی
تسلیم کر لیں۔ چنانچہ قرآن ہی میں آتا ہے کہ وہ کہتے تھے: نَبِئْ عَنَّا فِي الْاٰمِنِ
يَسِئًا (آل عمران: ۷۵) ”امیوں کے مال مار کھانے میں ہم پر کوئی مواخذہ نہیں
ہے۔“ پس اللہ تعالیٰ انہی کی اصطلاح استعمال کر کے فرماتا ہے کہ اب تو اسی امی کے
ساتھ تمہاری قسمت وابستہ ہے، اس کی پیروی قبول کرو گے تو میری رحمت ہے۔ حصہ
پاؤ گے ورنہ وہی غضب تمہارے لیے مقرر ہے جس میں صدیوں سے گرفتار پلے
آ رہے ہو۔“ (۱۶)

اگلی آیت میں بڑے واضح انداز میں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ جب تک نبی امی پر
ایمان نہیں لاؤ گے ہدایت نہیں پاسکتے:

قَامُوا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْأَتَمِّ الَّذِي يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ
كَلِمَتِهِ وَ اَتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝ (الاعراف: ۱۵۸)

”پس ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے پیغمبر نبی امی پر جو اللہ اور اس کے ارشادات کو
مانتا ہے اور پیروی اختیار کرو اس کی، امید ہے کہ تم راہ راست پا لو گے۔“

کفار کہ بعض وقت آپ پر یہ اعتراض کرتے تھے کہ فلاں فلاں لوگوں کی صحبت میں رہ
کر آپ نے قرآن سیکھ لیا ہے۔ اسی طرح بعض مستشرقین حضور کے تعلق سے یہ باور کراتے ہیں
کہ آپ نے قبل از بعثت عیسائی راہبوں سے علم حاصل کیا تھا۔ اس کی تردید کرتے ہوئے

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ پڑھنا لکھنا نہیں جانتے تھے، اگر ایسا ہوتا تو لوگ شک میں پڑ سکتے تھے کہ واقعی آپ نے قرآن لکھ لیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَا كُنْتُمْ تَتْلُوا مِنْ قَبْلِهِ مِنْ كِتَابٍ وَلَا تَخُطُّهُ بِيَمِينِكُمْ إِذَا لَازَمْتُمُ الْمُتَبِعُونَ ﴿۳۸﴾

(العنکبوت: ۳۸)

”(اے نبی) تم اس سے پہلے کوئی کتاب نہیں پڑھتے تھے اور نہ اپنے ہاتھ سے لکھتے تھے، اگر ایسا ہوتا تو باطل پرست لوگ شک میں پڑ سکتے تھے۔“

قرآن مجید میں کئی مقامات پر آپ کے نبی امی ہونے کو واضح کیا گیا ہے تاکہ کفار و مشرکین کے لیے کوئی حجت باقی نہ رہے۔

پوری انسانیت کے لیے آپ کے ذریعہ قرآن کریم کی شکل میں جو عظیم معجزہ ظاہر ہوا اس کا تقاضا بھی یہی تھا کہ قرآن مجید ایسے شخص کے ذریعہ دنیا کے سامنے آئے جو نوشت و خواند سے واقف نہ ہو۔ خاص طور پر مغرب کو قرآن کی تعلیمات کے سچا ہونے میں کوئی کلام نہیں۔ اعتراض اس بات کو لے کر ہے کہ آخر یہ فخر و اعزاز اہل کتاب کو حاصل کیوں نہیں ہوا؟ اسی حسد میں وہ قرآن کو مجموعہ خرافات بتاتے ہیں اور نبیؐ پر اعتراض کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ بعض کم زور روایتوں کا سہارا لے کر آپ کے تعلیم یافتہ ہونے کا ڈھول پیٹتے ہیں۔ اگر (نعوذ باللہ) مان لیا جائے کہ نبیؐ نے بعض عیسائی راہبوں سے ملاقات کی اور بہت قلیل وقت کے لیے ان کی صحبت اختیار کی جس سے علم کے چشمے ابلے تو یہ آپ کا ایک دوسرا معجزہ ہو جائے گا۔ مگر کون اس کو تسلیم کرنے پر تیار ہے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ لکھتے ہیں:

”حضور اکرمؐ کے دلائل نبوت میں سے ایک یہ ہے کہ آپ امی اور ناخواندہ تھے اور آپ خط و کتابت بالکل نہ جانتے تھے۔ آپ اس قوم میں جو تمام امی جاہل اور ناخواندہ تھی، امی مولود ہوئے۔ آپ کی نشو و نما اس شہر اور ان ہی لوگوں میں ہوئی جن میں گزشتہ علوم کا جاننے والا کوئی بھی نہ تھا اور نہ آپ نے کسی ایسے شہر کی طرف سفر فرمایا جس میں کوئی عالم ہوتا اور آپ اس سے تحصیل علم کر سکتے اور توریہ و انجیل اور گزشتہ امتوں کے اخبار و حالات جان سکتے۔ بلاشبہ ان کتابوں کے بڑے بڑے عالم ایسے گزرے تھے جو اپنی اپنی جگہ ان کتابوں کے ماہر و مشاوری تھے..... پھر ان ملتوں کے ہر

فریق پر حضورؐ نے ایسی حجت قائم فرمائی کہ جہاں بھر کے تمام عالم و فساد جمع ہو جاتے تو بھی اس کی مثل کوئی دلیل نہ لاسکتے۔ یہ اس امر کی پہلی دلیل ہے کہ آپ کے پاس جو کچھ تھا، آپ اسے خدا کی طرف سے لائے تھے۔ اب تصور کرنا چاہیے اور یہ معلوم ہونا چاہیے کہ بغیر علم و اکتساب علم آپ علم و معرفت کے جتنے اعلیٰ مقام پر فائز تھے، علم اولین اور آخرین کی رسائی وہاں تک ناممکن ہے۔ یہ بھی دیکھنا اور غور کرنا چاہیے کہ وہ لوگ جو جہل و نادانی اور فسق و فجور کے اسفل السافلین میں تھے وہ آپ کی صحبت، آپ کی خدمت اور آپ کی تعلیم و تربیت سے علم و عمل کے اعلیٰ علیین پر پہنچ گئے اور یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ ہی کی جانب سے تھا اور اگر تم آپ کے اخلاق و صفات، کمالات و اوصارح، آداب و اطوار میں غور کرو گے تو تم سب سے پہلی دلیل یہ پاؤ گے کہ کوئی بشر آپ کی مثل ایسا پیدا نہ ہوا جس نے نبوت و رسالت کا دعویٰ کیا ہو اور اسی طرح لوگوں کو سخر کیا ہو تو اب کس چیز میں شک و شبہ باقی رہتا ہے۔“ (۱۷)

معجزہ شق القمر

مشہور و متواتر روایتوں سے پتا چلتا ہے کہ ہجرت مدینہ سے قبل کفار و مشرکین نے نبیؐ سے کہا کہ اگر آپ اپنے دعویٰ نبوت میں سچے ہیں تو ہمیں چاند کے دو ٹکڑے کر کے دکھائیے۔ آپؐ نے فرمایا: اگر میں تمہارا مطالبہ پورا کر دوں تو کیا تم ایمان لے آؤ گے؟ ان لوگوں نے کہا: ہاں۔ آپؐ نے بارگاہ رب العزت میں دعا کی کہ مجھے چاند کے دو ٹکڑے کرنے کا اذن عطا فرما۔ چنانچہ اللہ کے حکم سے آپؐ نے انگلی سے چاند کی طرف اشارہ کیا اور وہ پھٹ کر ایک دوسرے سے جدا ہو گیا۔ اسے کفار و مشرکین نے اور بعض صحابہ نے جو اس وقت وہاں موجود تھے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ تھوڑی دیر کے بعد چاند آپس میں جڑ گیا اور اپنی اصلی حالت پر آ گیا۔ اب کفار و مشرکین کہنے لگے کہ نبیؐ نے ہماری آنکھوں پر جادو کر دیا ہے۔ انہیں میں سے بعض لوگوں نے کہا کہ اگر حضورؐ نے ہم پر جادو کر دیا ہے تو کیا ان لوگوں پر بھی جادو کر دیا ہے جو یہاں نہیں ہیں۔ یعنی وہ لوگ جو سفر پر گئے ہوئے ہیں۔ انہیں آنے دو، ان سے دریافت کرتے ہیں، جب ان سے نفی کی گئی تو انہوں نے بھی اثبات میں جواب دیا۔ پھر بھی وہ ایمان نہ لائے۔ (۱۸)

معجزہ شق القمر کا ذکر صحیح بخاری، صحیح مسلم، جامع الترمذی، مسند احمد بن حنبل، مستدرک

حاکم، دلائل بیہقی وغیرہ میں کیا گیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر، انس بن مالک، جبیر بن مطعم، علی ابن طالب اور بعض دوسرے صحابہ سے یہ روایت منقول ہے۔ لیکن ان میں سب سے صحیح اور مستند روایت حضرت عبداللہ بن مسعود کی ہے۔ کیوں کہ وہ اس واقعہ کے وقت وہیں موجود تھے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں: جس وقت چاند پھٹا، اس وقت ہم آں حضرت کے پاس موجود تھے۔ چاند دو ٹکڑے ہو گیا۔ آں حضرت نے فرمایا: دیکھو! گواہ رہنا۔ (۱۹) ایک دوسری روایت میں وہ فرماتے ہیں: آں حضرت کے زمانہ میں چاند پھٹ کر دو ٹکڑے ہو گیا، ایک ٹکڑا نیچے آ گیا۔ آں حضرت نے (لوگوں سے جو اس وقت موجود تھے) فرمایا: دیکھو! گواہ رہنا۔ (۲۰) حضرت انسؓ فرماتے ہیں: مکہ کے کافروں نے آں حضرت سے یہ درخواست کی کہ ہمیں کوئی نشانی دکھلا۔ پئے، آپ نے چاند کا پھٹنا ان کو دکھایا۔ (۲۱) حضرت ابن عباسؓ کی روایت میں ہے: آں حضرت کے زمانہ میں چاند پھٹا تھا۔ (۲۲)

قرآن مجید میں اس معجزہ کا ذکر اجمالی طور پر ہوا ہے جس سے پتا چلتا ہے کہ کسی نہ کسی زمانے میں چاند پھٹا تھا۔ سورہ قمر میں فرمایا گیا ہے:

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَ اَنْشَقَّ الْقَمَرُ ① وَ اِنْ يَرَوْا آيَةً يُعْرِضُوا
وَ يَقُولُوا سِحْرٌ مُسْتَمِرٌّ ②

(القمر: ۱-۲)

”قیامت کی گھڑی قریب آگئی اور چاند پھٹ گیا۔ مگر ان لوگوں کا حال یہ ہے کہ خواہ

کوئی نشانی دیکھ لیں منہ موڑ جاتے ہیں اور کہتے ہیں یہ چلتا ہوا جادو ہے۔“

اسی بنا پر منکرین اسے ایک حادثہ تصور کرتے ہیں اور اس کا محل وقوع قرب قیامت

کو قرار دیتے ہیں۔ لیکن اوپر کی تفصیلات اور صحابہ کرامؓ کے اقوال کو سامنے رکھ کر غور کیا جائے تو یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ اتفاقاً قرآن کا معجزہ ہے، جو مکہ میں منی کے میدان میں رونما ہوا تھا۔ باوجود اس کے کفار و مشرکین ایمان نہ لائے اور اس معجزہ کو دیکھ کر سحر اور جادو بتانے لگے۔ ’سِحْرٌ مُسْتَمِرٌّ‘ سے صاف پتا چلتا ہے کہ یہ حادثہ نہیں، بلکہ کوئی اہم واقعہ تھا۔ علامہ سید سلیمان ندویؒ لکھتے ہیں:

”بعض عقل پرست مہمانوں نے قرب قیامت کی مناسبت سے یہ تاویل کی ہے کہ

اس آیت سے آں حضرتؐ کے عہد میں شق قمر کا ثبوت نہیں، بلکہ یہ قیامت کے واقعہ کا ذکر ہے۔ لیکن اس حالت میں اول تو بے قرینہ ماضی (چاند پھٹ گیا) کو مستقبل (چاند پھٹ جائے گا) کے معنی میں لینا پڑے گا۔ دوسرے یہ کہ اگر قیامت کا واقعہ ہوتا تو اس کے بعد یہ کیوں ہوتا کہ یہ کافر اگر کوئی ایسی نشانی بھی دیکھیں تو منہ پھیر لیں گے اور کہیں گے کہ یہ جادو ہے، جو ہوتا آیا ہے۔ قیامت سامنے آنے کے بعد اس کے انکار کے کیا معنی اور اس کو سحر جادو کہنا کیوں کر صحیح ہو سکتا ہے۔ اس کے علاوہ مستند اور صحیح روایات کی کیوں کر تردید کی جاسکتی ہے۔“ (۲۳)

علمائے اسلام نے اس مسئلہ پر بڑی عالمانہ بحث کی ہے اور بعض جزوی اختلافات کو چھوڑ کر اسے ایک مسلمہ حقیقت کے طور پر تسلیم کیا ہے، تاکہ لوگ شک و شبہ میں نہ پڑیں۔ انہوں نے اپنی بحث میں اس کی بھی وضاحت کی ہے کہ ہو سکتا ہے کہ آئندہ اپنے آپ بعض شواہد کی روشنی میں اس کی صداقت ثابت ہو جائے، جیسا کہ مولانا امین احسن اصلاحیؒ نے مزید انکشافات کے انتظار کی صراحت کی ہے۔ (۲۴) جو لوگ انشاق قمر کو تسلیم نہیں کرتے اور اسے حضورؐ کا معجزہ نہیں مانتے انہیں اس بات سے حیرانی ہوگی کہ سائنسی نقطہ نظر سے بھی یہ واقعہ ثابت ہو چکا ہے۔ مگر چونکہ اس معجزہ سے نبی کا مقام و مرتبہ اور انفرادیت ظاہر ہوتی ہے۔ اس لیے سائنس داں اسے منظر عام پر نہیں لانا چاہتے۔ چنانچہ ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ لکھتے ہیں:

”اپنی تحقیق و جستجو اور غور و خوض کی خاطر کیے گئے سفروں کے دوران امریکیوں نے قریبی فاصلے سے چاند کی جو تصاویر لی ہیں وہ کچھ ایسے نشانات ظاہر کرتی ہیں جن سے اس قسم کے کوٹنے کی گئی نہیں کی جاسکتی۔ چاند کے دو ٹکڑے ہونے کے موضوع پر کوئی بھی شخص یہ یاد کر سکتا ہے کہ سپوٹنکس کے علاوہ زمین کی سطح سے مختلف بلند فاصلوں سے چاند کے فرش کی لی گئی تصاویر چاند کی سطح پر ایک بڑے ٹکڑے کے لیے نشان کو ظاہر کرتی ہیں، جو چاند کے درمیان سے چلتا ہوا ایک کونے سے دوسرے کونے تک جاتا ہے۔ یہ شکاف تقریباً ایک میل (تقریباً ایک کلومیٹر اور ۶۰۰ میٹر) لمبا ہے۔ امریکی اسے Radley Rill کہتے ہیں۔ اس شکاف کے عمیق اور قریبی جائزے کے لیے اپالو ۱۵ (Appolo 15) کے مشن کے نتائج سے عوام الناس کو کبھی بھی آگاہ و آشنا نہیں کیا جائے گا۔ کیوں کہ انگلینڈ کے روزنامہ گارڈین (Guardain) نے ۲۹ جولائی ۱۹۷۱ء

کی اپنی اشاعت میں مغربی عوام کو اس خطرے سے خبردار کیا تھا کہ اس سے مسلمانوں کو تقویت ملے گی اور وہ یہ اعلان کریں گے کہ یہ پیغمبر اسلامؐ کے چاند کے دو ٹکڑے کرنے کے معجزے کی سچائی اور صداقت کا ایک اور ثبوت ہے۔ شاید کوئی مسلمان فلک پیا کسی روز سائنسی تحقیق کے اس کام کی ذمہ داری لے اور اس شکاف کی اصلیت پر روشنی ڈالے اور ہمیں بتائے کہ کیا یہ شکاف اس لائن کا حصہ ہے جس سے شق القمر کا معجزہ وقوع پذیر ہوا تھا۔“ (۲۵)

شق صدر یا شرح صدر

قرآن وحدیث کی تعلیمات اور کتب سیرت وتاریخ میں بیان بعض واقعات سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ بچپن سے جوانی تک اور یہاں تک کہ نبوت سے سرفراز کیے جانے تک غیبی طریقے سے آپؐ کی تربیت وگمرانی فرماتا رہا۔ وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَىٰ ۖ سِی اسی حقیقت کی طرف اشارہ ملتا ہے۔ اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے ذرائع اور ترکیبیں بھی استعمال کیں۔ ان میں سے ایک شق صدر یا شرح صدر کا واقعہ بھی ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا اس طرح (جیسا کہ روایتوں میں اس کی تفصیل ملتی ہے) آپؐ کا سینہ مبارک چاک کیا گیا اور اسے منٹوں میں درست کر دیا گیا؟ اور کیا ایسا ممکن بھی ہے؟ دراصل یہ معاملہ حبیب اور محبوب کا ہے، اس لیے تسلیم نہ کرنے کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔ علمائے اسلام نے اسے تسلیم کیا ہے اور اسے آپؐ کا معجزہ قرار دیا ہے۔

اس واقعہ کا ثبوت قرآن کریم کی آیتوں سے فراہم ہوتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَمَنْ يُرِدِ اللَّهُ أَنْ يَهْدِيَهُ يَشْرَحْ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ ۚ (الانعام: ۱۲۵)

”(پس یہ حقیقت ہے کہ) جسے اللہ ہدایت بخشنے کا ارادہ کرتا ہے اس کا سینہ ہدایت کے لیے کھول دیتا ہے۔“

ایک اور سورت میں اسی بات کو اور زیادہ اچھے انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ ارشاد باری

تعالیٰ ہے:

أَلَمْ تَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ۖ وَوَضَعْنَا عَنكَ وَزْرَكَ ۖ

(الم نشرح: ۱-۳)

الَّذِي أَنْقَضَ ظَهْرَكَ ۖ

”(اے نبی) کیا ہم نے تمہارا سینہ تہتارے لیے کھول نہیں دیا ہے؟ اور تم پر سے وہ بھاری بوجھ اتار نہیں دیا جو تمہاری کمر توڑے ڈال رہا تھا۔“

ان آیات کا بہ ظاہر جو مطلب نکلتا ہے کہ اس سے شق صدر مراد نہیں لیا جاسکتا، بلکہ انشراح صدر کا معنی لینا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔ اول الذکر اور موخر الذکر آیات کا تعلق تو براہ راست حضرت محمدؐ سے ہے اور درمیانی آیات کا تعلق حضرت موسیٰؑ سے ہے۔ اس میں ہدایت قبول کیے جانے کے سلسلے میں کشادگی صدر کی بات کہی گئی ہے۔ اسی وجہ سے مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ لکھتے ہیں:

”بعض مفسرین نے شرح صدر کو شق صدر کے معنی میں لیا ہے اور ان آیات کو معجزہ شق صدر کا ثبوت قرار دیا ہے جو احادیث کی روایات میں بیان میں ہوا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس معجزے کے ثبوت کا مدار احادیث کی روایات ہی پر ہے۔ قرآن سے اس کو ثابت کرنے کی کوشش صحیح نہیں ہے۔ عربی زبان کے لحاظ سے شرح صدر کو کسی طرح بھی شق صدر کے معنی میں نہیں لیا جاسکتا۔ علامہ آلوسی روح المعانی میں فرماتے ہیں: حمل الشرح فی الآیۃ علی شق صدر ضعیف عند المحققین (محققین کے نزدیک اس آیت میں شرح کو شق صدر پر محمول کرنا ایک کم زور بات ہے)۔“ (۲۶)

برخلاف اس کے معجزہ شق صدر پر بحث کرتے ہوئے اور اس آیت میں شرح صدر کے معنی کی وضاحت کرتے ہوئے سید سلیمان ندویؒ لکھتے ہیں:

”ہمارے نزدیک صحیح اصطلاح شرح صدر ہے۔ جیسا کہ صحیح مسلم باب الاسرائیل حضرت مانک بن عصفہ کی روایت میں مذکور ہے: فشرح صدري الى كذا وكذا (میرا سینہ یہاں سے یہاں تک کھولا گیا)۔ اور قرآن مجید کی اس سورہ میں جیسا کہ ترمذی میں ہے اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔“ (۲۷)

اس کے بعد علامہ شرح کے لغوی معنی بیان کرتے ہیں اور اس کی وضاحت بھی کرتے ہیں کہ شرح کو کن کن معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ شرح صدر کو شق صدر کے معنی میں بھی لیا جاسکتا ہے، جو نبیؐ کا ایک اہم معجزہ ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

”شرح کے لغوی معنی عربی میں چیرنے پھاڑنے کے ہیں۔ اسی سے طب کی اصطلاح ”علم تشریح“ اور ”تشریح اجسام“ نکلے۔ چونکہ چیرنے اور پھاڑنے سے اندر کی چیز کھل کر نمایاں ہو جاتی ہے، اس لیے اس سے ”تشریح امر“ اور ”تشریح کلام“، ”شرح بیان“ اور ”شرح کتاب“ وغیرہ مجازی معنی پیدا ہوئے ہیں۔ اسی سے ایک محاورہ ”شرح صدر“ کا پیدا ہوا ہے، جس کے معنی ”سینہ کھول دینے“ کے ہیں اور کلام عرب میں اس سے مقصود بات کو سمجھا دینا اور اس کی حقیقت واضح کر دینا ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں یہ محاورہ بہ کثرت استعمال ہوا ہے۔ حضرت موسیٰ کو جب فرعون کے پاس جانے کی ہدایت ہوئی تو آپ نے دعا مانگی: رَبِّ اشْرَحْ لِي صَدْرِي ۖ وَيَسِّرْ لِي أَمْرِي ۖ وَ اِخْلُ خَلْلًا عَصَاةً مِّنْ لِّسَانِي ۖ يَتَفَقَّهُوا قَوْلِي ۖ ﴿٢٨-٢٥﴾ (طہ: ۲۵-۲۸) پروردگار میرے سینہ کو کھول دے اور میرے کام کو آسان کر دے اور میری زبان کی گرہ کھول دے کہ لوگ میری بات سمجھیں۔“ (۲۸)

اول الذکر آیت میں مذکور شرح صدر کو اسی معنی میں لینا چاہیے۔ البتہ موخر الذکر آیات کو اس معنی میں بھی لیا جاسکتا ہے۔ جیسا کہ علامہ سید سلیمان ندوی نے واضح کیا ہے، اس کی تائید پیش تر مفسرین کے قول سے ہوتی ہے۔ چنانچہ حافظ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں:

”جس طرح آپ کا سینہ کشادہ کر دیا گیا تھا، اسی طرح آپ کی شریعت بھی کشادگی، نرمی اور آسانی والی بنادی گئی، جس میں نہ تو کوئی حرج ہے، نہ تنگی نہ ترشی نہ تکلف اور سختی اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ مراد معراج والی رات سینے کا شق کیا جاتا ہے، جیسا کہ مالک بن حصصہؒ کی روایت میں پہلے گزر چکا ہے۔ امام ترمذی نے اس حدیث کو ہمیں ذکر کیا ہے، لیکن یہ یاد رہے کہ یہ دونوں واقعے مراد ہو سکتے ہیں۔ یعنی معراج کی رات سینے کا شق کیا جانا اور سینہ کو راز خدا کا گنجینہ بنا دینا۔“ (۲۹)

مستند احادیث سے صراحت ہوتی ہے کہ آپ کا سینہ مبارک چاک کیا گیا۔ کم از کم تین صحابہ مالک بن حصصہؒ، ابوذرؓ اور انس بن مالکؓ کی روایات معراج نبوی کے ضمن میں آئی ہیں، اس میں ہے کہ سفر معراج کے آغاز سے قبل خانہ کعبہ کے اندر جبرئیل امین نے اس کام کو انجام دیا۔ البتہ اس کے علاوہ بھی کئی مرتبہ آپ کے سینہ مبارک کو چاک کر کے اس میں نور و حکمت کو ڈالا گیا۔ بعض پانچ مرتبہ کے قائل ہیں۔ بعض چار مرتبہ اور کچھ لوگ کہتے ہیں کہ یہ واقعہ حضور کے

ساتھ دو مرتبہ پیش آیا۔ (۴۰) ایک مرتبہ اس وقت جب کہ آپ حلیمہ سعدیہ کے یہاں پرورش پا رہے تھے اور دوسری مرتبہ معراج کے موقع سے۔ جب آپ کی نبوت تمام انبیاء کی نبوت سے افضل اور دائمی ہے تو یقینی بات ہے کہ آپ کے اندر خصوصیات و جامعیت پیدا کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے مختلف تدابیر متعدد مواقع پر اختیار کی ہوگی۔ ان میں سے ایک شق صدر بھی ہے۔

اشیاء خورد و نوش میں اضافہ

بعض اوقات آپؐ نے جس چیز کو چھو دیا، یا اس پر نظر ڈال دی یا اس کے متعلق دعا کر دی تو اس میں غیر معمولی اضافہ ہو گیا۔ یہاں تک کہ بعض وہ چیزیں جو بہت مختصر اور قلیل ہوتیں ان میں غیر معمولی بڑھوتری ہو جاتی۔ مثلاً تھوڑا کھانا جو ایک آدمی کی کے لیے ناکافی ہوتا، اس میں اضافہ اور برکت کے لیے کوئی وعاء پڑھ کر پھونک دیتے تو اس میں زیادتی ہو جاتی اور اس سے وافر آدمی شکم سیر ہو جاتے، یہاں تک کہ کبھی بھی جاتا۔ اسی طرح بعض وہ چیزیں جو پینے کے قلیل سے ہیں اس میں حد درجہ زیادتی ہو جاتی جسے دیکھ کر لوگ حیرت میں پڑ جاتے۔ اس لیے علماء نے ایسے واقعات کو آپؐ کا معجزہ قرار دیا ہے۔ کتب حدیث میں صحیح اور متواتر سند کے ساتھ ایسے بہت سے واقعات ملتے ہیں۔ ان میں سے چند کا یہاں ذکر کیا جاتا ہے۔

صحابہ کرام خندق کھودنے میں مصروف تھے۔ نبیؐ بھی صحابہ کے ساتھ اپنے حصے کی زمین کھود رہے تھے۔ کھانے کی قلت کی وجہ سے صحابہ کرام بھوک سے نڈھال ہو گئے، مگر جوش ایمانی نے خندق کی کھدائی میں مصروف کر رکھا تھا۔ حضرت جابرؓ کو اپنے ساتھیوں کے بھوک کی فکر نہ رہی کیوں کہ خود ان کا یہی حال تھا۔ مگر نبیؐ کی بھوک شدت نے انہیں تڑپا دیا۔ وہ اپنے گھر گئے اور اپنی بیوی سے کہا کہ گھر میں کھانے کا کچھ بھی ہے تو دو، تاکہ نبیؐ کی خدمت میں پیش کروں۔ بیوی نے ایک صاع جو نکال کر دیا۔ یہی گھر کا کل اثاثہ تھا۔ کسی طرح روٹی کا بندوبست تو ہو گیا مگر سالن کا کوئی انتظام نہ تھا۔ اچانک ان کی نظر گھر میں موجود ایک بکری پر پڑی۔ انہوں نے اسے ذبح کر دیا اور بیوی سے سالن پکانے کا حکم دیا۔ ساتھ ہی یہ تاکید بھی کر دی کہ جب تک میں نبیؐ کو لے کر گھر نہ آ جاؤں اس وقت تک روٹی نہ پکانا۔ حضرت جابرؓ حضورؐ کی خدمت میں پہنچے اور آہستہ سے کہا کہ میں نے آپؐ کے لیے کھانے کا انتظام کیا ہے، تشریف لے چلیں۔ اپنے صحابہ کو بھوکا

چھوڑ کر نبیؐ خود کھانا تناول فرما لیتے، ایسا ممکن نہ تھا۔ آپؐ نے اعلان کر دیا کہ لوگو! چلو میرے ساتھ، جابر کے یہاں آج ہماری دعوت ہے۔ حضرت جابرؓ جلدی سے گھر آئے اور بیوی کو سارے لوگوں کے آنے کی خبر دی۔ میاں بیوی پریشان کہ اب کیا ہوگا۔ اتنے لوگوں کو کہاں سے کھلائیں گے۔ حضورؐ ان کے گھر پہنچے تو حضرت جابرؓ کی بیوی نے گوندھا ہوا آٹا حضورؐ کے سامنے کر دیا یہ سوچ کر کہ مختصر آٹا کو دیکھ کر رسولؐ اپنے ساتھیوں کو واپس کر دیں گے۔ آپؐ نے اس آٹے میں لعاب دہن ملا دیا اور روٹی پکانے کا حکم دیا۔ سالن میں بھی ایسا ہی کیا اور برکت کی دعا کی۔ کھانے میں اتنی زیادتی ہوئی کہ تقریباً ایک ہزار لوگوں نے شکم سیر ہو کر تناول کیا، پھر بھی بچ گیا۔ (۳۱)

ایک دن حضرت ابو طلحہؓ کو حضورؐ کی آواز سے اندازہ ہوا کہ آپؐ شدید بھوک کی حالت میں ہیں۔ چنانچہ وہ گھر آئے اور اپنی بیوی ام سلمہؓ سے کہا کہ گھر میں کھانے کا سامان ہے تو لا کر دو، تاکہ اسے حضورؐ کے سامنے کھانے کے لیے پیش کر دوں۔ بیوی نے چند روٹیاں نکال کر دیں۔ اسے حضرت انسؓ کے ذریعہ خدمت اقدس میں بھیج دیا۔ اس وقت حضورؐ مسجد میں صحابہ کرامؓ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت انسؓ کو دیکھتے ہی نبیؐ نے فرمایا کیا تمہیں طلحہؓ نے کھانا دے کر بھیجا ہے۔ انہوں نے کہا: جی ہاں۔ حضورؐ نے اعلان کر دیا کہ چلو ابو طلحہؓ کے یہاں، سب کی ان کے گھر دعوت ہے۔ سارے صحابہ حضورؐ کے ساتھ چل دیے۔ حضرت انسؓ جلدی سے ابو طلحہؓ کے گھر پہنچے، تاکہ حضورؐ کے آنے کی اطلاع دیں۔ خبر سنتے ہی حضرت ابو طلحہؓ حضورؐ کے استقبال میں گھر سے باہر نکل آئے۔ جب حضورؐ آئے تو ان کو لے کر گھر میں داخل ہوئے۔ حضورؐ نے فرمایا: طلحہؓ تمہارے پاس جو کچھ کھانے کا سامان موجود ہے اسے پیش کر دو۔ انہوں نے وہی روٹیاں حضورؐ کے سامنے کر دیں۔ آپؐ نے حکم دیا کہ ان کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر دو۔ پھر اس پر گھی ڈال دیا۔ حضورؐ نے کچھ پڑھ کر دم کر دیا۔ نبیؐ نے ابو طلحہؓ سے کہا کہ دس دس آدمیوں کو گھر کے اندر لے جاؤ اور انہیں کھلاؤ۔ اس طرح وہ دس دس آدمیوں کو اندر بلاتے اور کھلاتے۔ یہاں تک کہ اس تھوڑے سے طیدے سے ۸۰ لوگوں نے پیٹ بھر کر کھایا پھر بھی بچ گیا۔ (۳۲)

غزوہ تبوک میں کھانے کی سخت قلت ہو گئی۔ صحابہ نے اپنے اونٹوں کو ذبح کرنا شروع کر دیا۔ حضرت عمرؓ نے حضورؐ کی خدمت میں یہ بات رکھی کہ لوگوں کو ایسا کرنے سے منع کیجیے، کیوں کہ ہمارے پاس سواری کی قلت ہے۔ حضورؐ نے اعلان کر دیا کہ جس کے پاس جتنی مقدار

میں کھانے کا سامان ہے، اسے لے کر میرے پاس آجائے۔ جمع شدہ کھانے کا تخمینہ لگایا گیا تو کچھ صاع نکلا۔ حضورؐ نے اس کھانے پر کچھ پڑھ کر دم کر دیا اور اللہ سے زیادتی طعام کی دعا فرمائی۔ پھر آپؐ نے اعلان فرمایا کہ ہر کوئی آکر اپنے برتن اور توشہ دان میں کھانا بھر کر لے جائے۔ سارے لوگوں نے اپنے برتن میں کھانا بھر لیا پھر بھی بچ گیا۔ (۳۳)

حضرت جابر بن عبد اللہؓ بیان کرتے ہیں کہ حدیبیہ کے دن لوگ پانی کی قلت کی وجہ سے پیاسے اور پریشان تھے۔ حضورؐ کے سامنے پانی سے بھرا ایک لوتا تھا۔ آپؐ نے اس سے وضو کرنا چاہا۔ لوگ آپؐ کی طرف دوڑ پڑے۔ آپؐ نے دوڑنے کی وجہ دریافت کی؟ انہوں نے کہا ہمارے پاس پینے کا پانی ہے اور نہ وضو کرنے کا، بس یہی پانی ہے جو آپؐ کے سامنے رکھا ہوا ہے۔ آپؐ نے اپنا ہاتھ لوٹے میں ڈال دیا۔ آپؐ کی انگلیوں سے چشمے کی طرح پانی ایلنے لگا۔ اس پانی کو سارے لوگوں نے پیا بھی اور اس سے وضو بھی کیا۔ (۳۴)

حضرت براء بن عازبؓ بیان کرتے ہیں کہ صلح حدیبیہ میں ہم لوگ چودہ سو آدمی تھے۔ حدیبیہ ایک کنویں کا نام ہے۔ ہم نے اس کا سب پانی کھینچ لیا۔ ایک قطرہ بھی نہ رہا۔ اُس حضرتؐ کنویں کی منڈ پر بیٹھے اور ذرا سا پانی منگوایا۔ کلی کی اور اسے اسی کنویں میں ڈال ڈیا۔ تھوڑی دیر نہیں گزری تھی کہ کنویں میں کثیر پانی جمع ہو گیا۔ ہم نے خوب سیر ہو کر پیا اور ہمارے اونٹ بھی سیر ہو گئے۔ (۳۵)

حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک سفر میں میں نبیؐ کے ساتھ تھا۔ پانی کی قلت ہوئی۔ اُس حضرتؐ نے فرمایا کہ میں کچھ بچا ہوا پانی ہو تو اس کو لے کر آؤ۔ آخر ایک برتن لایا گیا جس میں تھوڑا سا پانی تھا۔ آپؐ نے اپنا ہاتھ اس میں ڈال دیا اور فرمایا آؤ برکت والا پانی لو۔ برکت خدا کی طرف سے ہے۔ حضرت عبد اللہؓ کا بیان ہے کہ میں نے خود دیکھا کہ آپؐ کی انگلیوں میں سے پانی نوارے کی طرح پھوٹ رہا تھا۔ (۳۶)

حضرت ابو ہریرہؓ ایک دن بھوک کی شدت سے ٹھہرا ہوا کہ راستہ میں یہ سوچ کر بیٹھ گئے کہ کوئی آنے جانے والا میری گرسنگی کو دیکھ کر مجھے کھانے کے لیے بلا لے۔ تھوڑی دیر کے بعد وہاں سے حضرت ابو بکرؓ گزرے۔ ابو ہریرہؓ نے ان کو روک لیا اور قرآن کی آیت پوچھی۔ غرض یہ تھی کہ وہ میری حالت کو دیکھ کر جان لیں کہ میں بھوکا ہوں اور میرے لیے کھانے کا کچھ انتظام

کردیں۔ ابو ہریرہؓ نے قرآن کے متعلق جو سوال کیا اس کا جواب دے کر حضرت ابو بکرؓ آگے بڑھ گئے۔ پھر حضرت عمرؓ ادھر سے گزرے انہیں بھی روک کر قرآن کی آیت معلوم کی، مگر وہ بھی سمجھ نہ سکے کہ ابو ہریرہؓ بھوکے ہیں۔ سوال کا جواب دے کر وہ بھی نکل گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد حضورؐ وہاں سے گزر رہے تھے، ابو ہریرہؓ کو دیکھ کر سمجھ گئے کہ وہ بھوکے ہیں۔ انہیں اپنے ساتھ لے کر آئے۔ گھر میں ہدیہ کا ایک پیالہ دودھ رکھا ہوا تھا۔ حضورؐ نے ابو ہریرہؓ سے کہا کہ جاؤ اور فلاں فلاں کو بلاؤ۔ اس پر ابو ہریرہؓ کو ہچکچاہٹ محسوس ہوئی کہ دودھ تو اتنا کم ہے کہ اس سے ایک آدمی اپنی بھوک نہیں مٹا سکتا۔ اس پر مستزاد یہ کہ حضورؐ نے اتنے آدمیوں کو بلانے کا حکم دے دیا ہے۔ بہر حال جب لوگ آئے اور اپنی اپنی جگہ پر بیٹھ گئے تو آپؐ نے ابو ہریرہؓ سے فرمایا ان سب کو دودھ پلاؤ۔ وہ بالترتیب دودھ کا پیالہ بڑھاتے چلے گئے۔ سارے لوگوں نے پیٹ بھر کر اسے پیا۔ پھر حضرت ابو ہریرہؓ نے پیا، وہ بھی شکم سیر ہو گئے۔ آخر میں نبیؐ نے پیالہ ہاتھ میں لیا اور جو بچا تھا اسے بسم اللہ کہہ کر پی لیا۔ (۳۷)

شفائے امراض

اگر کسی بیمار کو اپنی کیمیائی نظر سے حضرت عیسیٰؑ اچھا کر سکتے تھے اور یہ ان کا معجزہ شمار کیا جاتا ہے اور اسے تسلیم بھی کیا جاتا ہے تو حضورؐ کے متعلق اس قسم کی باتوں کا انتساب تعجب کی بات نہیں۔ حضورؐ کے ایسے بہت سے واقعات ہیں جو صحیح سند سے ہم تک پہنچے ہیں اور اس کا تفصیل سے ذکر ہوا ہے کہ آپؐ کی دعا سے یا آپؐ کا لعاب دہن لگانے سے، یا بیمار پر ہاتھ رکھ دینے سے یا پانی چھڑک دینے سے بیماری ایسے ختم ہو جاتی جیسے وہ شخص کبھی بیمار ہی نہ پڑا ہو۔ ایسے چند واقعات کا یہاں ذکر کیا جاتا ہے۔ یہ بھی آپؐ کا معجزہ ہے۔

غزوہ خیبر میں باوجود بسیار کوشش کے دشمن مغلوب ہونے کی پوزیشن میں نظر نہیں آرہے تھے۔ آپؐ نے جنگ کا علم حضرت علیؓ کو دینے کے لیے بلا لیا۔ معلوم ہوا کہ وہ آشوب چشم میں مبتلا ہیں۔ پھر بھی آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپؐ نے ان کی آنکھوں میں پانی پالعا لعاب دہن مل دیا اور دم کر دیا۔ اس کے بعد ان کی بیماری ایسی جاتی رہی کہ معلوم ہو رہا تھا کہ ان کو یہ بیماری لاحق ہی نہیں ہوئی تھی۔ (۳۸)

ایک عورت حضورؐ کی خدمت میں اپنے بچہ کو لے کر حاضر ہوئی اور کہا اے اللہ کے رسولؐ یہ میرا بچہ ہے، جو بولتا نہیں ہے۔ آپ اللہ سے دعا کر دیجیے کہ اس کو گویائی عطا کر دے۔ آپ نے پانی منگایا اور اس میں کلی کی اور کہا کہ یہ پانی اسے پلا دو اور تھوڑا اس پر چھڑک دو، اللہ نے چاہا تو اسے شفا مل جائے گی۔ دوسرے سال وہ عورت حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کی کہ اب میرا بچہ اچھا ہو گیا ہے اور وہ بولنے لگا ہے۔ (۳۹)

غزوہ حنین میں حضرت خالد بن ولیدؓ کے پاؤں میں کاری زخم لگا۔ جب لڑائی ختم ہو گئی تو آپؐ کو ان کے زخمی ہونے کی اطلاع ملی۔ آپ ان کے پاس تشریف لے گئے۔ دیکھا کہ وہ کجاوے سے ٹیک لگائے بیٹھے ہیں۔ آپ نے ان کے زخم پر اپنا لعاب دہن مل دیا۔ اس کے بعد ان کا زخم اچھا ہو گیا۔ (۴۰)

حضرت عبداللہ بن عتیکؓ ابورافع یہودی کا قتل کر کے لوٹ رہے تھے تو وہ قلعہ کے زینہ سے ٹھوکر کھا کر گر پڑے۔ اس سے ان کی ٹانگ میں سخت چوٹ آ گئی اور وہ شدید تکلیف میں مبتلا ہو گئے۔ آپؐ نے ان کی ٹانگ پر ہاتھ پھیر دیا۔ اس کے بعد وہ اچھے ہو گئے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ان کو چوٹ ہی نہ لگی تھی۔ (۴۱)

پیشین گوئیاں

مستقبل میں کیا ہونے والا ہے اور کس کے ساتھ کیا معاملہ پیش آئے گا اللہ کے سوا کسی کو اس کا علم نہیں۔ لیکن اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے پیغمبروں کو بعض وجوہ سے بعض چیزوں کے متعلق پہلے ہی خبر دے دیتا ہے، تاکہ لوگ ہلاکت کے خوف سے اللہ اور اس کے رسول کے حکم سے رد گردانی نہ کریں اور وہ اپنے اعمال اور افعال کا محاسبہ کر کے اچھا عمل کریں اور اس سے عبرت حاصل کریں۔ ایسے بہت سے واقعات ہیں جن کی نشان دہی آپؐ نے قبل از وقت کر دی اور وقت آنے پر وہ رونما ہوا اور اسی طرح ہوا جس طرح کہ رسولی نے فرمایا تھا۔ اس سے ہرگز یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ رسولؐ عالم الغیب تھے۔ غیب کا علم تو اللہ ہی کو ہے۔ البتہ اللہ تعالیٰ ان غیبی باتوں میں سے بعض باتوں کا علم مخصوص ذرائع سے اپنے نبی کو عطا کر دیتا ہے، جو ان کا معجزہ قرار پاتا ہے۔ ایسے معجزات کی تعداد بھی بہت ہے۔ چند کا یہاں ذکر کیا جاتا ہے۔

غزوہ خندق کے موقع پر صحابہ کرام خندق کی کھدائی میں مصروف تھے۔ کھودتے کھودتے ایک سخت چٹان آپڑی جو ٹوٹتی نہ تھی۔ صحابہ نے حضورؐ سے آکر اس پریشانی کا ذکر کیا۔ حضورؐ تشریف لے گئے اور کدال ہاتھ میں لی اور بسم اللہ کہہ کر ایک ضرب لگائی تو ایک ٹکڑا ٹوٹ گیا۔ آپؐ نے فرمایا اللہ اکبر مجھے ملک کی شام کی کنجیاں دی گئی ہیں۔ واللہ میں اس وقت وہاں کے سرخ محلوں کو دیکھ رہا ہوں۔ پھر دوسری ضرب لگائی تو ایک دوسرا ٹکڑا ٹوٹ کر الگ ہو گیا۔ آپؐ نے فرمایا واللہ میں اس وقت مدائن کا سفید محل دیکھ رہا ہوں۔ پھر تیسری ضرب لگائی تو باقی ماندہ حصہ ٹوٹ گیا۔ پھر آپؐ نے فرمایا اللہ اکبر مجھے یمن کی کنجیاں دی گئی ہیں۔ واللہ میں اس جگہ سے صنعا کے پھانک کو دیکھ رہا ہوں۔ (۳۲)

دنیا نے بہت جلد دیکھ لیا کہ حضورؐ نے جس انداز اور ترتیب سے پیشین گوئی کی تھی وہ پوری ہوئی اور ان ملکوں پر مسلمانوں نے فتح پائی۔

اسی طرح آپؐ نے سرزمین عرب میں امن و امان کی پیشین گوئی کی تھی کہ عنقریب وہ دن آئے گا کہ ایک عورت تنہا حیرہ سے چل کر خانہ کعبہ کا طواف کرنے آئے گی اور اسے کوئی خوف نہ ہوگا۔ (۳۳) بہت جلد پورے عرب میں ایسی فضا بن گئی کہ کسی کو کسی سے کوئی خطرہ لاحق نہ ہوتا۔ غزوہ بدر میں جنگ کے آغاز سے قبل آپؐ صحابہ کرام کو لے کر مقام جنگ کا معائنہ کرنے گئے۔ چلتے جاتے اور فرماتے جاتے کہ اس مقام پر فلاں کافر مارا جائے گا اور اس مقام پر فلاں۔ صحابہ کرام کا بیان ہے کہ نبیؐ نے جس مقام پر جس کافر کے قتل کیے جانے کی خبر دی تھی عین اسی مقام پر اس کافر کا قتل ہوا اور اس کی لاش خون میں لت پت پائی گئی۔ (۳۴)

ام درقہ ایک صحابیہ ہیں۔ انہوں نے جنگ بدر کے وقت نبیؐ سے اس میں شرکت کی اجازت مانگی۔ آپؐ نے منع کر دیا اور فرمایا اپنے گھر میں ہی رہو، تمہیں شہادت نصیب ہوگی۔ چنانچہ زندگی میں ہی وہ شہید کہلانے لگیں۔ حضرت عمرؓ کا زمانہ خلافت آیا تو ان کے غلام اور لونڈیوں نے تل کر ان کی گلا گھونٹ دیا۔ اس طرح گھر بیٹھے انہوں نے شہادت کا درجہ پایا۔ (۳۵) حضورؐ نے اپنے مرض الوفا میں حضرت فاطمہؓ کے کان میں آہستہ سے کہا کہ میرے اہل خانہ میں سب سے پہلے تم مجھ سے ملو گی۔ چنانچہ حضورؐ کے وصال کے بعد سب سے پہلے حضرت فاطمہؓ کا ہی انتقال ہوا۔ (۳۶)

مآخذ و مراجع

- (۱) محمد عبدالباقی الزرقانی، شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیہ، مطبعہ الازہریہ، مصر، ۱۳۲۶ھ، ج: ۵، ص: ۸۰۔
- (۲) سید ابوالاعلیٰ مودودی، سیرت سرور عالم، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی، ۲۰۰۵ء، ج: ۱، ص: ۳۳۵۔
- (۳) سید سلیمان ندوی، سیرۃ النبیؐ، دارالمصنفین شعلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، ۲۰۰۳ء، ج: ۳، ص: ۳۳۵۔
- (۴) صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب وجوب الایمان برسالۃ نبیا محمد علیٰ جمیع روح الملک بکنتہ سیرۃ النبیؐ، ج: ۳، ص: ۱۵۰۔
- (۵) ڈاکٹر عبدالقادر جیلانی، اسلام، بغیر اسلام اور مستشرقین مغرب کا انداز فکر، اریب پبلیکیشنز، نئی دہلی، ۲۰۰۷ء، ص: ۲۱۵۔
- (۶) ڈاکٹر محمد سعید رمضان البوطی، فقہ السیرۃ النبویہ، دارالفکر، بیروت، لبنان، ۱۹۹۱ء، ص: ۱۰۹۔
- (۷) نسیم الریاض، شرح شفاء قاضی عیاض
- (۸) شیخ عبدالحق محدث دہلوی، مدارج النبوة، مکتبہ دانش دیوبند، ۱۹۸۱ء، ج: ۱، قسط: ۳، ص: ۱۰۱۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی، تفہیم القرآن ج: ۴، الدخان، حاشیہ: ۱۳۔
- (۹) ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، ج: ۶، ص: ۵۸۳۔
- (۱۰) سیرۃ النبیؐ، ج: ۳، ص: ۶۱۔
- (۱۱) فقہ السیرۃ النبویہ، ص: ۱۱۱۔
- (۱۲) مولانا محمد ادریس کاندھلوی، سیرۃ المصطفیٰ، دارالکتاب، دیوبند، ج: ۳، ص: ۴۲۷-۴۲۸۔
- (۱۳) ابن اسحاق، سیرت ابن اسحاق، ملی پبلیکیشنز، نئی دہلی، ۲۰۰۹ء، ص: ۹۴۔
- (۱۴) عہد نامہ قدیم، کتاب استثناء، باب: ۱۸، آیات: ۱۵-۱۹، یوحنا، باب: ۱، آیات: ۱۹-۲۱، باب: ۱۳، آیات: ۱۵-۱۷ اور ۲۵-۳۰، باب: ۱۵، آیات: ۲۵-۲۶، متی: باب: ۲۱، آیات: ۳۳-۳۶۔
- (۱۵) مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی، تفہیم القرآن، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، دہلی، ۲۰۰۱ء، ج: ۲، ص: ۸۵۔
- (۱۶) مدارج النبوت، ج: ۲، قسط: ۳، ص: ۲-۳۔
- (۱۷) حافظ ابن کثیر دمشقی، البدایہ والنہایہ، دارالریان للتراث، قاہرہ، ۱۹۸۸ء، ج: ۲، جزو: ۳، ص: ۱۱۶-۱۲۰۔

- (۱۹) صحیح البخاری، کتاب التفسیر، باب قولہ اشق القمر۔ کتاب المناقب، باب سوال المشرکین ان یریمہ الی النبی۔ صحیح مسلم، کتاب صفات المناقب، باب انشقاق القمر۔ جامع الترمذی، ابواب التفسیر، باب تفسیر سورہ قمر
- (۲۰) جامع الترمذی، ابواب التفسیر، باب تفسیر سورہ قمر
- (۲۱) ایضاً
- (۲۲) ایضاً
- (۲۳) سیرۃ النبیؐ، ج: ۳، ص: ۳۷۹
- (۲۴) مولانا امین احسن اصلاحیؒ، تدریس قرآن، فاران فاؤنڈیشن، لاہور، ۱۹۷۹ء، ج: ۸، ص: ۹۲
- (۲۵) ڈاکٹر محمد حمید اللہ، بیغیر اسلام، علی بلیکیشنز، نئی دہلی، ۲۰۰۹ء، ص: ۱۳۳
- (۲۶) تفسیر القرآن، ج: ۶، ص: ۸۰
- (۲۷) سیرۃ النبیؐ، ج: ۳، ص: ۳۳۷-۳۳۸
- (۲۸) ایضاً، ج: ۳، ص: ۳۳۸
- (۲۹) ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم
- (۳۰) فتح الباری، کتاب الصلوٰۃ، باب کیف فرضت الصلوٰۃ فی الاسرا
- (۳۱) صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ الخندق
- (۳۲) ایضاً، کتاب المناقب، باب علامات النبوت فی الاسلام
- (۳۳) صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب من نفی بالایمان وهو غیر فاک فیہ
- (۳۴) صحیح البخاری، کتاب المناقب، باب علامات النبوت
- (۳۵) ایضاً
- (۳۶) ایضاً
- (۳۷) ایضاً، کتاب الرقاق، باب کیف کان عیش النبیؐ
- (۳۸) صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ خیبر ومناقب علی
- (۳۹) سنن ابن ماجہ، ابواب الطب، باب النثرۃ
- (۴۰) مسند احمد، ج: ۴، ص: ۸۸
- (۴۱) صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب قتل ابی رافع
- (۴۲) سنن نسائی، کتاب الجہاد، باب غزوۃ التمرک والحبیثہ
- (۴۳) صحیح البخاری، کتاب المناقب، باب علامات النبوت
- (۴۴) صحیح مسلم، کتاب الجہاد، باب غزوۃ بدر۔ سنن ابی داؤد، کتاب الجہاد، باب فی الاسیرینا من الضرب
- (۴۵) سنن ابی داؤد، کتاب الصلوٰۃ، باب المذۃ النساء
- (۴۶) صحیح البخاری، کتاب المناقب، باب علامات النبوت فی الاسلام



باب پنجم

معراج نبوی ﷺ کی حقیقت

تجلیات ربانی کا مشاہدہ اور بارگاہ الہی میں حضوری اور ہم کلامی کے واقعات انبیائے کرام کے ساتھ خاص ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں یہ شرف کبھی آسمان پر بلا کر عطا کرتا ہے تو کبھی روئے زمین کے کسی خاص حصے پر۔ کبھی یہ خواب کی حالت میں حاصل ہوتا ہے تو کبھی بیداری کی حالت میں۔ یہی واقعات انبیاء کی معراج کہلاتے ہیں۔ اس اعزاز سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی مشرف ہوئے۔ لیکن معترضین اسلام انبیائے سابقین کی معراج کو تسلیم کرتے ہیں، مگر حضورؐ کے متعلق یہ الزام عائد کرتے ہیں کہ مسلمانوں نے انبیائے سابقین کے ہم پلہ ثابت کرنے کے لیے نبیؐ سے معراج کو منسوب کر دیا ہے۔

بعض انبیاء سابقین کے واقعات معراج

سابقہ آسمانی کتابوں کے مطابق حضرت یعقوبؑ کو اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی کا شرف روئے زمین پر حاصل ہوا۔ (۱) حضرت موسیٰؑ کا تجلیات ربانی کے مشاہدہ کا واقعہ مشہور ہے۔ حضرت عیسیٰؑ کے متعلق بھی معراج کا پتا چلتا ہے۔۔۔ سعادہ نبی کے روحانی واردات کے ذکر میں عہد نامہ قدیم کی عبارتیں بہ کثرت پائی جاتی ہیں۔ (۲) قرآن میں بھی بعض انبیاء کے رفع سادات، سیر سادات اور رب کی حضوری و ہم کلامی کا کہیں واضح تو کہیں مبہم اشارہ ملتا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کی سیر سادات کے ذکر میں فرمایا گیا:

وَكَذَلِكَ نُرِيّٰ اِبْرٰهِيْمَ مَلٰكُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ
(الانعام: ۷۵)

وَلِيَعْلَمَنَّ الْمُوْقِنِيْنَ ۝۹

”ابراہیمؑ کو ہم اسی طرح زمین و آسمان کا نظام سلطنت دکھاتے تھے، اور اس لیے دکھاتے تھے کہ وہ یقین کرنے والوں میں سے ہو جائیں۔“

حضرت موسیٰؑ کی وہم کلامی کے واقعات کا ذکر قدرے تفصیل سے ملتا ہے۔ ایک جگہ فرمایا گیا ہے:

وَلَمَّا جَاءَ مُوسَىٰ لِمِيقَاتِنَا وَكَلَّمَهُ رَبُّهُ ۚ قَالَ رَبِّ اَرِنِي ۚ
 اَنْظُرْ اِلَيْكَ ۚ قَالَ لَنْ نَرٰنِي وَ لٰكِنْ اَنْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنْ
 اسْتَقَرَّ مَكَانَهُ فَسَوْفَ تَرٰنِي ۚ فَلَمَّا تَجَلَّى رَبُّهُ لِلْجَبَلِ جَعَلَهُ
 دُكًا ۚ وَ خَرَّ مُوسٰى صَعِيْقًا ۚ فَلَمَّا اَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَكَ تُبْتُ
 اِلَيْكَ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ (الاعراف: ۱۳۳)

”اور جب موسیٰؑ ہمارے مقرر کیے ہوئے وقت پر پہنچا اور اس کے رب نے اس سے کلام کیا تو اس نے التجا کی اے میرے رب مجھے یارائے نظر دے کہ میں تجھے دیکھوں۔ فرمایا: تو مجھے نہیں دیکھ سکتا۔ ہاں ذرا سامنے کے پہاڑ کی طرف دیکھ۔ اگر وہ اپنی جگہ قائم رہ جائے تو ابدتہ تو مجھے دیکھ سکے گا۔ چنانچہ اس کے رب نے جب پہاڑ پر تجلی کی تو اسے ریزہ ریزہ کر دیا اور موسیٰؑ غش کھا کر گر پڑا۔ جب ہوش آیا تو بولا: پاک ہے تیری ذات، میں تیرے حضور توبہ کرتا ہوں اور سب سے پہلا ایمان لانے والا میں ہوں۔“

حضرت عیسیٰؑ کے رفع سموات کے متعلق فرمایا گیا:

وَمَا قَتَلُوهُ يَقِيْنًا ۖ بَلْ رَفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ۚ (النساء: ۱۵۸)

”انہوں نے مسیح کو یقیناً قتل نہیں کیا، بلکہ اللہ نے اس کو اپنی طرف اٹھالیا۔“

انہیں واقعات کو انبیاء کی معراج سمجھا گیا ہے اور اکثر انبیاء کے متعلق اس کے ماننے والوں نے اس قسم کی کیفیات کا ذکر کیا ہے۔ اس سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ اگر یہ واقعات معراج سے تعلق رکھتے ہیں تو اس شرف سے تمام انبیاء بہرہ ور ہوئے۔ علامہ سید سلیمان ندویؒ لکھتے ہیں:

”انبیاء علیہم السلام کے روحانی حالات اور واقعات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اولوالعزم پیغمبروں کو آغاز نبوت کے کسی خاص وقت اور مخصوص ساعت میں یہ منصب رفیع حاصل ہوتا ہے اور اس وقت شرائط رویت کے تمام مادی پردے ان کی آنکھوں

کے سامنے سے ہٹا دیے جاتے ہیں۔ اسباب سماعت کے دنیاوی قوانین ان کے لیے منسوخ کر دیے جاتے ہیں۔ قیود زمانی و مکانی کی تمام فرضی چیزیں ان کے پاؤں سے کاٹ ڈالی جاتی ہیں۔ آسمان و زمین کے مخفی مناظر بے حجابانہ ان کے سامنے آتے ہیں اور اس کے بعد نور کا حلقہ بہشتی بہمن کرفرشتوں کے روحانی جلوس کے ساتھ بارگاہ الہی میں پیش ہوتے ہیں اور اپنے اپنے رتبہ اور درجہ کے مناسب مقام پر کھڑے ہو کر فیض ربانی سے معمور اور غرق در ریائے نور ہو جاتے ہیں یہاں تک کہ بعض مقرران خاص کو یہ درجہ عطا ہوتا ہے کہ وہ حریم خلوت گاہ میں بارپاکر 'قَابِ قَوْسَيْنِ' (دو کمانوں کے فاصلہ) سے بھی نزدیک ہو جاتے ہیں اور پھر وہاں سے اپنے منصب کا فرمان خاص لے کر اسی کاشانہ آب و خاک میں واپس آ جاتے ہیں۔" (۳)

معراج نبوی صلی اللہ علیہ وسلم معترضین کی نظر میں

رفع سادات و سیر سادات اور تجلیات الہی کے مشاہدہ کرنے کی اس غیر واضح اور مبہم شکل کو جب انبیاء سابقین کی معراج تسلیم کیا جاتا ہے تو نبیؐ کے واقعہ رفع سادات کو بھی معراج کی اعلیٰ شکل کے طور پر ہی تسلیم کیا جانا چاہیے۔ معراج نبوی کی خصوصیت یہ ہے کہ بارگاہ لامکاں میں آپ کو وہاں تک رسائی حاصل ہوئی جہاں تک کسی فرزند آدم کے قدم اس سے پہلے نہیں پہنچے تھے اور نہ کسی نے ان چیزوں کا مشاہدہ کیا تھا جو حضورؐ نے کیا۔ نبیؐ کی معراج کی اس اعلیٰ و ارفع شکل کو جو دلائل سے ثابت ہے، تسلیم کرنے میں معترضین کو قباحہ ہوتی ہے اور جب انکار کی کوئی شکل نہیں رہ جاتی تو اس کی صداقت کا پیمانہ سائنس کو بنایا جاتا ہے۔ کوئی ضروری نہیں کہ اللہ کی ہر صناعتی اور کارگیری اس خود ساختہ پیمانہ پر پوری اتر جائے۔ چنانچہ معترضین کی اس پریشان خیالی پر تنقید کرتے ہوئے ڈاکٹر عبدالقادر جیلانی لکھتے ہیں:

”ان تحریری شہادتوں کی بنیاد پر معراج نبویؐ پر شک و شبہ، حرف گیری یا تسخیر محض لغویت ہی کہلا سکتی ہے۔ ایک عام آدمی کے ہوا میں اڑنے کا ناقابل یقین واقعہ صرف اس لیے انسانی ٹیکلو پیڈیا میں جگہ پاسکتا ہے کہ اس کے راوی اور شاہد سب کے سب مغربی تھے۔ انبیاء بنی اسرائیل کی وارداتوں کو صرف اس لیے تسلیم کیا جاتا ہے کہ وہ انجیل مقدس میں تحریر ہیں۔ لیکن تمام انبیاء کے سردار کی اس قسم کی واردات اس لیے زیر بحث

آتی ہیں کہ ان کا تعلق مغربی عقیدے سے نہیں ہے۔ کیا خوب منطق ہے کہ الیس تو خداوند یسوع مسیح کو بلند یوں پر لے جاسکتا ہے۔ لیکن رب العالمین اپنے رسول کو (نعوذ باللہ) معراج سے سرفراز نہیں کر سکتا۔ یہی واقعہ اسلامی لٹریچر میں ہوتو توری پر پل پڑنے لگیں، لیکن اس کا چرہ بدانتہ کا قلم اتارے تو عہد وسطی کا شہ پارہ کہلائے۔“ (۴)

انبیائے کرام کو معراج کیوں کرائی جاتی ہے؟

اللہ تعالیٰ اپنے محبوب بندوں کو انتہائی سخت گھڑی میں لوگوں کی ہدایت کے لیے نبی بنا کر مبعوث فرماتا ہے۔ یہ پاک نفوس مصائب و مشکلات کی چکی میں پسے کے باوجود فریضۃ الہی کی تکمیل و ترسیل میں مصروف اور راضی بہ رضارہتے ہیں اور کوئی شکوہ و گلہ نہیں کرتے۔ اس طرح کے حالات میں اللہ تعالیٰ انہیں اپنی قربت سے نوازتا اور کلام و پیام سے ان کے حوصلوں کو مزید بلند کرتا ہے، تاکہ اس فضیلت سے سرشار ہو کر وہ اپنے مشن میں ثابت قدم رہیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمیشہ آزمائش کے بعد ہی خدائی اعزاز و انعام حاصل ہوتا ہے اور ایسا ہر پیغمبر کے ساتھ ہوا ہے۔ (۵)

معراج نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی تمہید

کفار مکہ کی عداوت مسلمانوں کے تین روز بہ روز بڑھتی اور خود حضور کے لیے مکہ کی سرزمین تنگ ہوتی جا رہی تھی۔ پیغام رسانی اور خلق اللہ کی ہدایت کے لیے طائف کا سفر بھی کیا، مگر وہاں بھی کامیابی نہ ملی اور دل برداشتہ ہو کر مکہ لوٹ آئے اور غور و فکر میں غرق ہو گئے۔ اس پریشانی اور فکر کو دیکھ کر اللہ تبارک و تعالیٰ آپ کو تسلی دیتا ہے:

فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَفْسِكَ عَلَىٰ آثَارِهِمْ إِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوا بِهٰذَا
الْحَدِيثِ أَسَفًا ۝ (الکہف: ۶)

”اچھا تو اے نبی، شاید تم ان کے پیچھے غم کے مارے اپنی جان کھودینے والے ہو، اگر یہ اس تعلیم پر ایمان نہ لائے۔“

لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَفْسِكَ أَلَّا يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ ۝ (الشراء: ۳)

”اے نبیؐ، شاید تم اس ختم میں اپنی جان کھودو گے کہ یہ لوگ ایمان نہیں لاتے۔“
اس طرح کے حالات سے نبیؐ دوچار تھے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت جوش میں آئی اور اپنے محبوب کی قلبی تسکین اور ان کی خدمات کو سراہنے، یہاں تک کہ آئندہ کے لیے مرکز دعوت کی وضاحت کے لیے اپنے حضور میں بلانے کا حکم دیا۔ چنانچہ آپ کو نہایت اعزاز و اکرام کے ساتھ رب کی حضوری حاصل ہوئی۔ علامہ سید سلیمان ندویؒ لکھتے ہیں:

”جب اسلام کی سخت اور پرخطر زندگی کا باب ختم ہونے والا تھا اور ہجرت کے بعد مطمئن و سکون کے ایک نئے دور کا آغاز ہونے والا تھا، وہ شب مبارک آئی اور شب مبارک میں وہ ساعت ہمایوں آئی جو دیوانِ قضا میں سرورِ عالم کی سیرِ ملکوت کے لیے مقرر تھی اور جس میں پیش گاہِ ربانی سے احکام خاص کا اجرا اور نفاذِ عمل میں آنے والا تھا۔ رضوانِ جنت کو حکم ہوا کہ آج مہمانِ سرائے غیب کو نئے ساز و برگ سے آراستہ کیا جائے۔ شاہدِ عالم یہاں مہمانِ بن کر آئے گا۔ روح الامین کو فرمان پہنچا کہ وہ سواری جو بجلی سے زیادہ تیز گام اور روشنی سے زیادہ سبک خرام ہے اور جو خطہ لاہوت کے مسافروں کے لیے مخصوص ہے، حرمِ ابدانیم (کعبہ) میں لے جا کر حاضر ہو اور کارکنانِ عناصر کو حکم ہوا کہ مملکتِ آب و خاک کے تمام احکام و قوانین تھوڑی دیر کے لیے معطل کر دیے جائیں اور زمان و مکاں، سفر و اقامت، رویت و سماعت، بحاطبِ کلام کی تمام طبعی پابندیاں اٹھادی جائیں۔“ (۶)

قرآن کریم میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج کا ذکر

نبی کریمؐ کی معراج کا ذکر قرآن کریم میں مجمل انداز میں مگر تعین کے ساتھ کیا گیا ہے۔ البتہ سورہٴ نجم میں جو تفصیلات آئی ہیں ان کا تعلق رویت سے ہے۔ یہ رویت کس کی تھی، اس سے یہاں بحث نہیں ہے۔ کبار صحابہ اور علمائے اسلام نے اس رویت کا مقام محل واقعہ معراج کو ہی قرار دیا ہے۔ (۷) سورہٴ بنی اسرائیل کی ابتدائی آیت میں سفر معراج کے متعلق فرمایا گیا ہے:

سُبْحَنَ الَّذِي أَسْرَى بِعَبْدِهِ لَيْلًا مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَى
الْمَسْجِدِ الْأَقْصَا الَّذِي بَرَكْنَا حَوْلَهُ لِنُرِيَهُ مِنْ آيَاتِنَا إِنَّهُ هُوَ
السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ①
(بنی اسرائیل: ۱)

”پاک ہے وہ جو نے کیا ایک رات اپنے بندے کو مسجد حرام سے دور کی اس مسجد (مسجد اقصیٰ) تک جس کے ماحول کو اس نے برکت دی ہے، تاکہ اسے اپنی کچھ نشانوں کا مشاہدہ کرائے۔ حقیقت میں وہی ہے سب کچھ سننے اور دیکھنے والا۔“

اسی سورہ میں آگے چل کر اس کو لوگوں کے لیے آزمائش قرار دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِي أَرَيْنَاكَ إِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ (نہی اسرائیل: ۶۰)

”اور یہ جو کچھ ابھی ہم نے تمہیں دکھایا ہے، ہم نے ان لوگوں کے لیے ایک فتنہ بنا کر رکھ دیا ہے۔“

سورہ نجم میں جو تفصیلات آئی ہیں اس میں آپ کے ’سدرۃ المنتہیٰ‘ پر پہنچنے اور علی الاختلاف رویت باری تعالیٰ یا جبرئیل کی رویت کا ذکر ہے۔ یقینی بات ہے کہ آپ معراج کے موقع سے ہی اس بلند مقام پر پہنچے تھے۔ چنانچہ فرمایا گیا ہے:

وَلَقَدْ رَآهُ نَزْلَةً أُخْرَىٰ ۖ عِندَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهَىٰ ۖ عِندَهَا جَنَّةُ الْمَأْوَىٰ ۖ إِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشَىٰ ۖ مَا زَاغَ الْبَصَرُ ۖ وَمَا طَغَىٰ ۖ لَقَدْ رَأَىٰ مِنْ آيَاتِ رَبِّهِ الْكُبْرَىٰ ۖ (النجم: ۱۳-۱۸)

”اور ایک مرتبہ پھر اس نے ’سدرۃ المنتہیٰ‘ کے پاس اس کو اترتے دیکھا، جہاں پاس ہی جنت المادویٰ ہے۔ اس وقت سدرہ پر چھار ہاتھ جو کچھ کہ چھار ہاتھ۔ نگاہ نہ چونہ میاؤں، نہ حد سے تجاوز ہوئی اور اس نے اپنے رب کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں۔“

ان آیات سے واضح ہوتا ہے کہ آپ ایک رات ارض خاکی کی سیر کرتے ہوئے آسمان دنیا پر پہنچے اور وہاں سے اپنے رب کی حضوری حاصل کی۔

معراج نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی تفصیل احادیث کی روشنی میں

آیات قرآنی سے اسراء یعنی مسجد اقصیٰ تک جانے کی وضاحت ہوتی ہے۔ وہاں پہنچنے کے بعد کیا واقعات پیش آئے، پتا نہیں چلتا۔ لیکن احادیث مبارکہ میں اس کی تفصیل ملتی ہے۔ بعض احادیث میں معراج کے سفر کو بیان کیا گیا ہے، بعض کے ذریعہ اس کے مناظر بیان کیے گئے

ہیں، بعض میں قوموں اور ملکوں کے حالات بیان ہوئے ہیں اور بعض میں جنت و جہنم کے مشاہدات کا ذکر ہے۔ یہاں ان احادیث کا حاصل اختصار کے ساتھ نقل کیا جاتا ہے:

ایک رات نبی حرم شریف کے ایک خاص مقام 'حطیم' میں لیٹے ہوئے تھے۔ حضرت جبریل تشریف لائے، آپ کو بیدار کیا، زم زم کے پاس لے گئے اور لٹا دیا اور آپ کے سینہ مبارک کو چاک کیا، دل نکالا، اسے آب زم زم سے دھویا اور ایمان و حکمت کی باتیں آپ کے سینہ میں ڈال کر سینہ کو بند کر دیا۔ پھر ایک خاص سواری 'براق' لائی گئی۔ اس پر دونوں سوار ہوئے اور مسجد اقصیٰ کی طرف روانہ ہوئے۔ راستے میں بہت سے اہم اور تاریخی مقامات آئے جہاں جبریل کے کہنے پر آپ نے نماز نفل ادا کی۔ یہاں تک کہ آپ مسجد اقصیٰ پہنچے، نفل نماز پڑھنے کے بعد آپ کے لیے ایک سیڑھی لائی گئی اس کے ذریعہ دونوں آسمان پر چڑھے۔ پہلے آسمان پر پہنچے تو جبریل نے اندر داخل ہونے کے لیے دربان سے دروازہ کھولنے کو کہا۔ دربان نے آنے کی وجہ پوچھی تو بتایا گیا کہ میرے ساتھ محمد ہیں اور انہیں بلایا گیا ہے۔ دربان نے دروازہ کھول دیا۔ دونوں آدمی اندر داخل ہوئے۔ یہاں حضور کی ملاقات حضرت آدم سے ہوئی۔ سلام و کلام کے بعد آدم نے آپ کی آمد پر خوشی کا اظہار کیا۔ یہاں سے پھر دوسرے آسمان پر چڑھے۔ یہاں کے دربان نے بھی وہی سوال کیا جو پہلے نے کیا تھا اور جبریل نے بھی وہی جواب دیا جو پہلے دیا تھا۔ چنانچہ دروازہ کھولا گیا اور آپ اندر داخل ہوئے۔ یہاں حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ سے آپ کی ملاقات ہوئی۔ سلام و کلام کے بعد انہوں نے بھی آپ کی آمد پر خوشی کا اظہار کیا۔ پھر تیسرے آسمان پر چڑھے، یہاں حضرت یوسف سے ملاقات ہوئی، چوتھے آسمان پر حضرت ادریس سے، پانچویں پر حضرت ہارون سے، چھٹے پر حضرت موسیٰ سے اور ساتویں پر حضرت ابراہیم سے ملاقات ہوئی۔ سب نے آپ کی تشریف آوری پر خوشی کا اظہار کیا۔ اس کے بعد آپ کو اللہ تعالیٰ کے اتنے قریب لے جایا گیا کہ فرشتوں کے قدم کے چلنے کی آواز آپ کو سنائی دے رہی تھی۔ وہاں سے آپ اور اوپر چلے اور سدرۃ المنتہیٰ پر گئے۔ یہاں کی چار نہروں کو آپ نے دیکھا جو مختلف نوعیت کی تھیں اور جن کے دھارے بھی مختلف تھے۔ یہاں سے اور اوپر چلے تو بیت المعمور پر تشریف لے گئے۔ اس کے بعد آپ کی خدمت میں دودھ اور شراب کا پیالہ پیش کیا گیا۔ آپ نے دودھ کے پیالہ کا انتخاب کیا۔ پھر آپ اللہ تعالیٰ کے اتنا قریب ہوئے کہ قوسین یا اس سے کم

فاصلہ رہ گیا تو اللہ تعالیٰ نے آپ پر وحی کی جو کچھ وحی کرنی تھی۔ اللہ نے آپ کو اس وقت پچاس نمازوں کا عطیہ عنایت کیا، مگر بعد میں گھٹ کر ۵ وقت کی نمازیں رہ گئیں۔ اس کے علاوہ آپ کو قرآن کریم کی کچھ آیات اور دوسری چیزیں بھی ملیں۔ جسے لے کر آپؐ بالترتیب نیچے اترے اور پہلے آسمان پر پہنچے اور وہاں سے پھر سیرگی کے ذریعے اتر کر مسجد اقصیٰ میں آئے۔ یہاں آپؐ نے انبیاء کی امامت فرمائی۔ پھر براق پر سوار ہو کر صبح کے اندھیرے میں اسی مقام پر آ گئے جہاں سے یہ سفر شروع ہوا تھا۔ (۸)

معراج سے نصیحت حاصل کریں

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر یہ سفر اور رب کی حضوری کے واقعات نبیؐ کے مقام و مرتبہ کو بلند اور ان کے حوصلے اور عزائم کو مستحکم کرنے کے لیے انتہائی شان سے کرائے گئے تو اس سے عام لوگوں کو کیا فائدہ ہونے والا تھا۔ دراصل اس قسم کا شبہ اسی وقت پیدا ہوتا ہے جب واقعہ کے ایک پہلو پر ہی نظر ہو۔ اللہ تعالیٰ کا کوئی کام مصلحت سے خالی نہیں۔ چنانچہ اس واقعہ کے اثرات و فوائد کی وضاحت کرتے ہوئے ابن اسحاق لکھتے ہیں:

”آپؐ کے اس سفر میں اور اس کے متعلق مذکورہ روایات میں لوگوں کا امتحان اور آزمائش مقصود تھی اور یہ واقعہ اللہ تعالیٰ کی قدرت و سلطنت کا ایک اعجاز ہے جس میں اہل دانش و بینش کے لیے سامان عبرت و ہدایات موجود ہے۔ یہ رحمت خداوندی کی نشانیوں میں سے ایک اہم نشانی ہے اور ایمان لانے والوں، تصدیق کرنے والوں اور اللہ تعالیٰ کے احکام پر یقین رکھنے والوں کے لیے یہ صاف اور صریح تنبیہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی مشیت و ارادہ کے مطابق جس طرح چاہا رسولؐ کو سفر کرایا تاکہ آپؐ کو اپنی نشانیوں میں سے جس قدر نشانیوں کا مشاہدہ کرانا چاہے وہ آپؐ کو کرائے، یہاں تک کہ رسولؐ نے اللہ عز و جل کے کارخانہ، اس کی عظیم سلطنت اور اس کی قدرت کا معائنہ کیا جس کے ذریعہ وہ جو چاہتا ہے کراتا ہے۔ آپؐ نے اس واقعہ کا ذکر لوگوں سے کیا تاکہ وہ اس کی تصدیق کریں۔“ (۹)

اس واقعہ پر کفار و مشرکین کا رد عمل

راتوں رات یعنی فجر سے کچھ پہلے آپ سفر معراج سے لوٹ کر آ گئے۔ صبح ہوئی تو آپ نے اس سفر کی روداد کفار و مشرکین کے سامنے بیان کی۔ اسے سن کر وہ حیرت میں پڑ گئے اور آپ کی تکذیب کرنے لگے اور کہنے لگے کہ اتنا طویل سفر رات کے ایک مختصر حصے میں کیسے طے کیا جاسکتا ہے؟ ایسی بات تو وہی کہہ سکتا ہے جو پاگل اور دیوانہ ہوگا۔ یہاں تک کہ سارا مکہ اس خبر کو سن کر آپ کے گرد جمع ہو گیا اور حیرت و استعجاب میں مختلف قسم کے سوالات کرنے لگا۔ وہ لوگ جو بیت المقدس تک کا کبھی سفر کر چکے تھے اور جنہوں نے اپنی آنکھوں سے اس کو دیکھا تھا انہوں نے مسجد کی ساخت اور اس کے درو دیوار اور دوسری چیزوں کے متعلق آپ سے سوال کیا۔ آپ نے اسے تفصیل سے اور صحیح صحیح بیان کر دیا۔ (۱۰) اس کے باوجود وہ آپ کو جھٹلاتے رہے۔

مسلمانوں پر اس واقعہ کا اثر

بعض روایتوں سے پتا چلتا ہے کہ حضور کے ذریعہ اس خبر کو سن کر بعض مسلمانوں پر بھی غیر معمولی اثر ہوا اور ان کے ایمان ڈگمگانے لگے۔ لوگ بھاگتے ہوئے حضرت ابوبکرؓ کے پاس پہنچے اور کہا کہ رسولؐ کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ آج راتوں رات اتنے دور دراز کے سفر پر جانے اور آنے کی خبر دے رہے ہیں۔ اس پر حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ اگر رسولؐ ایسا فرماتے ہیں تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے؟ سچ کہتے ہیں۔ حضورؐ کی ان باتوں کو سن کر بعض مسلمانوں کو شروع میں تعجب ہوا ہو، یہ کوئی بعید بات نہیں ہے۔ ابن ہشام کا یہ لکھنا کہ اس واقعہ کو سن کر بعض مسلمان مرتد ہو گئے تھے درست نہیں ہے۔ (۱۱) مسلمانوں کے ایمان کا امتحان تو ایسے ہی موقع پر لیا جاتا ہے کہ آیا وہ اپنے ایمان پر ثابت قدم رہتے ہیں یا ڈگمگا جاتے ہیں۔ اس طرح کی تمام روایتوں کی علامہ سید سلیمان ندویؒ نے تردید کی ہے اور ان کے ضعف کو ظاہر کیا ہے، جس سے وہ قابل استدلال نہیں رہتیں۔ آگے وہ لکھتے ہیں:

”اس واقعہ کے انکار کی سب سے پرزور دلیل ہمارے پاس یہ ہے کہ اس وقت تک کہ میں جو اصحاب اسلام لائے تھے، وہ گئے چنے لوگ تھے، جو ہم کو نام بہ نام معلوم ہیں۔ ان میں سے کسی کی پیشانی پر ارتداد کا داغ نہیں۔ واقعہ کی صورت یہ ہو سکتی ہے

کہ کافروں میں بعض لوگ ایسے ہوں گے جو اس سے پہلے آپ کے سخت مخالف نہ ہوں اور اگر آپ کو پیغمبر نہ جانتے ہوں مگر آپ کو مغتری اور کاذب بھی نہ کہتے ہوں، لیکن اس واقعہ معراج کے بعد انہوں نے بھی آپ کے ساتھ اس ٹنگی اور حسن ظن کے خیال کو اٹھا دیا۔ قرآن مجید نے اس کو تفسیر للناس لوگوں کے لیے آزمائش کہا ہے۔ تفسیر للمؤمنین یعنی مومنین اور مسلمانوں کے لیے آزمائش نہیں کہا ہے اور اگر ان کے لیے بھی آزمائش ہو تو اس آیت سے کیا ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اس آزمائش میں پورے نہیں اترے۔“ (۱۲)

واقعہ معراج کب پیش آیا؟

نبی مکہ میں ایک رات آرام فرما رہے تھے کہ اس کے ابتدائی حصے میں جب کہ سارے لوگ سو رہے ہوتے ہیں، آپ کو معراج کے سفر پر لے جایا گیا۔ سورہ نبی اسرائیل کی آیت: اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا سے یہی واضح ہوتا ہے۔ لیکن یہ بحث کے کتنے سال بعد پیش آیا اس میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کی صراحت کے مطابق دس سے بھی زیادہ اقوال سامنے آتے ہیں۔ مشہور قول یہ ہے کہ ہجرت نبویؐ سے ایک سال سات مہینہ قبل ۲۷ ویں رجب کو بدھ کی شب میں یہ واقعہ پیش آیا۔ ابن حجرؒ نے اسی قول کو ترجیح دی ہے۔ (۱۳) علامہ ابن جوزیؒ نے بھی ان اقوال کو نقل کرنے کے بعد ماہ رجب کی مذکورہ تاریخ کو ہی واقعہ کے وقوع کا یقین ظاہر کیا ہے۔ (۱۴) اسی کی تائید علامہ رزقانیؒ کے قول سے بھی ہوتی ہے۔ بلکہ وہ یہ بھی تحریر کرتے ہیں جب کسی قول کو دوسرے قول پر ترجیح دینے کے لیے کافی دلائل موجود نہ ہوں تو مشہور قول کو ہی اختیار کرنا چاہیے۔ (۱۵) علامہ سید سلیمان ندویؒ، (۱۶) سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ، (۱۷) مولانا ادیس کاندھلویؒ (۱۸) اور بعض دوسرے علماء کی بھی یہی رائے ہے۔ قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوریؒ کے مطابق واقعہ معراج ہجرت سے تین سال قبل رجب کے مہینہ میں مذکورہ تاریخ کو پیش آیا۔ (۱۹)

معراج کی روایتیں اور ان کے راوی

تاریخ اسلامی کا یہ مہتمم بالشان واقعہ تو اتر سے ثابت ہے اور بہت سے صحابہ نے اس کو بیان کیا ہے۔ اس میں وہ صحابہ بھی ہیں جو معراج کے وقت مکہ میں موجود تھے اور اس میں مدنی

صحابی بھی ہیں۔ جنہوں نے معراج کی تفصیلات خود نبی اکرمؐ سے سنی ہوگی اور دوسرے مکی صحابہ سے بھی۔ علامہ زرقانی کے بقول یہ واقعہ ۴۵/ صحابہ سے مروی ہے۔ انہوں نے یہ بھی وضاحت کی ہے کہ یہ روایتیں کہاں کہاں ملتی ہیں۔ (۲۰) حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے بھی اسی طرح کی باتیں لکھی ہیں۔ (۲۱) حافظ ابن کثیرؒ نے ان میں سے بہت سی روایتوں کو مع سند تفصیل کے ساتھ نقل کیا ہے۔ (۲۲) یہ روایتیں صحاح ستہ کے مختلف ابواب میں پھیلی ہوئی ہیں۔ مسند احمد بن حنبل اور دوسرے مجموعہ ہائے احادیث میں بھی یہ روایتیں ملتی ہیں۔ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ، ابو ہریرہؓ، عبداللہ بن مسعودؓ، عائشہؓ اور ام ہانیؓ وغیرہ کی روایتوں میں واقعات کے مختلف اجزاء ملتے ہیں جس سے معراج کی اہمیت و معنویت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ خاص طور پر حضرت ابو ذرؓ، حضرت مالک بن صہبہؓ اور حضرت انس بن مالکؓ کی روایتوں میں معراج کی تفصیل بیان ہوئی ہے۔ (۲۳) بعض جزئیات کو چھوڑ کر سارے صحابہ واقعات معراج کی تفصیل ملتی ہے۔ بیش تر مفسرین تاریخ و سیر اور دوسری اسلامی کتابوں میں بھی واقعات معراج کی تفصیل ملتی ہے۔ ان تمام دلائل نے اس واقعہ کو سورہ بنی اسرائیل اور سورہ نجم کی تفسیر کے ذیل میں بیان کیا ہے۔ ان تمام دلائل و شواہد سے واقعات معراج کی حقیقت پر روشنی پڑتی ہے۔ اس لیے اس میں کوئی شک و شبہ نہیں رہ جاتا کہ یہ واقعہ رونما نہیں ہوا تھا۔

معراج جسمانی تھی یا روحانی

حضور اکرمؐ نے جیسے ہی معراج کی روداد کفار و مشرکین کے سامنے بیان کی، سنتے ہی ایک بڑا فتنہ کھڑا ہو گیا۔ یہ انکار و تکذیب خود اس بات کی دلیل ہے کہ معراج جسم کے ساتھ ہوئی تھی اور بیداری کی حالت میں۔ اگر یہ خواب ہوتا تو لوگ اس کی تردید اور تکذیب نہ کرتے۔ خواب میں ہر کوئی محیر العقول کا رتا مہ انجام دے سکتا ہے جس کا تصور بیداری کی حالت میں نہیں کیا جاسکتا۔ سورہ بنی اسرائیل کی ۶۰ ویں آیت سے بھی پتا چلتا ہے کہ یہ خواب نہ تھا اور آپؐ کا یہ سفر جسم کے ساتھ بیداری کی حالت میں ہوا تھا۔ اس واقعہ کے متعلق جیسا کہ ذکر ہوا ہے حضرت ابو بکرؓ نے سنا تو اس کی تصدیق کی اور انہیں صدیق کا لقب ملا۔ (۲۴) خواب کی تصدیق پر صدیق کا لقب دینے کے کیا معنی؟ نیز اگر یہ خواب اور روحانی درادات ہوتی تو ام ہانیؓ اس واقعہ کو بیان

کرنے سے حضورؐ کو نہ روکتیں، جیسا کہ ابن سعد نے صراحت کی ہے۔ (۲۵) اس لیے لامحالہ اسے بیداری کی حالت میں مانا جائے گا اور یہ بھی تسلیم کیا جائے گا کہ یہ جسم اور روح دونوں کے ساتھ واقع ہوا تھا۔

لغت میں رویا کن کن معنوں میں استعمال ہوتا ہے، ایک طویل بحث ہے۔ لیکن رویا کا سب سے اہم اور مشہور معنی یہی ہے کہ کسی چیز کو بیداری کی حالت میں دیکھا جائے۔ آیت مذکور میں لفظ رویا کی تشریح کرتے ہوئے حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہ آنکھ کا مشاہدہ تھا جو نبی اکرمؐ کو دکھایا گیا، جب آپؐ کو رات کے وقت میں بیت المقدس لے جایا گیا۔ (۲۶)

یہ واقعہ آپؐ کے اہم معجزات میں شمار ہوتا ہے۔ اگر یہ خواب ہوتا تو ہرگز معجزہ نہیں کہلاتا۔ اس لیے ائمہ حدیث اور پیش تر علما کا اس پر اتفاق ہے کہ معراج جسم کے ساتھ اور بیداری کی حالت میں ہوئی تھی۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ اور امام نوویؒ لکھتے ہیں:

”نبیؐ کی معراج کے بارے میں لوگوں کا اختلاف ہے۔ کہا گیا ہے کہ یہ سارا واقعہ خواب کی حالت میں پیش آیا۔ لیکن صحیح یہ ہے اور جس پر زیادہ تر لوگوں، سلف صالحین کی بڑی تعداد ہے اور علامۃ المتاخرین میں فقہاء محدثین اور متکلمین سب کا اتفاق ہے کہ معراج آل حضرتؐ کو جسم کے ساتھ ہوئی۔ جو شخص تمام آثار و احادیث کا بہ غائر مطالعہ اور تحقیق کرے گا، اس پر یہ بات واضح ہو جائے گی اور اس ظاہر سے بے دلیل انحراف نہیں کیا جائے گا اور نہ ظاہر پر ان کو محمول کرنے میں کوئی محال لازم آتا ہے جو تاویل کی حاجت ہو۔“ (۲۷)

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے یہاں یہ بحث مزید واضح ہو جاتی ہے کہ یہ سفر جسمانی تھا اور بیداری میں ہوا تھا۔ (۲۸)

جو لوگ معراج جسمانی کے قائل نہیں ہیں وہ اپنی دلیل میں حضرت عائشہؓ اور بعض دوسرے صحابہؓ کی حدیث بیان کرتے ہیں۔ اس میں فرمایا گیا ہے:

”آپؐ کا جسم مبارکؐ یہاں موجود رہا مفقود نہیں ہوا تھا۔“ (۲۹)

ان روایات سے استدلال اسی وقت درست ہو سکتا ہے جب کہ یہ اصول حدیث کی رو سے درست ہوں اور اگر یہ معلوم ہو جائے کہ یہ حدیث سند کے اعتبار سے کم زور ہے تو پھر

استدلال کیسے درست ہو سکتا ہے۔ علامہ سید سلیمان ندویؒ نے ان روایتوں کے ضعف کو کئی اعتبار سے واضح کیا ہے۔ (۳۰) شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے حدیث عائشہؓ کو بعض وجوہ سے ناقابل استدلال قرار دیا ہے۔ (۳۱) یہی رائے بعض دوسرے علماء کی ہے۔

اسراء و معراج ایک ہی واقعہ ہے یا الگ الگ

اسراء و معراج کے سلسلے میں علماء کے دو مختلف نظریے ہیں۔ ایک طبقہ کے نزدیک دونوں الگ الگ واقعے ہیں اور مختلف دنوں میں پیش آئے۔ جب کہ بیش تر علماء کے نزدیک دونوں ایک ہی واقعہ ہے، جو ایک مرتبہ میں پیش آیا۔ کبھی اسرا بول کر معراج مراد لی جاتی ہے تو کبھی معراج بول کر اسرا۔ اسی وجہ سے یہ اختلاف بھی پیدا ہوا کہ معراج نوم کی حالت میں ہوئی اور اسرا بیداری کی حالت میں۔ اس طرح کی تاویلات درست نہیں ہیں۔ علامہ زرقانی نے اس مسئلہ کی بڑی اچھی وضاحت کی ہے اور دونوں کو ایک ہی واقعہ قرار دیا ہے۔ نیز انہوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ جمہور محدثین، متکلمین اور فقہاء کی یہی رائے ہے اور صحیح روایات کا تو اتر بھی اسی پر دلالت کرتا ہے، جس سے عدول نہیں کیا جاسکتا۔ (۳۲) حافظ ابن کثیرؒ نے ان تمام آرا کو غور کر دیا ہے جو اس میں فرق کرتے ہیں اور تعدد کے قائل ہیں۔ (۳۳)

قرآن کریم میں اسراء یعنی مسجد اقصیٰ تک کے سفر کا ذکر ملتا ہے اور اس سے آگے کی تفصیلات صحیح احادیث میں بیان ہوئی ہیں۔ حدیث میں پورے واقعہ کو جہاں سے اس کی ابتدا ہوئی بالترتیب بیان کیا گیا ہے اور اسی ترتیب سے واپس آنے کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس پر کفار و مشرکین کا جو رد عمل ہوا اس کی بھی وضاحت ملتی ہے۔ بلکہ ام ہانیؓ کی روایت سے اس بات کو مزید تقویت ملتی ہے کہ یہ ایک ہی واقعہ ہے۔ حضور جب معراج کے سفر سے واپس آئے تو علی الصبح ام ہانیؓ سے اس کا ذکر کیا۔ اس کے متعلق ان کو کوئی تردید نہ ہو، لیکن کفار و مشرکین کے رویہ اور ایمان کے فقدان کی وجہ سے آپ کو ان کے سامنے بیان کرنے سے منع ضرور کیا۔ (۳۴)

اس سلسلے میں جو اختلاف پیدا ہوا ہے، اس کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ نبیؐ نے کفار مکہ کے سامنے وضاحت سے بیت المقدس تک کے سفر کا حال بیان کیا۔ اس سے آگے کا حال مجمع میں تفصیل سے بیان نہیں کیا۔ لیکن جب ابو بکرؓ اور آپؐ کے دوسرے صحابہ کے ساتھ آپؐ تنہا تھے

تو آپؐ نے سات آسمان سے گزر کر اپنی معراج کے بارے میں اور جو کچھ آپؐ نے دیکھا تھا اس کا ایک حصہ بیان کر دیا۔ باقی حصہ بعد کے برسوں میں آپؐ سوالات کے جواب میں بیان کرتے رہے۔ (۳۵)

معراج کے انعامات

آپؐ معراج میں رب کی حضوری سے فارغ ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے تین اہم انعامات سے نوازا۔ سورہ بقرہ کی آخری تین آیات عنایت کی گئیں۔ یہ بشارت دی گئی کہ آپؐ کی امت میں سے جو شخص شرک کا ارتکاب نہ کرے گا، اس کے گناہ معاف کر دیے جائیں گے اور آپؐ کی امت پر ۵ وقت کی نمازیں فرض کی گئی ہیں۔ اس کا ثواب ۵۰ نمازوں کے برابر ملے گا۔ (۳۶) ان کے علاوہ بھی آپؐ کو مزید احکام دیے گئے جس کا ذکر سورہ بنی اسرائیل آیات (۳۲-۳۹) میں کیا گیا ہے۔ نیز اسی حضوری میں آپؐ کو ہجرت کرنے کا اشارہ بھی دیا گیا اور آئندہ کی ذمہ داریوں کی وضاحت کی گئی اور اس کے لیے آپؐ کو یہ دعا سکھائی گئی:

وَقُلْ رَبِّ اَدْخِلْنِيْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِيْ مُخْرَجَ

صِدْقٍ وَّاَجْعَلْ لِّيْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿۸۰﴾ (بنی اسرائیل: ۸۰)

”اور دعا کرو پروردگار، مجھ کو جہاں بھی تولے جائے سچائی کے ساتھ لے جا اور جہاں سے

بھی نکال سچائی کے ساتھ نکال اور اپنی طرف سے ایک اقتدار کو میرا مددگار بنادے۔“

سورہ بنی اسرائیل مکمل واقعہ معراج کے سیاق میں نازل ہوئی ہے۔ مگر اس کا واضح

اشارہ چند آیتوں میں ہی کیا گیا ہے۔ علامہ سید سلیمان ندویؒ لکھتے ہیں:

”عام طور پر سمجھا جاتا ہے کہ قرآن مجید میں معراج کا بیان سورہ اسرا (جس کو سورہ

بنی اسرائیل بھی کہتے ہیں) کی صرف ابتدائی تین چار آیتوں میں ہے۔ لیکن ہم نے اس

سورہ کو شروع سے آخر تک بار بار پڑھا ہے اور ہر بار اس یقین کے ساتھ ختم کیا کہ یہ پوری

سورہ معراج کے اسرار و حقائق، نتائج وغیرہ اور احکام و اعلانات سے معمور ہے۔“ (۳۷)

امامت انبیاء کا واقعہ کب پیش آیا؟

اتنی بات تو ثابت ہے کہ معراج کے سفر میں آپؐ نے بیت المقدس میں تمام انبیاء کی

امامت فرمائی۔ اس سے بھی آپ کے سردارانِ انبیاء ہونے کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ معترضین نے معراج کا انکار کیا ہے، اس کی ایک بڑی وجہ یہی ہے کہ یہاں بھی انبیاء بنی اسرائیل پر آپؐ فضیلت نمایاں ہوئی ہے، کیوں کہ تمام انبیاء نے آپؐ کی امامت میں نماز پڑھی۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ امامت انبیاء کا یہ واقعہ کب پیش آیا؟ آتے ہوئے یا جاتے ہوئے، ایک یا اس سے زائد مرتبہ۔ صحیح بات یہی معلوم ہوتی ہے کہ امامت انبیاء کا واقعہ واپسی میں پیش آیا۔ بیش تر علماء کا اس پر اتفاق ہے۔ حافظ ابن کثیرؒ اس مسئلہ پر قدرے تفصیل سے روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

”پھر آپؐ بیت المقدس کی طرف تشریف لائے اور انبیاء کرام بھی آپؐ کے ساتھ اترے اور جب نماز کا وقت ہوا تو آپؐ نے امام بن کر سب کو نماز پڑھائی اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہ نماز اس دن کی صبح کی نماز ہو اور بعض کا خیال یہ ہے کہ یہ امامت آسمان میں فرمائی ہے۔ حالاں کہ بہت سی روایات میں صراحت ہے کہ بیت المقدس میں امامت فرمائی۔ ہاں بعض روایات میں یہ ہے کہ امامت انبیاء کا واقعہ آسمان پر چڑھنے سے پہلے پیش آیا۔ مگر ظاہر یہ ہے کہ یہ امامت واپسی پر فرمائی ہے۔ کیوں کہ آسمانوں پر انبیاء کرام سے ملاقات کے وقت سب انبیاء سے حضرت جبرئیل نے آپؐ کا تعارف کرایا ہے۔ اگر واقعہ امامت پہلے پیش آچکا ہوتا تو تعارف کی کیا ضرورت تھی؟ اور واقعات کی فطری ترتیب بھی یہی مناسب معلوم ہوتی ہے، کیوں کہ اس سفر کا اصل مقصد بارگاہِ خداوندی میں حاضری تھا، تاکہ آپؐ پر اور آپؐ کی امت پر جو احکام فرض کیے جانے ہیں وہ فرض کیے جائیں۔ پھر جب آپؐ اصل کام سے فارغ ہو گئے تو تمام انبیاء مشایعت کے لیے بیت المقدس تک آئے اور جبرئیل امین کے اشارے سے آپؐ کو سب کا امام بنا کر آپؐ کی سیادت و قیادت کا عملی ثبوت پیش کیا گیا۔ پھر بیت المقدس سے نکلے اور براق پر سوار ہوئے اور رات کے اندھیرے میں مکہ لوٹ آئے۔“ (۳۸)

معراج کے بعض واقعات اور مشاہدات کی حکمتیں

مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک اور وہاں سے آسمانوں سے گزرتے ہوئے سدرۃ المنتہیٰ پر پہنچے۔ یہاں سے آپؐ کی رسائی بیت المعمور تک ہوئی، پھر اللہ کی حضوری حاصل ہوئی۔ یہ مختلف منازل اور مدارج اور ہر مقام پر کوئی نہ کوئی اہم واقعہ پیش آیا اور آپؐ نے اللہ کی نشانوں کو ملاحظہ

کیا۔ جنت و جہنم کے مناظر آپ کے سامنے پیش کئے گئے۔ انبیائے سابقین کی امتوں کے احوال کا بھی علم ہوا۔ اچھے اور برے لوگوں کے اعمال کے تعلق سے جو ثمرات ان کے حصے میں آئے تھے ان سے بھی آپ نے واقفیت حاصل کی۔ ان تمام کی بہت سی حکمتیں ہیں۔ جنہیں شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

سینہ مبارک چاک کیے جانے اور اس کے ایمان سے بھرے جانے کا معاملہ ہے تو اس کی حقیقت یہ ہے کہ ملکوتی انوار کا غلبہ ہو گیا اور طبیعت بشری کا جوش ٹھنڈا ہو گیا اور خطیرۃ القدس سے جو فیضان ہوتا ہے طبیعت اس کے تابع ہو گئی۔

آپ ﷺ کے براق پر سوار ہونے کی حقیقت یہ ہے کہ آپ ﷺ کے نفس ناطقہ کو آپ کے اس نسہ پر استواء غلبہ مل جائے جو کمال حیوانی ہے۔ لہذا آپ ﷺ براق پر سواری کرتے ہوئے اس طرح غالب ہوئے جس طرح آپ کے نفس ناطقہ کے احکام قوت بھیمہ پر غالب و مسلط ہوئے تھے۔

مسجد اقصیٰ تک آپ ﷺ کا لے جانا اس لیے ہوا کہ وہ شعائر الہی کے ظہور کا مقام، علماء اعلیٰ کے مقاصد اور ہمتوں کی آماج گاہ اور انبیائے کرام علیہم السلام کا مسطح نظر ہے۔ گویا کہ وہ عالم ملکوت کی طرف کھلنے والا ایک دریچہ ہے۔

انبیائے کرام صلوات اللہ علیہم سے آپ کی ملاقات و معاشرت کی حقیقت یہ ہے کہ خطیرہ القدس میں ان کے درمیان جو باہمی ارتباط و تعلق ہے اس کی بنا پر ان کا اجتماع ہوا اور رسول اکرم ﷺ کو ان کے درمیان جو مختلف کمالات کی بنا پر اختصاص حاصل ہے اس کا ظہور ہوا۔

ایک آسمان کے بعد دوسرے آسمان پر اور پھر تمام آسمانوں پر چڑھنے کی حقیقت یہ ہے کہ آپ نے درجہ بدرجہ عرش رحمانی کی طرف تقرب حاصل کیا اور اس میں متعین فرشتوں کے حال کی معرفت حاصل کی اور جو عظیم انسان ان سے متصل ہو چکے ہیں ان کا تعارف پایا، اور اس تدبیر الہی کی معرفت پائی جو اللہ تعالیٰ نے اس میں وحی فرمائی تھی اور اس کی پہنائی میں جو گفتگو اور جستجو ہوئی ہے اس کی حقیقت سمجھی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی گریہ و زاری کسی حسد کی بنا پر نہیں تھی بلکہ دعوت عمومی اور بقائے کمال سے ان کی حراماں نصیبی کی ایک مثال ہے جس کا وہ اپنی آنکھوں سے مشاہدہ فرما رہے تھے۔

جہاں تک سدرۃ المنتہی کا معاملہ ہے تو وہ درخت وجود ہے، جس کا ایک حصہ دوسرے پر مرتب ہے اور وہ سب ایک تدبیر و نظام میں متحد ہیں جس طرح قوت غاذیہ اور قوت نامیہ وغیرہ تمام قوتیں درخت میں مجتمع ہوتی ہیں۔ یہ حقیقت کسی حیوان کی صورت میں اس لیے جلوہ گر نہ ہوئی کہ اجمالی اور کامل تدبیر جو اس کے تمام افراد و اعضاء کے لیے زیادہ موزوں ہے، وہ درخت میں پائی جاتی ہے۔ اس لیے اشیاء کو حیوان کی بجائے درخت کے مشابہ قرار دیا گیا۔ کیوں کہ حیوان میں تفصیلی قوتیں ہوتی ہیں اور اس میں ارادہ طبعی قوانین سے زیادہ واضح ہوتا ہے۔

اور سدرۃ المنتہی کی جڑوں سے وابستہ نہروں کی حقیقت یہ ہے کہ عالم ملکوت سے عالم شہادت کی طرف رحمت الہی کا فیضان ہوتا رہتا ہے اور حیات و قوت نمو کا بھی۔ لہذا عالم شہادت میں بعض نفع بخش امور جیسے دریائے نیل و فرائ کا تعین وہاں اسی بنا پر ہوا۔

اور وہ انوار جو اس کو ڈھانپے ہوئے ہیں تو اصل وہ تدلیات الہی اور تدبیرات رحمانی ہیں جو عالم شہادت میں وہاں وہاں جلوہ گر و معنی پذیر ہوتی ہیں جو ان کی استعداد رکھتی ہیں۔

بیت معور کی حقیقت یہ ہے کہ جو تجلی الہی ہے جس کی طرف انسانی سجدوں اور دعاؤں کا رخ ہوتا ہے۔ اور عالم شہادت میں اس کی صورت گری اس گہر کی شکل میں ہوتی ہے جس سے پاس ہے جیسے کعبہ اور بیعت المقدس۔

پھر رسول اکرم ﷺ کے پاس ایک پیالہ دودھ اور ایک جام شراب لایا گیا اور آپ ﷺ نے دودھ کا انتخاب فرمایا۔ جبریل علیہ السلام نے کہا: آپ کو فطرت الہی کی ہدایت نصیب ہوئی۔ اگر آپ شراب لے لیتے تو آپ کی امت گمراہ ہو جاتی۔ اس لحاظ سے آپ ﷺ اپنی امت کے جامع اور اس کے وجود و ظہور کے مقصود ہیں۔ دودھ کا اشارہ یہ ہے کہ امت فطرت اختیار کرے گی اور شراب ان کے لذات و دنیاوی میں کھو جانے کا اشارہ ہے۔

زبان مجاز میں آپ ﷺ کو پانچ نمازوں کا حکم دیا گیا کیونکہ ثواب کے اعتبار سے وہ پچاس نماز ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی مراد تدبیرگی طور سے ظاہر فرمائی تاکہ معلوم ہو جائے کہ حرج و تنگی دور کر دی گئی ہے اور نعمت الہی کامل کر دی گئی ہے۔ اس معنی حقیقت کی صورت گری حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حوالے سے کی گئی کیوں کہ وہ تمام انبیاء کرام میں امت کی اصلاح اور اس کی سیاست کی معرفت میں سب سے زیادہ طاق ہیں۔ (۳۹)

منکرین معراج کا حکم

سفر معراج میں مختلف قسم کے واقعات پیش آئے۔ بعض روایتوں کی کم زوری کی بنا پر اس کے بعض جزئیات کا انکار تو کیا جاسکتا ہے، مگر کلی واقعہ کی نفی نہیں کی جاسکتی۔ حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں: بالجملة صحت کے ساتھ واقعہ معراج ثابت ہے اور مسلمان اجتماعی طور پر اس کے قائل ہیں۔ ہاں زندیق اور طحلوگ اس کے منکر ہیں۔ وہ خدا کے نورانی چراغ کو اپنی پھونکوں سے بجھانا چاہتے ہیں، لیکن وہ پوری روشنی کے ساتھ چمکتا رہے گا، گو کافروں کو برا لگے۔ (۲۰)

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ لکھتے ہیں:

”اسرا کے معنی ہیں لے جانا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ حضور کو مکہ کرمہ سے مسجد اقصیٰ تک لے جایا گیا۔ اس کا منکر کافر ہے، کیوں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی کتاب سے ثابت ہے۔ پھر وہاں سے آسمان پر لے جانے کا نام معراج ہے۔ یہ احادیث مشہورہ سے ثابت ہے۔ اس کا منکر مبتدع، فاسق اور مخدول ہے۔ دیگر جزئیات اور عجیب و غریب احوال کا ثبوت حدیثوں سے ثابت ہے۔ اس کا منکر جاہل و محروم ہے۔“ (۲۱)



مآخذ و مراجع

- (۱) کتاب مقدس، عہد نامہ قدیم، پیدائش، باب: ۲۸، آیات: ۱۰-۱۳
- (۲) ایضاً: سحیاء، باب: ۶، آیات: ۱-۹
- (۳) سید سلیمان ندوی، سیرۃ النبی، دار المصنفین، شبلی الہیڈمی، اعظم گڑھ، ۲۰۰۳ء، ج: ۳، ص: ۲۷۱
- (۴) ڈاکٹر عبدالقادر جیلانی، اسلام، پیغمبر اسلام اور مستشرقین مغرب کا انداز فکر، اریب پبلیکیشنز، نئی دہلی، ۲۰۰۷ء، ص: ۲۸۶
- (۵) ڈاکٹر محمد حمید اللہ، پیغمبر اسلام، ملی پبلیکیشنز، نئی دہلی، ۲۰۰۹ء، ص: ۱۳۶
- (۶) سیرۃ النبی، ج: ۳، ص: ۲۷۹-۲۸۰
- (۷) رویت باری تعالیٰ کے سلسلے میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ کیا انسان کے لیے ایسا ممکن ہے؟ جب کہ آیات قرنی اور انبیاء کے بعض واقعات سے اس کی نفی ہوتی ہے۔ راقم الحروف نے ایک الگ مضمون میں قرآن وحدیث اور علماء کے اقوال کی روشنی میں اس اختلاف کا جائزہ لیا ہے اور صحیح صورت حال کا جائزہ لیا ہے۔ اس لیے یہاں اس بحث سے اعراض کیا گیا ہے۔ (دیکھئے: سالانہ مجلہٴ دراسات دینیہ، ۲۰۱۰ء، فیکلٹی دینیات، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ)
- (۸) صحیح البخاری، کتاب الصلوٰۃ، باب کیف فرضت الصلوٰۃ فی الاسراء۔ کتاب الاحادیث والانبیاء، باب ذکر ادریس وہو جد ابی نوح۔ کتاب المناقب، باب المعراج۔ کتاب بدء الخلق، باب ذکر الملائکہ صلوات اللہ
- (۹) محمد بن اسحاق بن یسار، سیرت ابن اسحاق (تحقیق وتطبیق: ڈاکٹر محمد حمید اللہ) ملی پبلیکیشنز، نئی دہلی، ۲۰۰۹ء، ص: ۴۰۴۔ ابو محمد عبداللہ بن ہشام، سیرۃ النبی، مطبعہ حجازی، قاہرہ، ج: ۲، ص: ۲
- (۱۰) صحیح البخاری، کتاب التفسیر، تفسیر سورہ بنی اسرائیل
- (۱۱) ابن ہشام، سیرۃ النبی، ج: ۲، ص:
- (۱۲) سید سلیمان ندوی، سیرۃ النبی، ج: ۳، ص: ۲۸۹
- (۱۳) حافظ ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، دار المعرفۃ، بیروت، ج: ۷، ص: ۲۰۳۔ نیز دیکھئے: بدرالدین العینی، عمدۃ القاری، مطبعہ مصطفیٰ البابی الکلی، مصر، ۱۹۷۲ء، ج: ۱۴، ص: ۵
- (۱۴) عبدالرحمن ابن جریر، الوفا فی باحوال المصطفیٰ، اعتقاد و پیشگاہ، دہلی، ۱۹۸۳ء، ص: ۲۶۸

- (۱۵) زر قانی، شرح مواہب اللدنیہ، مطبعہ الازہریہ مصر، ۱۳۲۷ھ، ج: ۱، ص: ۳۰۸
- (۱۶) سید سلیمان ندوی، سیرۃ النبی، ج: ۳، ص: ۲۷۸
- (۱۷) سید ابوالاعلیٰ مودودی، سیرت سرور عالم، مرکزی مکتبہ اسلامی، پبلشرز، نئی دہلی، ۲۰۰۵ء، ج: ۲، ص: ۲۵۵
- (۱۸) مولانا ادریس کاندھلوی، سیرۃ العظمیٰ، دار الکتاب، دیوبند، ج: ۱، ص: ۲۸۸
- (۱۹) قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری، رحمۃ اللعالمین، فریڈ بک ڈپو، دہلی، ۱۹۹۹ء، ج: ۳، ص: ۱۳۶
- (۲۰) تفصیل کے لیے ملاحظہ کریں: شرح مواہب اللدنیہ، ج: ۱، ص: ۳۰۷-۳۰۸
- (۲۱) فتح الباری، ج: ۱، ص: ۳۰۷
- (۲۲) عماد الدین ابی الفدا اسماعیل بن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، دارالاشاعت دیوبند، ۲۰۰۰ء، ج: ۳، ص: ۵-۳۷ (تفسیر سورہ بنی اسرائیل)
- (۲۳) صحیح البخاری، کتاب الصلوٰۃ، باب کیف فرضت الصلوٰۃ فی الاسراء۔ کتاب احادیث الانبیاء، باب ذکر ادریس و ہو جد ابی نوح۔ کتاب الساقب، باب المعراج۔ کتاب بدء الخلق، باب ذکر الملائکہ صلوات اللہ
- (۲۴) ابن و شام، سیرۃ النبی، ج: ۲، ص: ۵
- (۲۵) ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، دار الفکر للطباعة والتوزیع، بیروت، لبنان، ۱۹۹۳ء، ج: ۱، ص: ۱۳۶
- (۲۶) صحیح البخاری، کتاب التفسیر، تفسیر سورہ بنی اسرائیل
- (۲۷) فتح الباری، ج: ۷، ص: ۱۹۷۔ نووی، شرح صحیح مسلم، ج: ۱، حصہ ۲، ص: ۲۰۹
- (۲۸) شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، حجتہ اللہ البالغہ، فیصل بلیکیشنز، دیوبند، ج: ۲، ص: ۲۰۶
- (۲۹) ابن و شام، سیرۃ النبی، ج: ۲، ص: ۵
- (۳۰) سلیمان ندوی، سیرۃ النبی، ج: ۳، ص: ۲۹۷
- (۳۱) شیخ عبدالحق محدث دہلوی، مدارج النبوۃ، مکتبہ دانش دیوبند، ۱۹۸۱ء، ج: ۱۵، قسط: ۳، ص: ۶
- (۳۲) شرح المواہب اللدنیہ، ج: ۱، ص: ۳۰۶
- (۳۳) تفسیر القرآن العظیم، ج: ۳، ص: ۳۳
- (۳۴) الطبقات الکبریٰ، ج: ۱، ص: ۱۳۵-۱۳۶
- (۳۵) ابوبکر سران الدین (لنٹن نکلس) حیات سرور کائنات، مرکزی مکتبہ اسلامی، پبلشرز، دہلی، ۲۰۰۵ء، ص: ۲۳۲
- (۳۶) صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب فی ذکر سدرۃ المنتہی
- (۳۷) سید سلیمان ندوی، سیرۃ النبی، ج: ۳، ص: ۳۰۸
- (۳۸) تفسیر القرآن العظیم، ج: ۳، ص: ۳۵
- (۳۹) حجتہ اللہ البالغہ، ج: ۲، ص: ۲۰۶-۲۰۷
- (۴۰) تفسیر القرآن العظیم، ج: ۳، ص: ۳۶-۳۷
- (۴۱) مدارج النبوۃ، ج: ۱، قسط: ۲، ص: ۱۵۰

باب ششم

کیا نبی ﷺ نئے مذہب کے بانی تھے؟

اللہ تبارک و تعالیٰ نے انسان کے لیے سب سے پہلے جس دین کو نافذ کیا وہ ہمسلا تھا۔ (آل عمران: ۱۹) اسی کی تبلیغ و اشاعت کے لیے یکے بعد دیگرے انبیائے کرام مبعوث ہوئے۔ یہاں تک کہ انبیاء کی آمد کا سلسلہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے ساتھ ختم ہو گیا۔ آپؐ نے کبھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ میں سابقہ انبیاء کی تعلیمات کی نفی کرنے آیا ہوں، بلکہ آپؐ نے بارہا یہ اعلان فرمایا کہ میں ان کی تصدیق و تائید کرنے اور ان میں درآئی تحریفات کی اصلاح کرنے آیا ہوں۔ چنانچہ نبیؐ کی بعثت کی ضرورت پر روشنی ڈالتے ہوئے علامہ سید سلیمان ندویؒ لکھتے ہیں:

”یہ سچ ہے کہ مسیح چھ صدی قبل از کیہ نفس کے کچھ درس دیے تھے، لیکن مدت ہوئی دنیا اس سبق کو بھلا چکی تھی۔ یہ بھی سچ ہے کہ موسیٰ نے اس سے جوش تر ہدایت و نجات کی ایک شمع جلائی تھی، لیکن قوتوں اور ہنگاموں کی آندھی میں یہ چراغ طور بھی جل کر گل ہو گیا تھا اور پھر یہ بھی سچ ہے کہ مدت مدید ہوئی کہ زرتشت نے روحانیت کی آگ سلگائی تھی، لیکن یہ شعلہ بھی انسانی خون کے چمینوں سے سرد ہو چکا تھا۔ یہ بھی سچ ہے کہ اس سے پہلے بھی بودھ نے آریہ دت کے پہاڑوں اور غاروں میں روح کا دارالاسن و صوفیہ نکالا تھا، مگر حوادث کے طوفان نے ان پہاڑوں کے بے نام و نشان صحر اور ان غاروں کو درندوں کا بھٹ بنا دیا تھا۔ ہر قوم دوسری قوم سے برسر پیکار اور ہر قبیلہ دوسرے قبیلہ کے خون کا پیا سا تھا، حرص و طمع اور کشت و خون کی گرم بازاری تھی، نفس انسانی کی ملکوتی طاقت جذبات خبیثہ کے دیوٹ کے سامنے پامال ہو چکی تھی۔ عدل و راستی اور پاک بازی و پارسائی کے عطر معطر کی خوش بو انسان کے جامہ خاک سے

اڑ چکی تھی۔ توحید اور خدا پرستی کا نور دیوتاؤں، دیویوں، ستاروں، شہیدوں، ولیوں اور مجسموں کی پرستش کی عالم گیر تاریکی میں چھپ گیا تھا۔ غرض دنیا کے حالات ہر طرح سے اس ضرورت کے متقاضی تھے کہ کوئی عالم کا مصلح، اخلاق کا معلم، حق کا داعی، بنی نوع انسان کا نجات دہندہ، آخری بار وجود میں آئے اور انسانیت کے شیرازہ میں جو عرصہ دراز سے پراگندہ و منتشر ہو رہا تھا پھر نظم و انتظام پیدا کر دے اور روحانیت و خدا پرستی کے خزاں رسیدہ باغ کو از سر نو پر بہار بلکہ سدا بہار اور دنیا کے ظلمت کدہ کو پھر مطلع انوار بنادے۔“ (۱)

دین اسلام کی مقبولیت پر اعتراضات

تفصیل میں جائے بغیر یہ کہا جاسکتا ہے کہ نبیؐ کی بعثت کے ساتھ ہی دنیا میں نور و فلاح کا ماحول برپا ہوا تو یہود و نصاریٰ کو اپنا مفاد و مجروح ہوتا نظر آیا۔ لہذا اس کو قبول کرنے کی بجائے اس کی مخالفت شروع کر دی اور اس کی آفاقیت کو بے اثر کرنے کے لیے یہ پردیگنڈا کیا کہ نبیؐ نے جس دین کی تبلیغ و اشاعت کی ہے وہ کوئی الٰہی دین نہیں، بلکہ ان کا خود ساختہ دین تھا۔ مستشرق ”گولڈزیہر“ لکھتا ہے:

”نبی عربی کا پیغام دراصل ان مذہبی خیالات اور معلومات کا منتخب خلاصہ تھا جو آپ کو یہودی اور عیسائی حلقوں سے روابط کی بنا پر حاصل ہوئیں۔ ان خیالات سے آپ بہت زیادہ متاثر ہوئے اور دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ ان کے ذریعہ اپنے ہم وطنوں میں سچے مذہبی جذبات کو بیدار کیا جاسکتا ہے۔ یہ بیرونی تعلیمات آپ کے وجدان میں سرایت کر گئیں اور آپ سمجھنے لگے کہ رضاء الٰہی کے مطابق ان کے ذریعہ انسانی زندگی کو ایک رنگ دیا جاسکتا ہے۔ محمدؐ اس قسم کے خیالات سے اس قدر متاثر ہوئے کہ وہ آپ کا عقیدہ بن گئے، لیکن آپ ان کو جی سمجھتے رہے۔“ (۲)

’ولہا وزن‘ نبیؐ کو نئے مذہب کا بانی قرار دیتے ہوئے لکھتا ہے:

”وہ اکثر کئی کئی روز تک ویران اور سنان عارحرا کی تنہائی میں بیٹھ کر غور و فکر اور عبادت کیا کرتے تھے۔ شاید برسوں تک وہ اسی قسم کی انفرادی ریاضت میں لگے رہے اور کوئی بات ایسی نہیں کی جس سے انہیں اس خیال کے اور لوگوں سے کوئی

اعتیاز حاصل ہو سکے۔ لیکن اس دفعہ حنفی خیالات نے ایسی فطرت میں گھر کیا تھا جو ابتدائی سے پہچان اور وہم کی طرف مائل تھی اور بالآخر جوش کھا کر پھوٹ نکلے۔ اس طرح وہ ایک نئی ہو گئے اور اب انہوں نے اپنے کو اس بات پر مجبور پایا کہ زائدوں کے خاموش حلقے سے باہر آ کر حق کی تبلیغ کریں۔ اس میں کوئی شبہ کی گنجائش نہیں کہ ان کے اس ارادے کو اس علم نے ایک حد تک تقویت پہنچائی جو ان کو تورات و انجیل کے قدیم انبیاء کے متعلق تھا اور غالباً اس بات کا بھی کچھ اثر ضرور ہے کہ خنساء کے دلوں میں کسی نئے مذہب کے بانی کے لیے ایک تڑپ عام طور پر پائی جاتی تھی اور جس کی دھندلی سی واقفیت اس سے بھی ہوئی جو یہودیوں کی اس امید کے بارے میں انہیں تھی کہ بہت جلد ایک نئی کا ظہور ہونے والا ہے۔“ (۳)

سابقہ آسمانی کتابوں میں بعثت نبویؐ کا ذکر

اس طرح کے باتیں محض تعصب پر مبنی ہیں۔ جو لوگ ایسا کہتے ہیں خود ان کی الہامی کتابوں میں بھی کثرت سے نبی آخر الزماںؐ کی آمد اور بعثت کی شہادت ملتی ہے۔ مختلف علامات و خصائص کی وضاحت کے ساتھ آپؐ کے نام کا تعین کیا گیا ہے۔ اسی کے ساتھ یہ بھی کہا گیا ہے کہ نبی کی بعثت کے ساتھ ہی سلسلہ نبوت ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے گا۔ انہیں علامات و خصائص کو پڑھ کر اہل کتاب کے علمائے ربانین بڑی شدت سے آخری نبیؐ کی آمد کا انتظار کرتے تھے اور ان میں سے بعض زاہد مرناسخ اور کاہن و نجوی آپؐ کو دیکھ لیتے تو وہ سمجھ جاتے کہ یہی نبی آخر الزماںؐ ہیں۔ ابن اسحاق کہتے ہیں:

”احبار (یہودی علماء) اور رہبان (عیسائی درویشوں) کے پاس کتابیں تھیں۔ آں حضرتؐ کی بعثت سے قبل وہی اہل علم تھے۔ ان کے علم کا ذریعہ وہ کتابیں تھیں جن میں آں حضرتؐ کی صفات، آپؐ کا نام اور سر زمین عرب میں آپؐ کے زمانہ نبوت کے متعلق لکھا ہوا تھا اور ان کے انبیاء نے آپؐ کے بارے میں ان سے یہ عہد لیا تھا کہ وہ آپؐ کی اتباع کریں گے۔ وہ آپؐ کے طفیل بت پرست مشرکین کے مقابلہ میں فتح و نصرت کی دعائیں مانگا کرتے تھے اور انہیں یہ خبریں سناتے تھے کہ احمد نام کے ایک نبی دین ابراہیم

پر مبعوث ہونے والے ہیں، جن کا ذکر ان کے انبیاء کی کتابوں میں موجود ہے۔“ (۴)
عہد نامہ قدیم و جدید میں بہ کثرت آپ کی بعثت کا ذکر ملتا ہے:
حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا:

”خداوند تیرا خدا تیرے لیے تیرے ہی درمیان سے یعنی تیرے ہی بھائیوں میں سے میری مانند ایک نبی برپا کرے گا۔ تم اس کی سنتا۔ یہ تیری اس درخواست کے مطابق ہوگا جو تونے خداوند اپنے خدا سے جمع کے دن حورب میں کی تھی کہ مجھ کو نہ تو خداوند اپنے خدا کی آواز پھر سنی پڑے اور نہ اس کی بڑی آگ ہی کا نظارہ ہوتا کہ میں مر نہ جاؤں اور خداوند نے مجھ سے کہا کہ وہ جو کچھ کہتے ہیں سو ٹھیک کہتے ہیں۔ میں ان کے لیے ان ہی کے بھائیوں میں سے تیری مانند ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا اور جو کچھ میں اسے حکم دوں گا وہی وہ ان سے کہے گا اور جو کوئی میری ان باتوں کو جن کو وہ میرا نام لے کر کہے گا نہ سنے تو میں ان کا حساب ان سے لوں گا۔“ (۵)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نبی آخر الزماں کی آمد کی بشارت دیتے ہوئے فرماتے ہیں:
”مجھے تم سے اور بھی بہت سی باتیں کہنا ہے، مگر تم ان کی برداشت نہیں کر سکتے۔ لیکن جب وہ یعنی روح حق آئے گا تو تم کو تمام سچائی کی راہ دکھائے گا۔ اس لیے کہ وہ اپنی طرف سے نہ کہے گا، لیکن جو کچھ سنے گا وہی کہے گا اور تمہیں آئندہ کی خبریں دے گا۔“ (۶)

بعض دوسری آیتوں میں تو صریح الفاظ میں حضور کی بعثت کی خبر دی گئی ہے۔ انجیل برنا باس میں ہے:

”تمام نبیوں نے جو ایک لاکھ چوالیس ہزار ہوئے ہیں، جنہیں خدا نے دنیا میں بھیجا ہے، پردے میں (ابہام کے ساتھ) بات کی ہے۔ مگر میرے بعد تمام نبیوں اور قدسوں کا سرتاج آئے گا اور تمام پردے کی (ایمانی) باتوں کو جو نبیوں نے کیس واضح کرے گا، کیوں کہ وہ خدا کا رسول ہے۔“ (۷)

ایک دوسرے موقع سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کو خبر دیتے ہیں:
”میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ ہر نبی جب آیا ہے خدا کی رحمت کا نشان صرف ایک قوم کے لیے لایا ہے اور اسی لیے ان کا کلام نہ پھیلا، سوائے ان لوگوں تک کے جن کی

طرف وہ بھیجے گئے تھے۔ پر خدا کا رسول، جب وہ آئے گا تو خدا اسے گویا اپنے ہاتھ کی مہر عطا کرے گا، وہ دنیا کی ان تمام قوموں کے لیے جو اس کا دین قبول کریں گی نجات اور رحمت لائے گا۔ وہ بے دینوں پر طاقت کے ساتھ آئے گا اور بیت پرستی مٹا دے گا، یہاں تک کہ وہ شیطان کو بہوت کر دے گا، کیوں کہ خدا نے ابراہام سے یہی وعدہ کیا تھا: کہ دیکھ تیری نسل میں میں زمین کے تمام قبیلوں کو برکت دوں گا اور جس طرح اسے ابراہام تو نے بت پاش پاش کئے ہیں، اسی طرح تیری نسل بھی کرے گی۔“ (۸)

اسی کتاب کے ۴۴ ویں باب میں آنے والے نبی کی مختلف خصوصیات بیان کی گئی ہیں کہ ان کا طریقہ زندگی کیسا ہوگا، لوگوں کو کس طرح دین کی دعوت دیں گے اور وہ لوگوں سے کس طرح پیش آئیں گے۔ یہاں تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے آپ کے زمانہ اور عہد کو سابقہ زمانے سے بہتر اور بابرکت قرار دیا ہے۔

آیت قرآنی سے اس بشارت کی تائید

قرآن کریم مجھلی تمام کتابوں کا مصدق اور نمکھبان ہے۔ اگر یہ نازل نہ ہوتا تو مجھلی تمام صداقتیں تحریف و ضلالت کی تاریکیوں میں گم ہو کر رہ جاتیں۔ سابقہ آسمانی کتب میں آپ کی بعثت کے بارے میں جو خبر دی گئی ہے، اس کی تصدیق و تائید آیت قرآنی سے بھی ملتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْنُونًا
عِنْدَهُمْ فِي الْكُوْنَةِ وَالْإِنْجِيلِ يُأْمَرُهُم بِالْمَعْرُوفِ وَ
يَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ يُجَلِّ لَهُمُ الْقُرْآنَ وَيُخَوِّمُهُمْ عَلَيْهِمْ
الْغَيْبَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ
فَالَّذِينَ آمَنُوا بِهِ وَ عَزَّزُوهُ وَ نَصَرُوهُ وَ اتَّبَعُوا الْكُوْرَ الَّذِي
أَنْزَلَ مَعَهُ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿١٥٤﴾ (الاعراف: ۱۵۴)

”(ہن آج یہ رحمت ان لوگوں کا حصہ ہے) جو اس پیغمبر، نبی امی کی پیروی اختیار کریں، جس کا ذکر انہیں اپنے ہاں تورات اور انجیل میں لکھا ہوا ملتا ہے۔ وہ انہیں نکل

کا حکم دیتا ہے، بدی سے روکتا ہے، ان کے لیے پاک چیزیں حلال اور ناپاک چیزیں حرام کرتا ہے اور ان پر سے وہ بوجھ اتارتا ہے جو ان پر لدے ہوئے تھے اور وہ بندشیں کھولتا ہے جن میں وہ جکڑے ہوئے تھے۔ لہذا جو لوگ اس پر ایمان لائیں اور اس کی حمایت اور نصرت کریں اور اس روشنی کی پیروی اختیار کریں جو اس کے ساتھ نازل کی گئی ہے، وہی فلاح پانے والے ہیں۔“

انجیل میں بہ کثرت نبی امی کی بعثت کا ذکر ملتا ہے، اس حوالے سے قرآن کہتا ہے:

وَ إِذْ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ يَبْنِيْ اِسْرَءٰٓءِيْلَ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ
اٰتٰیْكُمْ کِتٰبًا مُّصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْ مِنَ التَّوْرَةِ وَ مُبَشِّرًا بِرَسُوْلِ
یَآتِیْ مِنْ بَعْدِیْ اَسْمَءُ اَحْمَدُ^۱
(الفق: ۶)

”اور یاد کرو عیسیٰ ابن مریم کی وہ بات جو اس نے کہی تھی کہ ”اے بنی اسرائیل، میں تمہاری طرف اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں، تصدیق کرنے والا ہوں اس توراۃ کی جو مجھ سے پہلے آئی ہوئی موجود ہے اور بشارت دینے والا ہوں ایک رسول کی جو میرے بعد آئے گا، جس کا نام احمد ہوگا۔“

حضور کے بعض اوصاف حمیدہ کی وضاحت کے ساتھ آپ کی بعثت کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ^۲ وَ الَّذِیْنَ مَعَهُ اَشِدَّاءُ عَلٰی الْکُفَّارِ رَحٰٓءًا
بَیْنَهُمْ تَرٰهُمْ رُسُلًا سٰجِدًا یَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا
سِیِّئًا لَهُمْ فِیْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ^۳ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِی
التَّوْرَةِ^۴ وَ مَثَلُهُمْ فِی الْاِنْجِیْلِ^۵ کَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْطُهُ فَازَرَهُ
فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰی عَلٰی سَوَاقِهِ یُعْجِبُ الزَّرَّاعُ لَیَغِیْظَ بِهِمُ
الْکُفَّارُ^۶ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً
وَ اَجْرًا عَظِیْمًا^۷
(الت: ۲۹)

”محمد اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کفار پر سخت اور آلہ میں رحیم

ہیں۔ تم جب دیکھو گے انہیں رکوع و سجود اور اللہ کے فضل اور اس کی خوش نودی کی طلب میں مشغول پاؤ گے۔ سجود کے اثرات ان کے چہروں پر موجود ہیں جن سے وہ الگ پہچانے جاتے ہیں۔ یہ ہے ان کی صفت توراۃ میں اور انجیل میں اور ان کی مثال یوں دی گئی ہے کہ گویا ایک کھیتی ہے جس نے پہلے کوئل نکالی، پھر اس کو تقویت دی، پھر وہ گدرائی، پھر اپنے تنے پر کھڑی ہو گئی۔ کاشت کرنے والوں کو وہ خوش کرتی ہے، تاکہ کفار ان کے پھلنے پھولنے پر جلیں۔ اس گروہ کے لوگ جو ایمان لائے ہیں اور جنہوں نے نیک عمل کیے ہیں اللہ نے ان سے مغفرت اور بڑے اجر کا وعدہ فرمایا ہے۔“

اس بشارت کے دور رس اثرات

پیغمبروں نے اپنے وعظ و تذکیر میں نبی کی جو علامتیں بیان کی تھیں، وہ ایک سے دوسرے تک منتقل ہوتی ہوئی عہد نبوی تک پہنچیں۔ اس لیے نبوت سے سرفراز کیے جانے کے بعد بالخصوص اہل کتاب کے لیے یہ مشکل نہ رہا کہ وہ آپ کو نبی آخر الزماں کے طور پر پہچاننے میں غلطی کریں۔ اس سلسلے میں قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے:

الَّذِينَ اتَّيَهُمُ الْكِتَابَ يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ آبَاءَهُمْ
الَّذِينَ خَسِرُوا أَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿٢٠﴾ (الانعام: ۲۰)

”جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس بات کو اس طرح غیر مشتبہ طور پر پہچانتے ہیں جیسے ان کو اپنے بیٹوں کے پہچاننے میں کوئی اشتباہ پیش نہیں آتا۔ مگر جنہوں نے اپنے آپ کو خسارے میں ڈال دیا ہے، وہ اسے نہیں مانتے۔“

نومسلم یہودی عبد اللہ بن السلام نے حضرت عمرؓ کی طرف سے پوچھے جانے پر فرمایا کہ حضورؐ کی نبوت اپنی اولاد کے پہچان کے مقابلہ میں زیادہ واضح ہے۔ (۹) حضرت قتادہؓ فرماتے ہیں کہ اہل کتاب اپنی کتاب کی شہادت کی روشنی میں نبی کی نبوت کو اس طرح پہچانتے ہیں جیسے کہ وہ اپنی اولاد کو پہچانتے ہیں۔ (۱۰) جو لوگ حق گو ہیں اور اللہ کی باتوں کو نہیں چھپاتے ہیں یا جن کے دل میں کجی نہیں ہے وہ نبی کو دیکھتے ہی پہچان لیتے ہیں کہ آپ نبی آخر الزماں ہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کس دین کی تبلیغ کی؟

حضور اکرم کو تکمیل دین کے طور پر جس دین کی وحی کی گئی، وہ وہی ہے جو انبیائے سابقین کو کی گئی تھی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

إِنَّا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ كَمَا أَوْحَيْنَا إِلَى نُوحٍ وَاللُّهُثَيْنِ مِنْ بَعْدِهِ
وَأَوْحَيْنَا إِلَى إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ
وَالْأَسْبَاطِ وَعِيسَى وَأَيُّوبَ وَيُوسُفَ وَهَارُونَ وَسُلَيْمَانَ
وَأَتَيْنَا دَاوُدَ رَبُّوْرًا ۚ وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنَاهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ
وَرُسُلًا لَمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ^ط (النساء: ۱۶۳-۱۶۴)

”اے نبی! ہم نے تمہاری طرف اسی طرح وحی بھیجی ہے جس طرح نوح اور اس کے بعد کے پیغمبروں کی طرف بھیجی تھی۔ ہم نے ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب اور اولاد یعقوب، عیسیٰ، ایوب، یوسف، ہارون اور سلیمان کی طرف بھیجی۔ ہم نے داؤد کو زبور دی۔ ہم نے ان رسولوں پر بھی وحی نازل کی جن کا ذکر ہم اس سے پہلے تم سے کر چکے ہیں اور ان رسولوں پر بھی جن کا ذکر تم سے نہیں کیا۔“

اسی دین کے عنایت کیے جانے کی مزید وضاحت کرتے ہوئے باری تعالیٰ نے فرمایا:

سَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّينِ مَا وَصَّى بِهِ نُوحًا وَالَّذِي أَوْحَيْنَا
إِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَى وَعِيسَى أَنْ أَقِيمُوا
الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ^ط (الشوری: ۱۳)

”اس نے تمہارے لیے دین کا وہی طریقہ مقرر کیا ہے جس کا حکم اس نے نوح کو دیا تھا اور جسے (اے محمد) اب تمہاری طرف ہم نے وحی کے ذریعہ سے بھیجا ہے اور جس کی ہدایت ہم ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ کو دے چکے ہیں، اس تاکید کے ساتھ کہ قائم کرو اس دین کو اور اس میں متفرق نہ ہو جاؤ۔“

”قائم کرو اس دین کو اسے کون سا دین مراد ہے؟ اس کا تعین کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے

فرمایا:

إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ ۚ (آل عمران: ۱۹)

”اللہ کے نزدیک دین صرف اسلام ہے۔“

دین تو یکساں رہا، شریعت بدلتی رہی

قوموں اور ملکوں کے حالات یکساں نہیں رہتے، تقاضے اور قدریں بدلتی رہتی ہیں۔ اس لیے دین میں یکسانیت کو باقی رکھا، البتہ اس کے فروع میں فرق ضرور کر دیا گیا۔ جیسا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا:

لِكُلِّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ فِرْعَوْنًا وَمُحَاجًّا ۖ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَعَلَكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً ۚ وَلَٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِي مَا آتَاكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ ۚ (المائدہ: ۴۸)

”ہم نے تم (انسانوں) میں سے ہر ایک کے لیے ایک شریعت اور ایک راہ عمل مقرر کی۔ اگرچہ تمہارا خدا چاہتا تو تم سب کو ایک امت بھی بنا سکتا تھا۔ لیکن اس نے یہ اس لیے اختیار کیا کہ جو کچھ اس نے تم لوگوں کو دیا ہے اس میں تمہاری آزمائش کرے۔ لہذا بھلائیوں میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرو۔“

سورۃ البقرہ کی مذکورہ آیت پر غور کریں تو معلوم ہو جائے گا کہ دین تو وہی ہے جس کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے اول اول نافذ کیا تھا، یعنی یہ کہ اللہ کی عبادت کی جائے اور اس کا کسی کو شریک نہ ٹھہرایا جائے۔ (۱۱) البتہ شرائع میں تبدیلی ہوتی رہی۔ قرآن کریم کی بعض دوسری آیتوں سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے: (المائدہ: ۴۸) چنانچہ حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے تمام انبیاء کو ”ان اقموا الدین ولا تفرقوا فیہ“ کی وصیت کی اور اس میں افتراق و اختلاف سے منع کیا ہے۔ (۱۲) ”والا تفرقوا فیہ“ مودودیؒ اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”اگر میں صاف صاف بتا دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کسی نے مذہب کے بانی نہیں ہیں، نہ انبیاء میں سے کوئی اپنے کسی الگ مذہب کا بانی مقرر ہے، بلکہ اللہ کی طرف سے ایک نیا دین ہے جسے شروع سے تمام انبیاء پیش کرتے چلے آ رہے ہیں اور اسی کو منقوش کر رہے ہیں۔ اس سلسلے میں سب سے پہلے حضرت نوحؑ کا نام لیا گیا ہے

جو طوفان کے بعد موجودہ نسل انسانی کے اولین پیغمبر تھے، اس کے بعد نبی کا ذکر کیا گیا ہے، پھر آخری نبی آیا۔ پھر حضرت ابراہیمؑ کا نام لیا گیا۔ یہ جنہیں اہل عرب اپنا چچا مانتے تھے اور ان کے پیغمبر تھے۔ ذیل اور حضرت عیسیٰؑ کا ذکر کیا گیا ہے، جن کی طرف سے یہی اور عربی روایت ہے کہ سب کو مشروب کرتے ہیں۔ اس سے مقصود یہ نہیں ہے کہ انہی پانچ انبیاء کو اس دین کی ہدایت کی گئی تھی، بلکہ اصل مقصد یہ بتانا ہے کہ دنیا میں جتنے انبیاء بھی آئے ہیں، سب ایک ہی دین لے کر آئے ہیں اور انہوں نے کے طور پر پانچ جلیل القدر انبیاء کا نام لے دیا گیا ہے جن سے دنیا کو معروف ترین آسمانی شریعتیں ملی ہیں۔“ (۱۳)

صحیح احادیث سے بھی ثابت ہے کہ نبی اکرمؐ کے ذریعہ دین اسلام کی تکمیل ہوئی۔ یہ بات خود اس کی شفاخصی ہے کہ جو دین انبیاءؑ کرام لے کر آئے تھے اس میں کچھ نہ کچھ کی تھی جس کی تکمیل آپؐ کے ذریعہ ہوئی۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ دین اسلام ارتقائی مراحل سے گزرتا ہوا محمدؐ تک پہنچا۔ پھر یہ دین اپنے جملہ خصائص کے ساتھ مکمل ہو گیا۔ اس بات کی وضاحت مندرجہ ذیل حدیث سے ہوتی ہے۔ آپؐ نے فرمایا:

”میری اور مجھ سے پہلے گزرے ہوئے انبیاء کی مثال اس عمارت کی سی ہے جیسے کسی شخص نے ایک گھر بنایا ہو اور اسے خوب سجایا اور سنوارا، مگر اس عمارت کے ایک کونے میں ایک اینٹ کی جگہ خالی چھوڑ دی۔ اس کے زائرین اس خالی جگہ دیکھ کر تعجب کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کیوں نہ یہاں اینٹ رکھ دی گئی۔ حضورؐ نے فرمایا: پس وہ اینٹ میں ہوں اور میں خاتم النبیین ہوں۔“ (۱۴)

ایک اور حدیث میں آپؐ نے انبیاء کی سلسلے سے اپنا تعلق جوڑتے ہوئے فرمایا:

”انبیاء باہم‘ علاقائی بھائیوں‘ کی طرح ہوتے ہیں، جن کا باپ ایک ہوتا ہے اور ماںیں الگ الگ ہوتی ہیں اور ان کا دین ایک ہے اور ہم دونوں کے درمیان کوئی فرق نہیں۔“ (۱۵)

بعض انبیاء کو بعض پر فضیلت

نبیؐ کی نبوت آفاقی اور دائمی ہے اور آپؐ کا اسوہ پوری انسانیت کے لیے نمونہ ہے۔ اس لیے مستشرقین اس بات سے انکار کرتے ہیں کہ انہیں وہ مقام کیوں ملا اور مسلمانوں کو خیر امت کیوں کہا گیا۔ لہذا وہ اپنی بیزاری ثابت کرنے کے لیے ہرزہ سرائی کرنے سے باز نہیں آتے۔

حالات کہ انہیں یہ معلوم ہونا چاہیے کہ انبیاء تو بے شمار آئے، انہیں میں حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی ہیں اور حضرت عیسیٰ بھی، نوح بھی ہیں اور آدم بھی ہی۔ مگر ان میں سے ہر ایک کو بحیثیت نبی ایک دوسرے پر چڑھ کر کچھ شرف و فضیلت حاصل ہے۔ کسی کو کتاب دی گئی تو کسی کو صحیفہ، کسی کو دنیا کے ایک حصے میں ملامت کیا گیا تو کسی کو کسی دوسرے حصے میں۔ کسی نبی کے ماننے والے اور ان کے مخالفین کی تعداد زیادہ تھی تو کسی کی کم۔ جب یہ باتیں تسلیم کی جاتی ہیں تو اس کو بھی ماننا چاہیے کہ ان میں کسی ایک کو افضل البشر اور افضل الانبیاء بھی ہونا چاہیے۔ اسی قاعدے اور ضابطے کے تحت نبی کی نبوت کو دائمی اور آفاقی بنایا گیا اور آپ کو بلند مقام و مرتبہ عنایت کیا گیا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے بھیجے ہوئے پیغمبروں کے مقام و مرتبہ کے تعین اور اس میں کمی بیشی کا ذکر کرتا ہے تو پھر اس میں انکار کی کیا بات اور الزام تراشی سے کیا فائدہ؟ قرآن کہتا ہے:

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ ۚ مِنْهُمْ مَنْ كَلَّمَ اللَّهُ
وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجَاتٍ ۚ وَآتَيْنَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنَاتِ
وَأَيَّدْنَاهُ بِرُوحِ الْقُدُسِ ۖ (البقرہ: ۲۵۳)

”یہ رسول (جو ہماری طرف سے انسانوں کی ہدایت پر مامور ہوئے) ہم نے ان کو ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر مرتبے عطا کیے۔ ان میں کوئی ایسا تھا جس سے خدا خود ہم کلام ہوا، کسی کو اس نے دوسری حیثیتوں سے بلند درجے دیے اور عیسیٰ ابن مریم کو روشن نشانیاں عطا کیں اور روح پاک سے اس کی مدد کی۔“
ایک دوسری آیت میں فرمایا گیا ہے:

وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيِّينَ عَلَىٰ بَعْضٍ (نبی اسرائیل: ۵۵)
”ہم نے بعض پیغمبروں کو بعض سے بڑھ کر مرتبے دیے۔“

سارے انبیاء لائق تعظیم ہیں

بعض کو بعض انبیاء پر کچھ نہ کچھ فضیلت حاصل ہے۔ اس سے کسی کی تنقیص لازم نہیں آتی اور نہ ہم اس کے مجاز ہیں کہ ہم ان کے متعلق بے ہودہ باتوں کا ارتکاب کریں۔ بلکہ یہ سارے انبیاء لائق تعظیم ہیں اور ان پر ایمان لانا ضروری ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو حکم

دیتا ہے:

قُولُوا آمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْنَا وَمَا أُنْزِلَ إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ
إِسْمَاعِيلَ وَإِسْحٰقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ وَمَا أُوتِيَ مُوسَىٰ
وَعِيسَىٰ وَمَا أُوتِيَ النَّبِيُّونَ مِنْ رَبِّهِمْ ۚ لَا تُفَرِّقُوا بَيْنَ أَحَدٍ
مِّنْهُمْ ۚ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ ﴿۱۳۶﴾

”مسلمانو، کہو کہ: ہم ایمان لائے اللہ پر اور اس ہدایت پر جو ہماری طرف نازل ہوئی
ہے اور جو ابراہیمؑ، اسماعیلؑ، اسحاقؑ، یعقوبؑ، اور اولاد یعقوبؑ کی طرف نازل ہوئی
تھی اور جو موسیٰؑ، اور عیسیٰؑ اور دوسرے تمام پیغمبروں کو ان کے رب کی طرف سے دی
گئی تھی۔ ہم ان کے درمیان کوئی تفریق نہیں کرتے اور ہم اللہ کے مسلم ہیں۔“

انبیاء کو ایک دوسرے پر جو فضیلت حاصل ہے، باوجود اس کے ان کا احترام کیا جانا
چاہیے۔ خود نبی اکرمؐ نے کئی مواقع پر اس بات سے منع کیا ہے کہ بعض انبیاء کی بعض پر فضیلت نہ
جناؤ۔ (۱۶) کیوں کہ سب ایک ہی سرچشمہ کے مختلف دھارے ہیں۔ محمدؐ کو بعض وجوہ سے جو
بلند مقام و مرتبہ حاصل ہے، اس کی وجہ بتاتے ہوئے علامہ سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں:

”ہم تمام انبیاء کرام کا ادب و احترام کرتے ہیں اور ان کے سچے پیغمبر ہونے پر یقین
رکھتے ہیں۔ لیکن گھوڑے تلک الرُّسُلَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ۔
(البقرہ: ۲۵۳) (یہ پیغمبر ہیں جن میں سے بعض کو بعض پر ہم نے فضیلت دی ہے)
دوام، بقا، ختم نبوت اور آخری کامل انسانی سیرت ہونے کی حیثیت سے محمد رسولؐ کو جو
خاص شرف عطا ہوا ہے، وہ دیگر انبیاء کو اس لیے نہیں مرحمت ہوا کہ ان کو دائمی، آخری اور
خاتم نبوت نہیں بنایا گیا تھا۔ ان کی سیرتوں کا مقصد ایک خاص قوم کو ایک خاص زمانہ تک
نمونہ دینا تھا۔ اس لیے اس زمانہ کے بعد بہ تدریج وہ دنیا سے مفقود ہو گئیں۔“ (۱۷)

حاصل بحث

مذکورہ تصریحات کی روشنی میں کیا کوئی بھی سنجیدہ آدمی کہہ سکتا ہے کہ نبیؐ نے اللہ کے
نافذ کردہ دین کے مقابلے میں ایک نئے دین کو ایجاد کیا۔ نعوذ باللہ اگر یہ کوئی نیا دین ہوتا تو اب

تک اسے دنیا سے فنا ہو جانا چاہیے تھا اور وہی دین اور شریعت دنیا میں نافذ ہو جاتا جسے حضرت موسیٰ و عیسیٰ لے کر آئے تھے۔ بناوٹ بناوٹی ہوتی ہے، اس کے فنا ہونے میں زیادہ دیر نہیں لگتی۔ مگر ہم دیکھ رہے ہیں کہ سابقہ ادیان کیسے اپنا دم توڑ رہے ہیں اور اسلام دنیا میں پھیل رہا ہے۔ آپ سے پہلے جو بھی دین اور طریقہ تھا وہ کسی خاص قوم اور عہد کے لیے تھا، اس لیے اس میں بہ مقابلہ نبی کے دین کے افراط و تفریط کا پایا جانا کوئی بعید نہیں۔ لیکن جس دین یا شریعت کی تکمیل حضرت محمد کے ذریعہ ہوئی اور جس کا اعلان آپ نے فتح مکہ کے وقت مجمع عام میں کیا:

اَنِّيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتَمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَ

رَضِيْتُ لَكُمْ الْاِسْلَامَ دِيْنًا (المائدہ: ۳)

”آج میں نے تمہارے دین کو تمہارے لیے مکمل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی اور تمہارے لیے اسلام کو تمہارے دین کی حیثیت سے قبول لرایا۔“

وہ ایسا ہے جو انسان کی عین فطرت اور اس کی تمام ضرورتوں کی تکمیل پر مبنی ہے۔ جو بھی اس دین پر عمل کرے گا وہ دین و دنیا کی کامیابی سے ہم کنار ہوگا۔

اس آیت سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ اس سے پہلے جو دین بنی نوع انسانی کے لیے عطا ہوا تھا، آج وہ دین خاتم الانبیاء کے ذریعہ مکمل ہو گیا۔ اب اس میں کسی کمی بیشی کی نہ کوئی ضرورت ہے اور نہ گنجائش۔ یہ دین کسی خاص قوم، خاص ملک اور زمانے کے لیے نہیں ہے، بلکہ قیامت تک کے لیے اور پوری دنیا کے لیے کامل و مکمل ہے۔ حدود و فرائض اور حلال و حرام سب کی اس میں وضاحت کر دی گئی ہے۔ (۱۸) چنانچہ اکمال دین کی وضاحت کرتے ہوئے فقال مروزی فرماتے ہیں:

”ہر زمانے میں جس پیغمبر کو جو دین و شریعت عطا کی گئی وہ کامل و مکمل تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کو اس بات کا بہ خوبی علم تھا کہ جو دین اس زمانے میں اس قوم کے لیے کامل و مکمل ہے وہ اگلے زمانے کے لیے کافی نہ ہوگا۔ بلکہ اس کو منسوخ کر کے دوسرا دین اور شریعت نافذ کی جائے گی۔ اس کے برخلاف شریعت اسلامی جو سب سے آخر میں نازل کی گئی اور تمام ضرورتوں اور ہر لحاظ سے کامل و مکمل ہے وہ نہ کسی خاص زمانہ کے ساتھ مخصوص ہے اور نہ کسی خاص خطہ، ملک یا قوم کے ساتھ، بلکہ قیامت تک ہر زمانہ اور ہر خطہ اور ہر قوم کے لیے یہ شریعت کامل و مکمل ہے۔“ (۱۹)

اب اگر کوئی اس دین کے علاوہ کوئی دوسرا دین یا طریقہ اختیار کرے گا تو وہ عند اللہ قابل قبول نہ ہوگا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ
مِنَ الْخَاسِرِينَ ﴿۸۵﴾

(آل عمران: ۸۵)

”اس فرماں برداری (اسلام) کے سوا جو شخص کوئی اور طریقہ اختیار کرنا چاہے، اس کا وہ طریقہ ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اور آخرت میں وہ ناکام و نامراد رہے گا۔“

☆☆☆

مآخذ و مراجع

- (۱) سید سلیمان ندوی، سیرۃ النبی، دار المصنفین، شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، ۲۰۰۳ء، ج: ۳، ص: ۱۵۴
- (۲) گولڈزیبر، العقیدہ والشریعت فی الاسلام (عربی ترجمہ: یوسف موسیٰ) مصر، ۱۹۳۸ء، ص: ۳
- (۳) ڈاکٹر عبدالعلیم، سیرۃ النبی اور مستشرقین، مطبوعہ لکھنؤ، ۲۰۰۰ء، ص: ۷۵۔ یہ کتاب ’ولہا وزن‘ کے ایک طویل مقالہ کے کچھ حصے کا ہے جو ’محمد نزہ‘ کے عنوان سے انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا میں شامل ہے۔
- (۴) محمد بن اسحاق یسار، سیرۃ ابن اسحاق، ملی پبلیکیشنز، نئی دہلی، ۲۰۰۹ء، ص: ۱۰۰
- (۵) عہد نامہ قدیم، کتاب استثناء، باب: ۱۸، آیت: ۱۵-۱۹
- (۶) عہد نامہ جدید، کتاب یوحنا، باب: ۱۶، آیت: ۱۳-۱۴
- (۷) برتاباس کی انجیل، باب: ۱۷ (مترجم اردو: آسی ضیائی) اسلامک پبلشرز، لاہور، ۱۹۷۴ء، ص: ۴۲
- (۸) ایضاً، باب: ۴۳، ص: ۷۹
- (۹) ابی عبداللہ محمد بن احمد القرطبی، الجامع لاحکام القرآن، المطبعۃ المہدیۃ المصریہ، ۱۹۸۷ء، ج: ۲، ص: ۱۶۳
- (۱۰) ابی جعفر محمد بن جریر الطبری، تفسیر طبری، دار المعارف، مصر، ۱۹۵۷ء، ج: ۱۱، ص: ۲۹۵
- (۱۱) عماد الدین ابی الفداء اسماعیل بن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، دار الکتب، دیوبند، ۲۰۰۲ء، ج: ۴، ص: ۱۳۷
- (۱۲) ایضاً
- (۱۳) مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی، تفہیم القرآن، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی، ۲۰۰۲ء، ج: ۴، ص: ۸۶
- (۱۴) ابی عبداللہ محمد بن اسماعیل البخاری، صحیح البخاری، کتاب المناقب، باب خاتم النبیین
- (۱۵) ایضاً، کتاب الانبیاء، باب قول اللہ تعالیٰ واذا کرنی الکتب مریم اذا المتبت
- (۱۶) ابی الحسن مسلم بن حجاج، صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب من فضائل موسیٰ

- (۱۷) سید سلیمان ندوی، خطبات مدراس، فرید بک ڈپو، دہلی، ۲۰۰۴ء، ص: ۲۸-۲۹
- (۱۸) شہاب الدین محمود آلوسی، روح المعانی، ادارہ الطباعۃ المنیریہ، دمشق، ج: ۶، ص: ۶۰
- (۱۹) ابی حیان الاندلسی، تفسیر البحر المحیط، دار احیاء التراث العربی، بیروت لبنان، ۲۰۰۲ء، ج: ۳، ص: ۵۹۶

باب ہفتم

کیا تعلیمات نبوی ﷺ پر مسیحیت کا اثر ہے؟

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذرائع علم کیا تھے؟ معترضین کے نزدیک یہ مسئلہ ہمیشہ زیر بحث رہا ہے۔ اگر وحی کو ذریعہ ابلاغ تسلیم کر لیا جائے تو سارا مسئلہ ہی ختم ہو جاتا ہے۔ لیکن بنیادی بات یہی ہے کہ محمد کو نبی تسلیم نہیں کرتا ہے، اس لیے وحی کے ماننے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ بڑی مشکل سے انہیں بشریت کا مقام دیا گیا تو عیسائی کلیسا کا رکن سمجھا گیا۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ نبی کے معلمین کا رکنان کلیسا تھے۔ اتفاق سے شام کے تجارتی اسفار کا واقعہ مستشرقین کی نظر سے گزرا، تو پھر ان کے لیے راہبوں کو معلم ثابت کرنے میں کوئی کلام نہیں رہ گیا۔ لیکن وقت یہ تھی کہ مختصر وقت کی ملاقات تعلیم و تعلم کے لیے کافی نہیں۔ لہذا اس قسم کے معلمین کو عرب میں تلاش کیا گیا۔ مستشرقین کی نظروں میں بن نوفل پر پڑی۔ بڑے وثوق سے کہا گیا کہ یہی آپ کی تعلیم پر مامور ہوئے۔ ان لوگوں نے معلمین کی تعداد بڑھانے کی کوشش کی تو یہ بھی کہا کہ زید بن حارثہ چوں کہ ہر وقت آپ کے ساتھ رہتے تھے اور ان کا تعلق عیسائیت سے تھا، اس لیے مذہب کی تشکیل و تفہیم میں ان سے مدد لی ہوگی۔ یہ بھی کہا گیا کہ حضرت بلال حبشیؓ اور ماریہ قبطیہؓ کا تعلق بھی عیسائیت سے تھا، کوئی بعید نہیں کہ ان لوگوں سے بھی آپ نے عیسائیت سے واقفیت حاصل کی ہوگی۔ ان سارے لوگوں کا معلمین ہونا مستشرقین نے ناکافی سمجھا تو ان اہل کتاب عالموں کو بھی اس فہرست میں شامل کر دیا، جو مکہ کے قرب و جوار میں رہتے تھے۔ بیش تر مستشرقین مثلاً: سر ولیم میور، بلاشیر، ڈرپر، باڈلے، فلیپ ایرلنگی اور گولڈزیہر وغیرہ نے اسی بات پر زور دیا ہے۔ ڈرپر لکھتا ہے:

”بحیرار اہب نے لہری کی خانقاہ میں محمد کو نسطوری عقائد کی تعلیم دی..... آپ کے تاریہیت یافتہ لٹاؤ دماغ نے نہ صرف اپنے اتالیق کے مذہبی بلکہ فلسفیانہ خیالات کا گہرا اثر قبول کیا..... بعد میں آپ کے طرز عمل سے اس امر کی شہادت ملتی ہے کہ نسطوریوں (عیسائیوں کے ایک فرقہ کا نام ہے) کے مذہبی عقائد نے آپ پر کہاں تک قابو لیا تھا۔“ (۱)

ظلیپ ایرلنگی اپنے ایک مضمون میں متفاد اور ناقابل تسلیم رائے کا اظہار کرتے ہوئے لکھتا ہے:

”محمدؐ کی مکہ میں اکثر یہودیوں سے ملاقات ہوتی رہتی تھیں..... محمدؐ اپنے خادم زید سے جو عیسائیوں کا غلام رہ چکا تھا یہودیوں اور مسیحی مذاہب کے بارے میں استفادہ کی غرض سے سوالات کیا کرتے تھے وہ اپنے خادم سے زیادہ سمجھ دار تھے..... مدینہ میں محمدؐ یہودیوں کے شاگرد رہے، یہودیوں ہی نے آپؐ کی شخصیت سازی کی تھی یہودیوں اور مسیحیوں میں جو داستانیں مشہور تھیں جبرئیلؑ ان سب کو محمدؐ کے سامنے بیان کر دیا کرتے تھے۔“ (۲)

مکہ کے ماحول میں تعلیم کا حصول ممکن نہ تھا

قریش مکہ کو اپنی زبان وانی پر ضرور ناز تھا۔ مگر ان کے اندر نوشت و خواندہ سے دل چسپی نہیں تھی۔ یہ صورت اس وقت تک برقرار رہی جب تک کہ محمدؐ نے نبوت سے سرفرازی کیے جانے کے بعد ان لوگوں کے اندر پڑھنے لکھنے کا داعیہ نہ پیدا کر دیا۔ حضورؐ کے ابتدائی حالات سے بھی پتا چلتا ہے کہ کہ آپؐ کی پرورش جس ماحول اور معاشرہ میں ہوئی اس میں حصول علم کے ذرائع اور مواقع مفقود تھے۔ اس لیے یہ بات سرے سے بے بنیاد ہے کہ آپؐ نے حصول علم کے لیے معلمین کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا تھا، جس کے اثرات نبوت کے بعد ظاہر ہوئے، یا اس سے قبل آپؐ نے جس سنجیدگی اور فرزانگی کا مظاہرہ کیا وہ اسی تعلیم و تربیت کا نتیجہ تھا۔ بلکہ آپؐ کا طریقہ زندگی ٹھیک اسی نچ پر پروان چڑھا جس طرح حضرت ابراہیمؑ کی زندگی۔ وہ کم عمری میں بتوں کے مخالف ہو گئے اور جستجوئے حق میں سرگرداں رہے۔ (الانبیاء: ۵۱-۵۲)

حضورؐ کی امت کے دلائل

یہ بات تو طے ہے کہ آپؐ امی تھے۔ قرآن نے بار بار آپؐ کو اسی لقب سے یاد کیا اور متعارف کرایا ہے۔ چنانچہ کفار و مشرکین کے شکوک و شبہات کا ازالہ اور ان کے اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے قرآن میں فرمایا گیا ہے:

قَامُوا بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ النَّبِيِّ الْأَخِيِّ الَّذِي يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ
كَلِمَاتِهِ وَالَّذِي يُّؤْمِنُ أَعْلَانًا ۖ فَهَتَدُونَ ﴿١٥٨﴾

”بس یہاں (اخوانہ) پر اور اس کے پیچھے ہوئے نبی امیؐ پر جوا اللہ اور اس کے ارشادات کو مانتا ہے اور جی دلی اختیار کر اس کی امید کہ تم راہ راست پالو گے۔“
ایک اور مقام پر حضورؐ کو امیؐ کے طور پر تعارف کراتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَمَا كُنْتُمْ لِنَبِيِّ قَبْلِهِ مِنْ شَيْءٍ ۚ وَلَا تَحْضِلُوهُ بِمَبْعِثَاتِ إِذَا
أُتِيَ بِرَبِّهِ الْمُبْطِلُونَ ﴿٣٨﴾

” (اس نبیؐ) تم اس سے پہلے کوئی کتاب نہیں پڑھتے تھے اور نہ اپنے ہاتھ سے لکھتے تھے، اگر ایسا ہوتا تو باطل پرست لوگ شک میں پڑ سکتے تھے۔“
نبی امیؐ کی پیروی کرنے کی تائید کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے:

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنَّ هَذَا إِلَّا إِفْكٌ افْتَرَاهُ وَأَعَانَهُ
عَلَيْهِ قَوْمٌ آخَرُونَ ۖ فَقَدْ جَاءُوا ظُلْمًا وَزُورًا ۖ وَقَالُوا
أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ۖ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلَى عَلَيْهِ بُحْرَةً ۖ وَ
أَصْبَحْنَا ۖ قُلْ أَنْزَلَهُ الَّذِي يَعْلَمُ السِّرَّ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ
إِنَّهُ كَانَ غَفُورًا رَحِيمًا ﴿٣-٦﴾

”جن لوگوں نے نبیؐ کی بات ماننے سے انکار کر دیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ یہ فرقان ایک من گھڑت چیز ہے جسے اس شخصؐ نے آپؐ ہی گھڑ لیا ہے اور کچھ دوسرے لوگوں نے اس کام میں اس کی مدد کی ہے۔ بڑا ظلم اور سخت جھوٹ ہے، جس پر یہ لوگ اتر آئے

ہیں۔ کہتے ہیں یہ پرانے لوگوں کی لکھی ہوئی چیزیں ہیں۔ جنہیں یہ شخص نقل کراتا ہے اور وہ اسے صبح و شام سناٹی جاتی ہیں۔ اے نبیؐ ان سے کہو کہ اسے نازل کیا ہے اس نے جو زمین اور آسمانوں کا بھید جانتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ بڑا غفور و رحیم ہے۔“

چالیس سال کی عمر میں غار حرا کے اندر جبرئیل امین وحی لے کر آئے اور آپ سے کہا کہ اے محمدؐ پڑھیے۔ آپ بار بار یہی کہتے رہے کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ فرشتہ نے جب آپ کو سینہ سے لگا کر بھیجا تو آپ پڑھنے لگے۔ (۳) یہ اور بعض دوسرے واقعات سے یہ بات مزید واضح ہو جاتی ہے کہ آپ پڑھنے لکھنے سے واقف نہ تھے۔ نبوت سے سرفراز کیے جانے کے بعد تبلیغ دین کے لیے آپ نے بہت سے حکم رانوں کے نام خطوط اور فرامین لکھوا کر بھیجے۔ اگر آپ نوشت و خواند سے واقف ہوتے تو ایسا کرنے کی ضرورت نہ پڑتی۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر کفار کے قابل اعتراض لفظ کو مٹا کر محمد بن عبد اللہ لکھنے کو حضورؐ نے حضرت علیؓ سے کہا۔ انہوں نے احترام نبویؐ کا لحاظ کرتے ہوئے جواب دیا یہ کام مجھ سے نہیں ہو سکتا۔ اس پر حضورؐ نے علیؓ سے فرمایا بتاؤ وہ لفظ کہاں ہے۔ حضرت علیؓ نے انگلی رکھ کر بتا دیا۔ حضورؐ نے اپنے ہاتھ سے اسے مٹایا اور اس کی جگہ محمد بن عبد اللہ لکھوا دیا۔ (۴) برسوں علمی ماحول میں رہنے کی وجہ سے بعض لوگ کم از کم اپنے نام کا املا کر ہی لیتے ہیں۔ اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں اور نہ اس سے پڑھے لکھے ہونے پر استدلال نہیں کیا جاسکتا ہے۔ بعض روایتیں ایسی بھی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آخری زمانہ تک آپؐ کے اندر لکھنے پڑھنے کی شد بد پیدا ہو گئی تھی۔ مگر یہ تمام روایتیں موضوع اور کم زور ہیں۔ (۵)

کفار مکہ نے راہبوں سے علمی استفادہ کا الزام نہیں لگایا

بتوں کی مذمت اور عقائد و اعمال کے مفاسد کی باتیں سننا کفار و مشرکین کے نزدیک دل شکن بات تو تھی، مگر ان کے لیے زیادہ اچنبھے والی بات یہ تھی کہ سابقہ انبیاء اور ان کے پیروکاروں کی اطلاع آخر نبیؐ کو کہاں سے مل رہی ہے۔ وہ تو پڑھے لکھے نہیں ہیں کہ سابقہ کتابوں سے معلومات اخذ کر سکیں۔ ہونہ ہو یہ فلاں فلاں عجبی غلاموں سے جنہیں آسمانی کتابوں کا علم ہے، معلومات حاصل کرتے ہوں۔ ان کے نزدیک معلومات کے ذرائع ان کے علاوہ شام کے راہب ہوتے تو وہ ضرور اس کی تشہیر کرتے اور کہتے یہ باتیں انہیں سے سیکھی تھیں۔ لیکن یہ

عجیب بات ہے کہ نبیؐ کے ہم عصر دشمنوں میں سے کسی نے بھی یہ نہیں کہا کہ تم بچپن میں بحیرا رہب سے جب ملے تھے، اس وقت یہ سارے مضامین ان سے سیکھ لیے تھے اور نہ یہ کہا کہ جوانی میں جب تجارتی سفروں کے سلسلے میں تم باہر جایا کرتے تھے، اس زمانے میں تم نے عیسائی اور یہودی علماء سے یہ معلومات حاصل کی تھیں۔ یہ سفاکیلے نہیں قافلے کے ساتھ ہوئے تھے اور وہ جانتے تھے کہ ان میں کسی سے کچھ سیکھ کر آنے کا الزام لگائیں گے تو اپنے ہی شہر والے جھٹلائیں گے۔ اس کے علاوہ مکے کا ہر عام آدمی پوچھے گا کہ اگر یہ معلومات اس شخص کو بارہ تیرہ برس کی عمر ہی میں بحیرا سے حاصل ہو گئی تھیں تو آخر یہ شخص کہیں باہر تو نہیں رہتا تھا، ہمارے ہی درمیان رہتا، بستا تھا۔ کیا وجہ ہے کہ چالیس برس کی عمر تک اس کا یہ سارا علم چھپا رہا اور کبھی ایک لفظ بھی اس کی زبان سے ایسا نہ نکلا جو اس کے علم و دانش کی غمازی کرتا؟ (۶) علامہ سید سلیمان ندویؒ لکھتے ہیں:

”سب سے بڑی بات یہ ہے کہ آں حضرتؐ کی پیغمبرانہ زندگی پورے ۲۳ برس تک قائم رہی، اگر آں حضرتؐ عسی انسانی معلم سے فیض پاتے رہتے تو ضرور تھا کہ وہ اس پورے زمانہ تک یا بڑی حد تک غلوت و جلوت میں آپ کے ساتھ رہتا کہ وقت ضرورت (نحوہ باندھ) آپ اس سے قرآن بتواتے، احکام و مواضع سیکھتے، اسرار و نکات معلوم کرتے اور یہ شخص یقیناً مسلمان نہ ہوتا، کیوں کہ جو شخص خود مدعی نبوت کو تعلیم دے رہا ہو، وہ کیوں کر اس کی نبوت کو تسلیم کر سکتا تھا اور پھر اس شہرت عام، ذکر جمیل، رفعت مقام کو دیکھ کر جو مدعی نبوت کو حاصل ہو رہی تھی، وہ خود پردہ کے پیچھے گم نامی پسند کرتا اور صحابہ کرام کی نگاہوں سے اس کا وجود ہمیشہ مستور رہتا، جس عجبی کی نسبت قریش کو شہ تھا، اگر حقیقت میں آپ اس سے تعلیم حاصل کیا کرتے تو قریش جو آپ کی تکذیب، تذلیل اور آپ کو خاموش کرنے کی تدبیر پر عمل پیرا ہو رہے تھے، ان کے لیے آسان تھا کہ اس غلام عجبی کو الگ کر دیتے کہ محمد رسول اللہ کا وہی اور قرآن کا تمام کاروبار دفعتاً درہم برہم ہو جاتا، علاوہ ازیں زیادہ سے زیادہ اس کا وجود مکہ میں تھا، پھر مدینہ میں ۱۳ برس تک سینہ نبوت سے فیضان الہی کا سرچشمہ کیوں کر اہل رہا، قرآن شریعت اسلام اور احکام کا بڑا حصہ یہیں وحی ہوا ہے، مکہ میں تو نسبتاً بہت کم سورتیں نازل ہوئیں۔“ (۷)

شام کے تجارتی سفر کا پس منظر

حضور کے تجارتی سفر جو یحییٰ میں ہوئے اس کی تفصیل جامع الترمذی میں بیان کی گئی ہے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری فرماتے ہیں:

”ابوطالب رؤسائے قریش کے ہمراہ (ملک) شام کی طرف (تجارت کے لیے) چلے۔ آپ کے ہمراہ رسول اللہ ﷺ سفر میں تھے۔ جب (بحیرا) راہب کے مکان (یا صومعہ) کے قریب پہنچے تو ابوطالب ارے اور لوگوں نے اپنے کجادے کھول دیے۔ پادری (راہب) ان کے پاس آیا، اس سے پہلے بھی یہ لوگ یہاں سے گذرا کرتے تھے، مگر راہب ان کے پاس نہ آتا تھا بلکہ التفات بھی نہ کرتا تھا۔ (اب کی دفعہ خلاف معمول خود چل کر آیا) یہ لوگ ابھی کجادے کھول ہی رہے تھے کہ وہ ان کے درمیان ٹھس کر چلنے لگا، یہاں تک کہ اس نے آکر رسول اللہ کا ہاتھ پکڑ لیا اور اس نے (لوگوں کو مخاطب کر کے) کہا: یہ تمام جہانوں کے پروردگار کی طرف سے رسول ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو عالم کے لیے رحمت بنا کر مبعوث کرے گا اور یہ تمام عالم کے سردار ہیں۔ رؤسائے قریش نے پوچھا یہ آپ کو کیسے معلوم ہوا۔ پادری نے کہا جس وقت تم لوگ عقبہ سے چلے ہو تو جتنے پتھر اور درخت تھے، سب سجدہ میں گر پڑے۔ ایک پتھر اور ایک درخت بھی ایسا نہ رہا جس نے سجدہ نہ کیا ہو۔ درخت اور پتھر سوائے پیغمبر کے کسی کو سجدہ نہیں کرتے اور میں ان کی مہر نبوت بھی پہچانتا ہوں جو آپ کے موٹے کی ہڈی کے نیچے سیب کی مانند ہے، پھر وہ پادری واپس چلا گیا اور ان لوگوں کے لیے کھانا تیار کرنے لگا جس وقت وہ کھانا لے کر ان کے پاس آیا تو آپ اونٹوں کے چرانے میں مصروف تھے۔ اس نے آپ کو بلا بھیجا، جس وقت حضور وہاں سے چلے تو ایک بدلی آپ کے سر پر سایہ کیے ہوئے تھی، جب آپ لوگوں کے پاس پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ یہ لوگ مجھ سے پہلے درختوں کے سایوں کی جگہ قبضہ کر چکے ہیں۔ جب آپ بیٹھے تو درخت کا سایہ آپ پر جھک گیا، پادری نے لوگوں سے کہا۔ دیکھو اس درخت کا سایہ آپ پر جھک گیا ہے۔ راوی کہتے ہیں کہ وہ پادری ان کے پاس کھڑا ہوا قسمیں کھا کھا کر ان کو بھارا ہاتھا کہ ان کو روم کی طرف نہ لے جاؤ، کیوں کہ رومی لوگ اگر ان کو دیکھیں گے تو صفت و علامات سے ان کو پہچان لیں گے (کہ یہ اللہ تعالیٰ کے

برگزیدہ نبی ہیں) اور آپ کو قتل کر ڈالیں گے۔ اتنے میں اس نے منہ موڑ کر کیا دیکھا کہ سات آدمی روم کی طرف سے چلے آ رہے ہیں پادری نے ان کا استقبال کیا اور ان سے پوچھا کہ تم کیوں آئے؟ انہوں نے کہا ہم اس لیے آئے ہیں کہ ایک نبی اس مہینہ میں نکلنے والے ہیں۔ ہمیں کوئی راستہ ایسا نہیں جہاں چھ آدمی نہ بھیجے گئے ہوں اور ہمیں ان کی خبر ملی ہے تو ہمیں اس راستہ کی طرف بھیجا گیا ہے۔ پادری نے پوچھا کیا تم لوگوں کے پیچھے کوئی تم سے بہتر آدمی بھی ہے؟ انہوں نے کہا ہمیں تو آپ کے اسی راستہ کی خبر دی گئی ہے (اور کچھ نہیں بتایا گیا) پادری نے کہا اچھا تو یہ بتاؤ کہ اگر اللہ تعالیٰ نے کسی امر کا ارادہ کیا ہو تو کیا انسان کی طاقت ہے کہ اسے روک دے؟ انہوں نے کہا نہیں۔ الغرض انہوں نے آپ سے بیعت کر لی اور آپ کے ساتھ مقیم رہے۔ پادری نے قریش سے کہا تمہیں خدا کی قسم یہ بتاؤ کہ تم میں اس کا دلی (سرپرست) کون ہے؟ انہوں نے کہا ابوطالب (آپ کے چچا اور سرپرست ہیں) پادری نے قسمیں دے کر ابوطالب سے کہا کہ انہیں واپس لے جاؤ۔ آخر ابوطالب نے آپ کو مکہ واپس بھیج دیا اور حضرت ابو بکر صدیقؓ نے آپ کے ہمراہ بلال کو بھیجا اور اس پادری نے آپ کو زوردارہ کے لیے روٹیاں اور روغن دیا۔“ (۸)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تجارتی اسفار صحیح تناظر میں

حضور کے تجارتی اسفار جو ملک شام کے لیے ہوئے، اس سے متعلق جو تفصیلات بعض کتب احادیث و سیر اور تاریخ میں ملتی ہیں اور جیسا کہ ابھی اوپر تفصیلی روایت گزری ہے۔ اس میں سے ناقابل فہم باتوں کو نکال دیا جائے تو اس کا سیدھا سادہ مطلب یہی نکل کر سامنے آتا ہے کہ آپؐ نے پہلی مرتبہ شام کا سفر اس وقت کیا، جب کہ آپؐ کی عمر مشہور روایت کے مطابق ۱۲ ارسال کی تھی۔ یہ سفر آپؐ کا اپنے چچا ابوطالب کے ساتھ ہوا تھا۔ جب یہ تجارتی قافلہ منزل بہ منزل کوچ کرتا ہوا، شام کے علاقہ بصری کے مقام پر پہنچا تو ایک جگہ قیام کیا۔ یہاں سے کچھ فاصلہ پر عیسائیوں کی ایک خانقاہ تھی۔ اس میں ہجیرانام کا ایک راہب رہتا تھا۔ خلاف معمول یہ راہب اپنے صومعے سے نکلا اور قافلہ والوں کو دیکھنے لگا۔ اسے اس قافلہ والوں میں سے کسی ایک آدمی کے متعلق غیر معمولی باتیں نظر آنے لگیں۔ صحیح صورت حال جاننے کے لیے اس نے اس

تجارتی قافلہ کی دعوت کی۔ وقت مقررہ پر سارے لوگ کھانے کے لیے پہنچے اور دسترخوان پر بیٹھ گئے۔ راہب کی نظر اس کم سن بچہ پر پڑی۔ وہ اسے بغور دیکھتا رہا۔ اسے اس بچہ کے چہرہ بشرہ سے غیر معمولی بلندی کے آثار نظر آ رہے تھے اور وہ علامات بھی نظر آ رہی تھیں جو نبی آخر الزماں کے متعلق وہ اپنی آسمانی کتابوں میں پڑھ چکا تھا۔ چنانچہ وہ حضور کے قریب ہوا اور آپ سے مخاطب ہو کر کچھ پوچھنے لگا۔ آپ نے کم عمر ہونے کے باوجود اس کے سارے سوالوں کا صحیح صحیح جواب دے دیا۔ اس سے اسے اتنا اندازہ تو ہو گیا کہ ہونہ ہو یہی بچہ آگے چل کر آخری نبی مقرر ہو، مگر اس نے یقین سے کچھ کہنے کے بجائے ابوطالب سے کہا کہ یہ بچہ بلند اقبال والا ہے، تم اس کی اچھی طرح نگہداشت اور پرورش و پرداخت کرنا۔ ابن اسحاق کے یہ قول بیکرا راہب نے ابوطالب سے یہ بھی کہا:

”آپ اپنے صحیحے کو وطن واپس لے جائیں اور یہود سے اس کو بچائیں۔ اللہ کی قسم اگر انہوں نے دیکھ لیا اور وہ علامتیں پہچان لیں جو میں نے پہچانی ہیں تو وہ اسے ضرور پہچائیں گے۔ آپ کا بھتیجا بڑی عظمت والا ہے۔“ (۹)

حافظ ابن کثیرؒ نے اپنی تاریخ میں اس واقعہ کو تفصیل سے نقل کیا ہے۔ بحث کے شروع میں انہوں نے اس کے متعلق جو باتیں تحریر کی ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ راہب نے ان کے بچپا سے حضور کی حفاظت اور اچھی طرح پرورش و پرداخت کرنے کی بات کہی تھی، نہ کہ یہ کہا تھا کہ یہ بچہ نبی آخر الزماں بنے والا ہے۔ (۱۰) ابن جریر طبری نے اس واقعہ سے متعلق تمام رطب یا بس باتوں کو حذف کر دیا ہے، البتہ انہوں نے ابو موسیٰ اشعرئؓ کے حوالے سے وہی روایت نقل کی ہے جسے ترمذی نے نقل کیا ہے۔ (۱۱)

شام کا دوسرا سفر اور نسطور اسے ملاقات کی اصلیت

اسی نوعیت کا دوسرا واقعہ بھی ملک شام میں اس وقت پیش آیا جب کہ آپ کی عمر ۲۵ سال کی تھی۔ آپ کا یہ سفر بھی تجارت کی غرض سے ہوا تھا۔ حضرت خدیجہ کا مال لے کر جا رہے تھے۔ آپ کے معاون کے طور پر حضرت خدیجہ نے اپنے غلام میسرہ کو ساتھ کر دیا تھا۔ جب یہ تجارتی قافلہ شام کے علاقہ بصریٰ میں پہنچا تو سب لوگوں نے پڑاؤ ڈالا۔ دھوپ کی شدت سے

بچنے کے لیے آپ ایک درخت کے نیچے آرام کرنے لگے۔ اب کی بار سطورا راہب اپنے خیمہ سے نکل کر قافلہ والوں کے پاس آیا۔ یہاں تک کہ اس نے میسرہ سے پوچھا کہ اس درخت کے نیچے آرام کرنے والا شخص کون ہے؟ اس نے کہا کہ مکہ کے قریش کا ایک فرزند ہے۔ راہب نے کہا کہ آج تک اس درخت کے نیچے حضرت عیسیٰ کے بعد کوئی دوسرا آدمی نہیں بیٹھا، یہ کوئی غیر معمولی آدمی نظر آتا ہے۔ پھر وہ حضور سے ملا اور گفت و شنید کی۔ راہب آپ سے غیر معمولی طور پر متاثر ہوا۔ بعض نشانوں کو دیکھ کر اور حضور کے عادات و اطوار کو ملاحظہ کرنے کے بعد اسے یہ نتیجہ اخذ کرنے میں دقت نہ ہوئی کہ یہ نبی آخر الزماں ہیں۔ مگر یقینی بات کہنے کے لیے اس کے پاس کوئی مضبوط دلیل نہ تھی۔ یہاں تک کہ حضور اپنی تجارت سے فارغ ہوئے اور وطن لوٹے۔ چوں کہ میسرہ ہر وقت آپ کے ساتھ رہتے تھے، اس لیے وہ حضور کے افعال و گفتار اور اخلاق و کردار سے بہت متاثر ہوئے۔ اس کا ذکر انہوں نے حضرت خدیجہؓ سے کیا تو وہ بھی آپ کی قدرداں ہو گئیں۔ یہاں تک کہ حضرت خدیجہ نے آپ سے نکاح کی پیش کش کر دی۔

ابن جریر طبری نے اس دوسرے سفر کے متعلق زیادہ تفصیلات بیان نہیں کی ہیں۔ انہوں نے بس اتنا لکھا ہے کہ میسرہ سے راہب نے پوچھا یہ شخص کون ہے۔ میسرہ نے مذکورہ باتیں بیان کر دیں، اس پر راہب نے کہا حضرت عیسیٰ کے بعد سے آج تک کوئی دوسرا آدمی اس درخت کے نیچے نہیں بیٹھا۔ (۱۲) اس کے بعد انہوں نے تجارت سے واپسی اور مکہ پہنچنے کا ذکر کیا ہے۔

ان واقعات کا کم زور پہلو

ان واقعات کے متعلق ایسی بہت سی باتیں بعض دوسری کتابوں میں جگہ پا گئیں ہیں جو درست معلوم نہیں ہوتیں۔ ان میں سے بعض باتیں یہ ہیں۔ ایک یہ کہ قافلے والے حضور کو سامان کی حفاظت کے لیے خیمہ میں چھوڑ کر راہب کی دعوت کھانے چلے گئے۔ لاکھوں کا سامان تجارت ایک بچہ کی نگرانی میں چھوڑ کر جانا خلاف قیاس معلوم ہوتا ہے۔ جب ابوطالب سفر کے لیے نکل رہے تھے تو حضور نے اپنے چچا کا دامن تمام لیا اور سفر میں ساتھ جانے پر اصرار کرتے رہے، یہ مشکل تمام ابوطالب اپنے ساتھ لے جانے پر راضی ہوئے۔ جب قافلہ والوں کی دعوت

راہب نے کی تو ابوطالب اپنے بھتیجے کو غیر مامون جگہ پر تنہا چھوڑ کر ہرگز نہیں جاسکتے تھے، وہ آپ کو ضرور اپنے ساتھ لے کر جاتے۔ راہب نے لات وعزیٰ کی قسم دے کر حضورؐ سے کچھ معلومات حاصل کرنا چاہا حضورؐ نے کہا، لات وعزیٰ کی قسم مجھے نہ دمجھے اس سے نفرت ہے۔ تب اس نے کہا کہ اچھا اللہ کے واسطے سے بتاؤ۔ پھر آپ نے راہب کے تمام سوالات کا ٹھیک ٹھیک جواب دیا۔ راہب نے آپ کی مہربانیت کو ملاحظہ کیا اور پہچان لیا کہ آپ ہی نبی آخر الزماں ہیں۔ اس کا اظہار راہب نے ابوطالب سے کیا اور کہا کہ اس کی حفاظت کرنا، مبادا یہود پہچان لیں گے تو انہیں قتل کر ڈالیں گے۔ جیسے ہی ابوطالب نے بچہ کو وہاں سے رخصت کیا سات شہر پسند روی حضورؐ کو تلاش کرتے ہوئے خانقاہ میں پہنچ گئے اور اپنا ارادہ ظاہر کیا کہ ہم محمدؐ کا قتل کرنے آئے ہیں۔ مگر راہب کے سمجھانے پر وہ اپنے فعل سے باز آ گئے۔ یہ اور اس طرح کی دوسری باتیں جو اس واقعہ کے متعلق بیان کی جاتی ہیں بے بنیاد اور من گھڑت معلوم ہوتی ہیں۔

اس سے یہ بھی پتا چلتا ہے کہ ۱۲ سال کی عمر میں خود حضورؐ کو معلوم ہو گیا تھا کہ آپ عنقریب نبی بنائے جانے والے ہیں۔ اسی طرح مکہ والے بھی جان گئے تھے کہ آپ ہی آخری نبی ہیں اور اس کی شہرت دور دور تک پھیل جانی چاہیے تھی۔ اگر راہب کی باتوں کا اعتبار کر لیا جائے تو کم از کم اس سفر کے بعد لوگوں نے آپ پر قاتلانہ حملہ کیوں نہیں کیا۔

اس سفر کے بعد آپ نے یقیناً کئی اسفار بغرض تجارت کیے ہوں گے جس کی تفصیلات نہیں ملتیں۔ لیکن بالکل اسی نوعیت کا دوسرا واقعہ بغرض تجارت جاتے ہوئے یسریٰ کے مقام پر ظاہر ہوا اور اس وقت بھی اسی خانقاہ کے ایک راہب جو سطورا کہلاتا تھا کا واسطہ آپ سے پڑا اور اس نے بھی آپ کے نبی بنائے جانے کی تصدیق کی۔ یہ بات تو تسلیم کی جاسکتی ہے کہ اگر یہ سفر یقینی ہے تو آپ نے ایک درخت کے نیچے آرام کیا ہوگا اور راہب نے کہا ہوگا کہ حضرت عیسیٰ کے بعد سے لے کر آج تک کوئی دوسرا آدمی اس درخت کے نیچے نہیں بیٹھا۔ مگر یہ کہنا صحیح نہیں معلوم ہوتا کہ اس کے نیچے بیٹھنے والا شخص ہی نبی آخر الزماں ہے۔ علامہ زرقانی نے شرف المصطفیٰ کے حوالے سے یہ بھی تحریر کیا ہے کہ پھر سطورا آپ کے قریب ہوا اور آپ کے قدم چومے اور کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول اور نبی امی ہیں جس کی بشارت عیسیٰ نے دی تھی اور کہا تھا کہ میرے بعد اس درخت کے نیچے آپ کے سوا کوئی نہ بیٹھے گا۔ (۱۳) واقعہ کی تفصیل

میں یہ بات بھی ملتی ہے کہ میسرہ نے پورے راستے میں آتے جاتے دیکھا کہ دو فرشتے مستقل آپ پر سایہ کیے رہتے ہیں۔ یہ کوئی غیر معمولی واقعہ نہ تھا۔ اگر ایسا ہوتا تو آپ خود تعجب کرتے اور قافلہ میں موجود لوگ حیرت میں پڑ جاتے کہ آخر ماجرا کیا ہے؟

غیر معمولی باتوں کا اثر آپ پر کیوں نہیں ہوا؟

اگر اس واقعہ میں صداقت ہوتی تو یہ بات مکہ سے لے کر شام تک اور شام سے لے کے مکہ تک تو مشہور ہو ہی جاتی، مگر روایات سے بس اتنا پتا چلتا ہے کہ میسرہ نے پورے راستے اس منظر کو ملاحظہ کیا۔ رہی بات راہب کے اس علامت کے ملاحظہ کرنے کی تو یہ کوئی بعید بات نہیں ہے، کیوں کہ بعض لوگ اپنے علم اور ریاضت کی وجہ سے بعض وقت اللہ کی نشانیوں کو ملاحظہ کر لیتے ہیں۔ پھر جب حضور تجارتی سفر سے لوٹ کر مکہ میں آئے تو خدیجہ نے اپنے بالا خانے سے دیکھا کہ حضور اونٹ پر سوار ہیں اور دو فرشتے آپ پر سایہ کیے ہوئے ہیں۔ اس منظر کو خدیجہ نے اپنی سہیلیوں کو دکھایا جو اس وقت موجود تھیں۔ اس پر ان لوگوں کو تعجب ہوا۔ میسرہ نے راستے کے عجائبات اور آپ کی کرامت و بزرگی کا تفصیل سے ذکر کیا اور راہب کی بات بیان کی کہ آپ نبی آخر الزماں ہیں جس کی بشارت کتب سابقہ میں دی گئی ہے۔ ان باتوں کو سننے اور آپ کی کرامت و بزرگی کو دیکھ کر حضرت خدیجہ نے اپنے آپ کو آپ سے منسوب کرنے کا پیغام بھیج دیا جسے آپ نے قبول بھی کر لیا۔ (۱۴) اس طرح کی باتوں سے تو بالکل یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس بار بھی آپ کو ۱۵ سال پہلے معلوم ہو گیا کہ آپ نبی بننے والے ہیں، جو صحیح نہیں ہے۔

یہ الگ بات ہے کہ آپ شروع سے ہی نیک، شریف اور اعلیٰ اخلاق کے مالک تھے، لیکن خود آپ پر اپنا مقصد زندگی واضح نہیں تھا اور نہ آپ نے مستقبل کے لیے کوئی لائحہ عمل تیار کیا تھا۔ ایک عام انسان کی طرح زندگی گزارتے تھے۔ مگر بنیادی فرق یہ تھا کہ آپ کائنات کی ہر چیز پر غور و فکر کرتے تھے اور وحدانیت کے تصور سے آپ کا سینہ سرشار تھا۔ اس لیے یہ بات کس طرح درست ہو سکتی ہے کہ جیسا کہ علامہ زرقانی اور حافظ ابن حجر نے ابوسعید کے حوالے سے کہا کہ راہب آپ پر ایمان لے آیا تھا۔ (۱۵) نبوت ملی نہیں ایمان لانے کا عمل کیسے واقع ہو گیا؟

آیات قرآنی سے واقعہ کی تغلیط

ان دونوں اسفار میں راہب سے علمی استفادہ کو درست مانا جائے تو پھر قرآن کی ان آیتوں کا کیا جواب ہوگا، جس میں کہا گیا ہے کہ آپ نبوت کی امید لگائے ہرگز نہ بیٹھے تھے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَا كُنْتُمْ تَرْجَوْنَ أَنْ يُبَلِّغَ إِلَيْكَ الْكِتَابَ (القصص: ۸۶)

”اور آپ ہرگز اس کے امیدوار نہ تھے کہ آپ پر کتاب نازل کی جائے گی۔“

ایک اور مقام پر آپ کی امت کو واضح کرنے کے ساتھ فرمایا گیا ہے کہ آپ کو کیا معلوم کہ کتاب اور ایمان کیا چیز ہوتی ہے، اگر اس بات کا پہلے سے علم ہوتا کہ آپ نبی بنائے جانے والے ہیں تو یہ بڑی بات ہوتی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

مَا كُنْتُمْ تَذَرُونِ مَا الْكِتَابُ وَلَا الْإِيمَانُ (الشوری: ۵۲)

”تم نہیں جانتے تھے کہ کتاب کیا ہوتی ہے اور نہ یہ جانتے تھے کہ ایمان کیا ہوتا ہے۔“

آئندہ کے لیے اس طرح کی باتیں وہی شخص سوچ سکتا ہے جو سماج کا سب سے اعلیٰ فرد ہو۔ جیسا کہ کفار و مشرکین کی گفتگو قرآن نے نقل کی ہے کہ کیا اللہ تعالیٰ کو اور دوسرا معزز آدمی نہیں ملا تھا کہ وہ اسے نبی بناتا۔ (زخرف: ۳۰) پھر دو مرتبہ جب آپ پر یہ بات واضح ہو گئی کہ آپ عنقریب نبی بنائے جانے والے ہیں، تو آپ کے دل میں اس کی انگ پیدائے ہوئی ناقابل فہم بات ہے۔ اگر ایسا ہوا تو نعوذ باللہ قرآن کی تصریحات غلط ہیں۔ یا پھر قرآن نے جو کچھ کہا ہے تو اسے ہی صحیح مانا جائے اور ماننا بھی چاہیے تو اس سفر میں جو خرق عادات باتیں سامنے آتی ہیں وہ لغو ہیں۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ لکھتے ہیں:

”یہ واقعہ جس پر مستشرقین نے بہت سے قیاسات کی عمارت اٹھائی ہے اور ان علوم کو جو رسول ہونے کے بعد آپ سے ظاہر ہوئے، عیسائی راہبوں سے حاصل کردہ معلومات قرار دیا ہے۔ اس پر مزید خود ہمارے ہاں کی بعض روایات بھی ایسی ہیں جو ایک حد تک ان قیاسات کو تقویت پہنچاتی ہیں۔ دراصل یہ کوئی عجیب بات نہیں ہے کہ ایک زاہد مرتاض آدمی جس نے مجاہدہ سے اپنی روحانی قوتوں کو نشوونما دیا ہو، کچھ

غیر معمولی برکات اچھے آثار دیکھ کر محسوس کر لے کہ اس قافلہ میں کوئی عظیم شخصیت موجود ہے، اور آپ کو دیکھ کر اسے اپنے اندازوں کی تصدیق ہو گئی ہو۔ نیز اس نے اس خیال سے کہ یہودی ایک حاسد قوم ہیں اور وہ عرب کے امیوں میں کسی عظیم شخصیت کے ظہور کو اپنے لیے خطرہ سمجھ کر اس کے در پے آزار ہو سکتے ہیں، ابوطالب کو ان سے بچانے کا مشورہ دیا ہو۔ لیکن یہ بات قابل تسلیم نہیں ہے کہ اس نے یہ سمجھ لیا کہ آپ ہی وہ ہونے والے نبی ہیں جن کے آنے کی خبر پچھلی کتابوں میں دی گئی ہے، کیوں کہ پیشین گوئیوں سے یہ ضرور معلوم ہوتا تھا کہ ایک نبی آنے والے ہیں اور ان کا نام محمد ہوگا، لیکن تعین کے ساتھ یہ معلوم کر لینا ممکن نہ تھا کہ حضور ہی وہ نبی ہیں۔“ (۱۶)

اسی واقعہ کے تناظر میں شیخ محمد غزالی لکھتے ہیں:

”خواہ یہ واقعہ صحیح ہو یا غلط، لیکن بعد میں اس کا کوئی اثر نظر نہیں آتا۔ نہ حضرت محمدؐ نے نبوت کی توقع یا اس کے لیے تیاری شروع کی، نہ اہل قافلہ نے بعد میں اس واقعہ کو پھیلا یا اور اس طرح بھول گئے جیسے کوئی واقعہ ہوا ہی نہیں تھا۔“ (۱۷)

علماء و محدثین کے نزدیک تجارتی اسفار اور حدیث کی حقیقت

محدثین کی بیان کردہ روایات میں دیگر باتوں کے ساتھ ایک بڑی خرابی یہ ہے کہ ان میں بیان کیا گیا ہے کہ بحیرا راہب کے کہنے پر ابوطالب نے اپنے بھتیجے کو حضرت ابوبکرؓ اور حضرت بلالؓ کی معرفت مکہ روانہ کر دیا۔ اس وقت حضرت ابوبکرؓ چھوٹے تھے اور حضرت بلالؓ کا کوئی وجود نہیں تھا۔ اس بنا پر علامہ ذہبیؒ نے لکھا ہے کہ یہ واقعہ باطل ہے۔ علامہ مبارک پوریؒ تحریر کرتے ہیں علامہ ذہبیؒ نے حدیث کے مذکورہ جملے کی وجہ سے اسے ضعیف قرار دیا ہے، کیوں کہ ابوبکرؓ نے بلالؓ کو اس وقت خریدا بھی نہ تھا۔ امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ اس وقت تک بلالؓ کا وجود ہی نہ تھا اور اگر تھا تو اس وقت تک ابوبکرؓ یا ابوطالب کے ساتھ نہیں تھے۔ حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو ترمذی، حاکم، بیہقی اور ابن عساکر نے بیان کیا ہے اس میں بعض عجیب باتیں ہیں، یہ مراسلات صحابہ میں سے ہے اس لیے کہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ جو اس کے راوی ہیں غزوہ خیبر کے سال تشریف لائے تھے۔ اصطلاحات حدیث کی رو سے یہ حدیث معطل ہے۔ (۱۸) اس کے برعکس حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے راوی ثقہ ہیں۔ اس میں اس جملے کے

علاوہ کوئی نقص نہیں۔ اس بات کا احتمال ہے کہ یہ جملہ مدرج ہو۔ یعنی کسی دوسری منقطع روایت سے اس میں شامل ہو گیا ہو اور یہ کسی راوی کا وہم ہو۔ جب کہ علامہ شبلی نعمانی حافظ ابن حجرؒ پر سخت تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”حافظ ابن حجر رواۃ پرستی کی بنا پر اس حدیث کو صحیح تسلیم کرتے ہیں، لیکن جوں کہ حضرت ابو بکرؓ اور بلالؓ کی شرکت بدلہ تا غلط ہے، اس لیے مجبوراً قرار کرتے ہیں کہ اس قدر حصہ غلطی سے روایت میں شامل ہو گیا ہے، لیکن حافظ ابن حجر کا یہ ادعا بھی صحیح نہیں کہ اس روایت کے تمام روایت قابل سند ہیں۔ عبدالرحمن بن غزوان کی نسبت خود انہی حافظ ابن حجر تہذیب المعتمد میں لکھا ہے کہ ”وہ خطا کرتا تھا، اس کی طرف سے اس وجہ سے شبہ پیدا ہوتا ہے کہ اس نے ممالیک کی روایت نقل کی ہے۔“ ممالیک کی ایک روایت ہے، جس کو محدثین مجھوت اور موضوع خیال کرتے ہیں۔“ (۱۹)

واقعات میں جو خامی ہے اس کے علاوہ بھی اس روایت میں سند کے اعتبار سے کم زوری ہے، اس کی صراحت کرتے ہوئے علامہ شبلیؒ لکھتے ہیں:

”اس حدیث کے آخر راوی ابو موسیٰ اشعریؓ ہیں، وہ شریک واقعہ نہ تھے اور اوپر کے راوی کا نام نہیں بتاتے۔ ترمذی کے علاوہ طبقات ابن سعد میں جو سلسلہ سند مذکور ہے (وہ مرسل یا محضل ہے۔ یعنی جو روایت مرسل ہے اس میں تابعی جو ظاہر ہے کہ شریک واقعہ نہیں ہے، کسی صحابی کا نام نہیں لیتا ہے اور جو روایت متصل ہے، اس میں راوی اپنے اوپر کے دو راوی جو تابعی اور صحابی ہیں دونوں کا نام نہیں لیتا ہے۔“ (۲۰)

ان کے علاوہ اس حدیث میں جو مزید خامیاں ہیں اس پر علامہ شبلیؒ نے سخت کلام کیا ہے۔ اس صورت میں سفر شام میں راہب کی ملاقات اور اس کی نشان دہی بہ سلسلہ نبوت مشکوک ہو کر رہ جاتی ہے۔ ترمذی کی مذکورہ روایت میں کئی اعتبار سے سقم پایا جاتا ہے۔ اس میں بعض باتیں ایسی ہیں جو عقل و فہم کے خلاف نظر آتی ہیں۔ نیز اس میں واقعہ کے تسلسل اور ترتیب کا فقدان ہے۔ اس لیے پیش تر علماء نے اس روایت پر اعتماد نہیں کیا ہے۔ شیخ محمد الغزالی لکھتے ہیں:

”محققین کے نزدیک یہ روایت موضوع ہے، اس میں اس واقعہ سے مشابہت ہے جسے اہل انجیل بیان کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ کی ولادت کے فوراً بعد کچھ لوگ انہیں

قتل کرنے کے لیے تلاش کر رہے تھے اور عیسائیوں کے یہاں پایا جانے والا یہ واقعہ اس واقعہ سے مشابہت رکھتا ہے جسے بدھ مت کے پیروکار بیان کرتے ہیں کہ گوتم بدھ کی جب ولادت ہوئی تو دشمنوں نے انہیں قتل کرنے کے لیے تلاش کیا۔“ (۲۱)

اس طرح کی روایات کو قبول کیوں نہیں کیا جانا چاہیے، اس کی وجہ بتاتے ہوئے شیخ غزالیؒ یہ بھی تحریر کرتے ہیں:

”علمائے سنت روایات کی تحقیق متن اور سند دونوں پہلوؤں سے کرتے ہیں۔ اگر ان سے پختہ علم اور قنن غالب حاصل نہ ہو تو ان کی پرواہ نہیں کرتے، پیغمبروں کی جانب بہت سی خرافات منسوب کدلی گئی ہیں، اگر انہیں فن حدیث کے مقررہ قواعد کی کسوٹی پر پرکھا جائے تو ان کا کھٹ ٹکڑ ہو جاتا ہے اور ان کی بنا پر انہیں رد کرنا مناسب ہوتا ہے۔“ (۲۲)

اس حدیث کے الفاظ سے کسی سے مشابہت ہو یا نہ ہو، زیادہ اہم بات نہیں ہے۔ بحث اس سے ہے کہ کیا چھوٹی عمر میں خود حضورؐ کو اپنے بارے میں اور اہل مکہ کو آپ کے نبی ہونے کا علم ہو چکا؟ اگر ہوا تو یہ معمولی بات نہیں تھی، اس کی تیاری پہلے سے شروع ہو جانی چاہیے تھی اور پھر چالیس سال کے بعد نبیؐ کی مخالفت کا جو بازار گرم ہوا وہ نہ ہوتا چاہیے تھا۔ جب کہ اہل مکہ کو دوسروں کی زبانی پہلے ہی آپ کی نبوت کا علم ہو چکا تھا اور آئندہ چل کر نبیؐ کے ذریعہ کون کون سے کام انجام پائیں گے اس کی بھی وضاحت ہو گئی تھی، تو پھر حضورؐ نے جس چیز کی دعوت دی اس کی مخالفت کرنے کے بجائے قبول کرنا چاہیے تھا۔ اگر اس واقعہ کو صحیح سمجھ لیا جائے جیسا کہ کچھ لوگوں نے صحیح سمجھا ہے تو مستشرقین کے اس اعتراض کا کیا جواب ہوگا جو یہ کہتے ہیں کہ نبیؐ کے ذہن میں توحید پرستی اور واحد مطلق ہستی کی طرف میلان کا جو رجحان پیدا ہوا وہ اسی راہب کی تعلیم کا نتیجہ ہے، اور حضورؐ پہلے سے ہی نبوت کی امید لگائے بیٹھے تھے۔ کیا اس قسم کی باتیں حضورؐ کی سیرت اور نبوت کے متافی نہیں ہیں۔ ڈاکٹر محمد سعید رمضان البوطی نے اس روایت کا سختی سے رد کیا ہے۔ انہوں نے علامہ ناصر الدین البانی پر بھی نقد کیا ہے کیوں کہ انہوں نے اس روایت کی سند کو درست قرار دیا ہے۔ البوطی نے یہاں تک لکھا ہے کہ بعض وقت وہ کمال احتیاط کی بنا پر صحیح روایت میں بھی ضعف تلاش کر لیتے ہیں، مگر نہ معلوم کیسے انہوں نے اس روایت کو صحیح تسلیم کر لیا ہے۔ جب کہ اس کے ضعف کے وافر دلائل موجود ہیں۔ (۲۳)

مستشرقین کے دعویٰ کی کم زوری

روایتوں سے جو نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے وہ یہ کہ آپ نے متعدد اسفار تجارت کی غرض سے کئے۔ انہیں اسفار میں آپ کی ملاقات اہل کتاب کے عالموں سے ہوئی۔ جہاں تک ان کی صحبت اختیار کرنے اور ان سے علمی و روحانی استفادہ کی بات ہے، ناقابل تسلیم ہے۔ اگر اس کو مان بھی لیا جائے تو پھر سوال پیدا ہوگا آپ نے اسی بات کی تعلیم دی جسے آپ نے راہبوں سے سیکھا تھا تو پھر اس پر عیسائی عمل کیوں نہیں کرتے اور اس کی تکذیب کیوں کرتے اور کہتے ہیں کہ آپ نبی برحق نہیں تھے اور آپ نعوذ باللہ عیوب کا مجموعہ ہیں۔ قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری لکھتے ہیں:

”پادری صاحبان نے اتنی بات پر ”بحیرانصرانی ملا تھا“ یہ شارخ و برگ اور بھی لگا دیے کہ ۴۰ سال کی عمر کے بعد جو تعلیم آن حضرت نے ظاہر کی تھی، وہ اس راہب کی تعلیم کا اثر تھا۔ میں کہتا ہوں کہ اگر اُن حضرت نے سیٹھ اور کفارہ کا رد، مسیح کے صلیب پر جان دینے کا بطلان اس راہب کی تعلیم ہی سے کیا تھا تو اب عیسائی اپنے اس بزرگ کی تعلیم کو قبول کیوں نہیں کرتے۔“ (۲۳)

خاص طور پر یہودی آخری نبی کی آمد کے منتظر تھے۔ تاکہ ان کی رہنمائی اور تعاون سے ان عیسائیوں کو جن کے ظلم کی پچھلی میں وہ برسوں سے پس رہے تھے، کیفر کردار تک پہنچا سکیں۔ جیسا کہ ذکر کیا جا چکا ہے کہ جب ۱۲ سالہ بچے کو بحیرا کے کہنے پر واپس مکہ بھیج دیا گیا تو ٹھیک انہی دنوں ے رومی حضور کو تلاش کرتے ہوئے بحیرا کی خانقاہ میں پہنچے تاکہ نبی آخر الزماں کا قتل کر دیں۔ مگر انہوں نے ان کو نہ پایا اور راہب نے بھی ان لوگوں سے کہا کہ تم اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتے، کیوں کہ اللہ کا یہی فیصلہ ہے۔ اس کے بعد وہ اپنے ارادے سے پھر گئے۔ اب قرآن کریم کی یہ آیات ملاحظہ فرمائیں:

وَكَاثِلُوا مِنْ قَبْلِ يَسْتَفْتِيَهُمْ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا فَلَمَّا جَاءَهُمْ
مَا عَرَفُوا كَفَرُوا بِهِمْ

(البقرہ: ۸۹)

”باوجود کہ اس کی آمد سے پہلے وہ خود کفار کے مقابلے میں فتح و نصرت کی دعائیں مانگا

کرتے تھے، مگر جب وہ چیز آگئی جسے وہ پہچان بھی گئے تو انہوں نے اسے ماننے سے انکار کر دیا۔“

اس آیت کے حوالے سے قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری لکھتے ہیں کہ:

”اس آیت سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ بھیرا راہب کا قول غلط تھا، کیوں کہ یہودی لڑکھن میں اس حضرت کو پہچان لینے تو اپنے اعتقاد کے مطابق حضور کو اپنی فتح و نصرت کا دیکھتا سمجھ کر، نہایت خدمت گزاری کرتے۔“ (۲۵)

پہلی بار جب آپ نے شام کا سفر کیا، اس وقت آپ کی عمر زیادہ سے زیادہ ۱۳ رسال کی تھی۔ (بعض روایت کے مطابق اس وقت آپ ۹ رسال کے تھے) اتنی چھوٹی عمر میں ایک راہب سے علم و حکمت کی وہ ساری باتیں کیسے سیکھ لیں جن کا روئے زمین میں کوئی ثانی نہیں۔ وہ بھی چند منٹوں یا گھنٹوں کی ملاقات میں۔ اس لیے مستشرقین کے یہ اعتراضات بے معنی ہو کر رہ جاتے ہیں کہ آپ نے راہبوں سے علمی فیض حاصل کیا تھا۔ جب کہ قرآن اور سابقہ کتابیں بار بار کہتی ہیں کہ آپ امی تھے۔ یہی نہیں بلکہ بعض مستشرقین نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ قرآن کا اصل مصنف بھیرا ہے، جس سے حضورؐ نے اخذ کیا ہے۔ چنانچہ اس ذہنی خرافات کے متعلق ڈاکٹر محمد حمید اللہ لکھتے ہیں:

”کیا یہ معجزہ رونما ہو سکتا ہے کہ نو سال کی عمر کا ایک بچہ قرآن پاک کی ۱۱۳ سورتیں چند منٹ میں حفظ کر لے اور پھر ایک نسل کے بعد ان قرآنی سورتوں کو یہ کہہ کر اپنی امت کے روبرو پیش کرے کہ یہ اللہ کا کلام ہے؟“ (۲۶)

شام کے سفر سے متعلق جو مطلب و یا بس روایات میں داخل ہو گئیں ہیں ان کی تردید کرنے کے بعد ڈاکٹر محمد حمید اللہ لکھتے ہیں کہ کسی نجبی آثار کو دیکھ کر راہب نے قافلہ والوں کی دعوت نہیں کی تھی بلکہ ان کے اچھے رویے اور بردتاؤں سے متاثر ہو کر راہب نے کھانے پر مدعو کیا تھا۔ اس کے بعد وہ اپنے شبہ کا اظہار اس طرح کرتے ہیں کہ ”شاید وہ مذہب کی تبدیلی کے حوالے سے نیک ارادہ رکھتا ہو۔“ (۲۷)

علامہ سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں:

”ہمارے عیسائی احباب اس ضعیف روایت پر اپنے خلوک و شبہات کی عظیم الشان

عقارت قائم کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ پیغمبر اسلام نے اسی راہب کی صحبت سے فیض حاصل کیا۔ اگر یہ صحیح ہے تو دنیا کے لیے اس سے بڑا معجزہ محمد رسول اللہ کا اور کیا چاہیے کہ ایک ابجد نا آشنا لفظ دو اڑدہ سالہ نے چند گھنٹوں میں حقائق و اسرار دین، اصول عقائد، نکات اخلاق، مہمات قانون اور ایک شریعت عظمیٰ کی تکمیل و تاسیس کے طریقے سب کچھ سیکھ لیے۔ کیا ہمارے عیسائی دوست اس معجزہ کو تسلیم کرتے ہیں۔“ (۲۸)

حاصل بحث

مستشرقین نے حصول علم اور معلومات کے ذرائع جن نصرانی عالموں کو قرار دیا ہے ورقہ بن نوفل بھی انہی میں سے ایک تھے جو مکہ میں رہتے تھے۔ اگر بحیرا راہب سے حضور کے تعلیمی سلسلہ کو جوڑا جاتا ہے تو ورقہ کو خاص طور پر اس بات کا علم ہوتا کہ آپ نبی برحق ہیں، کیوں کہ وہ آپ کو حضرت خدیجہ سے شادی سے قبل سے ہی جانتے تھے۔ پھر خدیجہ سے رشتہ داری کی بنا پر ان سے بڑی حد تک قربت ہو گئی، لیکن جب حضور پر پہلی وحی کے نازل ہونے کے وقت جو کیفیت طاری ہوئی، اسے خدیجہ کی وساطت سے ورقہ کے سامنے بیان کیا گیا۔ جسے سننے کے بعد انہوں نے کہا آپ نبی برحق ہیں اور یہ وہی ناموس ہے جو موسیٰ پر وحی لایا کرتا تھا۔ ورقہ نے اپنی سابقہ آسمانی کتابوں کی روشنی میں آپ کے نبی ہونے کی تصدیق کی نہ کہ خبروں کو سن کر۔ قابل ذکر بات یہ ہے کہ ورقہ کو دونوں آسمانی کتابوں کا علم تھا۔ پہلے وہ یہودی تھے، بعد میں عیسائی ہو گئے تھے اور یہ عربی اور عبرانی زبان میں انجیل لکھتے تھے۔ ان کتابوں کا گہرا علم رکھنے کے باوجود جو حضور کی علامات و کیفیات کو سن کر اگر وہ اس کے خلاف کوئی دوسری بات کہتے تو گویا کہ وہ ایک حقیقت کو چھپانے کی کوشش کرتے اور اس سے یہ کہاں لازم آتا ہے کہ حضور نے علمی فیض حاصل کیا۔ رہے بعض دوسرے اہل کتاب علماء و ربیین تو ان سے آپ کی ملاقات برائے نام تھی اور خود حضور اتنے اعلیٰ اخلاق کے مالک تھے کہ اپنے شدید دشمن سے بھی ملتے تو خندہ پیشانی کا مظاہرہ کرتے۔ اسی طرح اہل کتاب کے بعض عالموں سے چاہے وہ غلام ہی کیوں نہ ہوں ملاقات ہو جاتی تو ان کی حکمت کا بھی آپ پورا خیال کرتے تھے۔ لہذا یہ بات وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ شروع سے ہی اللہ تبارک و تعالیٰ خصوصی نفع پر آپ کی تربیت کر رہا تھا اور آلائشوں سے آپ کے قلب و نظر اور فکر و خیال

کو مصفیٰ کر دیا تھا، اس لیے باطل افکار کے جذب کرنے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ پھر جب آپؐ نبوت سے سرفراز کیے گئے تو گو آپؐ امی تھے، مگر آپؐ کو جو معلومات حاصل ہو رہی تھیں وہ بواسطہ وحی ہو رہی تھیں جسے فرشتہ لے کر آتا اور بعض وقت براہ راست آپؐ کے قلب اطہر میں کوئی بات ڈال دی جاتی تھی۔ جب یہ صورت ہو تو لامحالہ یہ کہنا پڑے گا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک امی پر نبوت کے سلسلہ کو ختم کر دیا تاکہ دنیا یہ تسلیم کر لے کہ اللہ کی قدرت دنیا کی ساری چیزوں پر محیط ہے اور جو کچھ دنیا میں ہوتا ہے اور ہوتا رہے گا وہ سب اسی کے ایما اور اشارے سے ہوگا۔ رہے آپؐ کے بعض رفیق جو پہلے عیسائی تھے اور بعد میں مسلمان ہو گئے یا آپؐ کا اپنی زوجہ مطہرہ ماریہ قبطیہ سے علم حاصل کرنا محض الزام اور تعصب ہے۔ ان میں کوئی اس لائق نہ تھا کہ وہ حضورؐ کو علیٰ فیض پہنچا سکے۔

☆☆☆

مآخذ و مراجع

- (۱) شبلی نعمانی، سیرۃ النبیؐ، ندوۃ المصنفین، شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، ۲۰۰۳ء، ج: ۱، ص: ۱۲۶
- (۲) ڈاکٹر انتہامی نقرہ، مستشرقین اور قرآن، (عربی اسلامی علوم اور مستشرقین (مجموعہ مقالات عربی) مترجم: ڈاکٹر محمد ثناء اللہ ندوی) توحید ایجوکیشنل ٹرسٹ، کشن گنج، بہار، ۲۰۰۳ء، ص: ۱۲
- (۳) ابی عبد اللہ محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری، کتاب الوصی، باب کیف کان بدء الوصی
- (۴) ایضاً، کتاب المناقب، باب عمرۃ القضا
- (۵) سید سلیمان ندوی، سیرۃ النبیؐ، ندوۃ المصنفین، شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، ۲۰۰۳ء، ج: ۳، ص: ۱۲
- (۶) سید ابوالاعلیٰ مودودی، سیرت سرور عالم، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی، ۲۰۰۵ء، ج: ۱، ص: ۱۲۵ اور ص: ۶۵۰
- (۷) سیرۃ النبیؐ، ج: ۳، ص: ۳۶۲
- (۸) محمد بن عیسیٰ الترمذی، جامع الترمذی، کتاب المناقب، باب ماجاء فی بدء نبوۃ النبیؐ

- (۹) محمد بن اسحاق بن یسار، سیرت ابن اسحاق، ملی پبلیکیشنز، نئی دہلی، ۲۰۰۹ء، ص: ۸۶۔
- (۱۰) ابوالفداء اسماعیل بن کثیر، البدایہ والنہایہ، دارالریان للتراث، قاہرہ، ۱۹۸۸ء، ج: ۱، جزو: ۲، ص: ۲۶۳-۲۶۳۔
- (۱۱) ابی جعفر محمد بن جریر الطبری، تاریخ طبری (تاریخ الرسل والملوک) دارالمعارف، قاہرہ، ۱۹۷۷ء، ج: ۲، ص: ۲۷۸-۲۷۹۔
- (۱۲) ایضاً، ص: ۲۸۰۔
- (۱۳) محمد بن الباقی الزرقانی، شرح مواہب اللدنیہ، مطبعۃ الازہریہ، مصر، ۱۳۲۵ھ، ج: ۱، ص: ۱۹۵۔
- (۱۴) سیرت ابن اسحاق، ص: ۶۸۔
- (۱۵) شرح مواہب اللدنیہ، ص: ۱۹۵۔
- (۱۶) سیرت سرور عالم، ج: ۲، ص: ۸۵۔
- (۱۷) شیخ محمد القرطبی، فقہ السیرۃ، مطبعۃ حسان، قاہرہ، ۱۹۷۶ء، ص: ۶۸۔
- (۱۸) ایضاً، ص: ۶۹۔
- (۱۹) سیرۃ النبی، ج: ۱، ص: ۱۲۸۔
- (۲۰) ایضاً۔
- (۲۱) فقہ السیرۃ، ص: ۶۹۔
- (۲۲) ایضاً۔
- (۲۳) ڈاکٹر محمد سعید رمضان البوطی، فقہ السیرۃ النبویہ، دار الفکر المعاصر، بیروت لبنان، ۱۹۹۱ء، ص: ۴۸۔
- (۲۴) قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری، رحمۃ اللہ علیہ، فرید بک ڈپو، دہلی، ۱۹۹۹ء، ج: ۱، ص: ۴۲۔
- (۲۵) ایضاً۔
- (۲۶) ڈاکٹر محمد حمید اللہ، محمد رسول اللہ، فرید بک ڈپو، دہلی، ۲۰۰۳ء، ص: ۱۳-۱۵۔
- (۲۷) ڈاکٹر محمد حمید اللہ، پیغمبر اسلام، ملی پبلیکیشنز، نئی دہلی، ۲۰۰۹ء، ص: ۵۹-۶۰۔
- (۲۸) سیرۃ النبی، ج: ۳، ص: ۳۶۲۔

باب ہشتم

رسول اللہ کے غزوات اور ان کے محرکات

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوتی جدوجہد سے صرف ۲۳ سال کی مدت میں اسلام پورے جزیرۃ العرب میں پھیل گیا اور اس کی شعا میں دوسرے ملکوں پر بھی پڑنے لگیں۔ ہر طرف امن و امان کا دور دورہ ہو گیا، غزت و عصمت محفوظ ہو گئی اور تہذیبی و اخلاقی قد ریں بحال ہو گئیں۔ نبی کی اس عظیم کامیابی پر مشرق و مغرب کے معاندین اسلام جب گفتگو کرتے ہیں تو انہیں سوائے خرابی اور بدی کے اور کچھ نظر نہیں آتا یہاں سیرت مقدسہ کے دیگر پہلوؤں کا ذکر نہیں ہے صرف غزوات دسرایا کا ذکر ہے۔ معاندین جب عہد نبوی کی جنگوں پر بحث کرتے ہیں تو ان میں مختلف قسم کے عیوب نکالنے اور متعدد قسم کے اعتراضات کرنے لگتے ہیں۔ ان میں سے ایک مشہور اعتراض یہ ہے کہ عہد نبوی میں جتنی بھی جنگیں ہوئیں وہ لوٹ مار پر مبنی تھیں، تاکہ مالی استحکام حاصل ہو۔ مشہور مستشرق 'جرجی زیدان' نے لکھا ہے:

”عہد دیمان سے فراغت حاصل ہو گئی اور پرامن جگہ رہنے سے اطمینان ہو گیا تو مسلمانوں کو اہل مکہ کی ایذا دہی اور ان کے مظالم کا خیال آیا۔ انہوں نے انتقام لینے کی غرض سے قریشیوں پر چھاپہ مارنے اور جنگ کرنے کا قصد مصمم کیا اور بہت سے مشہور غزوات وجود میں آئے، جو اسلامی جنگوں کا مقدمہ تھے۔ اسلامی جنگ عرب کی معمولی عادت کے موافق جس کے وہ زمانہ جاہلیت سے عادی تھے چھوٹی چھوٹی مہموں اور قتل و غارت سے شروع ہو کر شہروں اور ملکوں کی فتح پر ختم ہوئی۔ ان غزوات میں سب سے اہم غزوہ بدر کبریٰ کی ہم قی، کیوں کہ اس جنگ میں مسلمانوں کی کامیابی نے انہیں بے درپے جنگ و جدل کرتے رہنے کا شوق دلایا اور ان کے ارادوں کو توجہ دینا پڑا۔“ (۱)

ایک دوسرا اعتراض یہ بھی کیا جاتا ہے کہ ان جنگوں کے ذریعہ آپ لوگوں کے لہر خوف و

دہشت پیدا کرنا چاہتے تھے، تاکہ وہ مکمل بہ اسلام ہوں۔ اسی وجہ سے قبول اسلام کے غیر معمولی واقعات رونما ہوئے۔ ”مشرق و لہا وزن“ نے لکھا ہے:

”وہ کیا چیز تھی جس نے اسلام میں داخلی قوت اور استحکام پیدا کر دیا تھا۔ اسلامی روایتیں اس سے بحث نہیں کرتیں۔ بلکہ وہ صرف اس طاقت کے خارجی مظاہرے کے بیان پر اکتفا کرتی ہیں۔ محمدؐ کے قیام مدینہ کے زمانے کے تمام حالات مغازی رسول اللہ کے تحت بیان ہوتے ہیں۔ مدینے کے قرب و جوار کے بعض چھوٹے چھوٹے قبائل (جمہینہ، مزینہ، اسلم اور خزاعہ) کے ساتھ محمدؐ نے صلح و آشتی کا رتاؤ کیا۔ فیاضانہ غیر جانب داری نے بڑھتے بڑھتے اتحاد کی صورت اختیار کی اور بالآخر یہ سب کے سب مدنی سامراج میں داخل ہو گئے۔ لیکن باقی عرب کے ساتھ خود ان کے اصول نے انہیں عار باندہ رویہ اختیار کرنے پر مجبور کیا۔ ٹھیک اسی وقت سے جب سے اسلام نے دین کو چھوڑ کر حکومت کا لباس پہن لیا، ضرورت محسوس ہوئی کہ کافروں سے جنگ کر کے اسلام کی فضیلت کا ثبوت دیں۔ اصول کی جنگ کو تلوار سے فیصلہ کرنا پڑا اور اللہ کی حاکمیت مطلق کا اظہار ان لوگوں پر جو اسے ماننے کے لیے تیار نہ تھے، جبر و تشدد کے ذریعہ کیا گیا۔ بجائے عیسیٰ کے اگر محمد (ص) یہ کہتے تو زیادہ مناسب تھا کہ ”میں امن کے لیے نہیں آیا ہوں بلکہ تلوار لایا ہوں۔“ اسلام گویا بت پرستوں کے خلاف ایک مستقل اعلان جنگ کی حیثیت رکھتا ہے۔“ (۲)

عہد نبوی کی جنگوں کا تفصیلی تجزیہ کا یہ موقع نہیں ہے۔ اس وقت صرف ان سب کے محرکات پر روشنی ڈالنی مقصود ہے۔ اس سلسلے میں سب سے پہلے یہ وضاحت ضروری ہے کہ غزوات و سرایا کے واقع ہونے سے قبل مسلمان مدینہ میں کن حالات سے دوچار تھے۔ اس سے پہلے خوبی واضح ہو جائے گا کہ یہ جنگیں کیوں واقع ہوئیں اور پہلے مسلمانوں نے کی یا دوسرے لوگوں نے۔

ہجرت مدینہ پر رد عمل

جن لوگوں نے آپؐ کی دعوت پر لبیک کہا اور ان کا سینہ ایمانی بصیرت سے منور ہوا، انہیں دیکھ کر کفار مکہ تھلا گئے اور ان کا جوش غضب بھڑک اٹھا اور وہ انہیں طرح طرح کی اذیتیں دینے لگے۔ خود نبی اکرمؐ کو کفار و مشرکین نے شدید تکالیف پہنچائیں، یہاں تک کہ منصوبہ

بند طریقے سے آپ کے قتل کا فیصلہ کر لیا۔ اسی عالم میں جب کہ کار نبوت کے ۱۲ سال گزر چکے تھے، آپ اور آپ کے صحابہ سخت مصائب سے گزر رہے تھے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ہجرت کا حکم دیا۔ اکثر اہل ایمان مال و دولت اور زمین و جائداد، عزیز و اقارب اور سب کچھ چھوڑ کر بے سروسامانی کی حالت میں مدینہ آ گئے۔ یہاں کے مسلمانوں نے آپ کا اور آپ کے ساتھیوں کا والہانہ استقبال کیا۔ حضور کی آمد پر نہ صرف مسلمانوں کو حد درجہ خوشی ہوئی، بلکہ یہاں کے یہودیوں نے بھی خوشی کا اظہار کیا۔ وہ سمجھ رہے تھے کہ آپ کی مدد اور رہنمائی سے انھیں ان کے دشمنوں پر نصرت و فتح اور برتری حاصل ہوگی۔ (۱) جس وقت حضور مدینہ میں داخل ہو رہے تھے، انہی دنوں رئیس المنافقین عبد اللہ بن ابی بن سلول مدینہ کا سردار بننے والا تھا، اس کی تاج پوشی کی ساری تیاری بھی ہو گئی تھی۔ لیکن حضور کے مدینہ پہنچنے سے اس کا خواب چکنا چور ہو گیا اور لوگوں کی توجہ ادھر سے ہٹ کر نبی پر مرکوز ہو گئی۔ اس وجہ سے وہ آپ کا دشمن بن گیا۔ بعض وجہ سے وہ کھلے عام حضور سے کچھ کہنے کی جرات تو نہیں کر سکتا تھا، لیکن درپردہ منافقانہ رول ادا کرنے لگا۔

میثاق مدینہ کے ذریعہ مدینہ کے داخلی انتشار کا انسداد

اوس و خزرج مدینہ کے اہم قبائل تھے۔ یہ لوگ پرانی رنجش کی بنا پر باہم دست و گریباں رہتے تھے۔ اس سے کبھی کبھی مدینہ کی فضا مسموم ہو جاتی تھی۔ ادھر یہودیوں کے تین معروف قبائل: بنو قینقاع، بنو نضیر اور بنو قریظہ یہیں بسے ہوئے تھے۔ اہل کتاب ہونے کی بنا پر وہ مدینہ میں اپنی برتری کا اظہار کرتے اور بسا اوقات یہاں کے اصل قبائل سے لڑتے جڑتے رہتے تھے۔ آپ نے لوگوں کو اس مناقشت اور جنگ جوئی سے روکنے کے لیے نہایت حکمت عملی سے ایک میثاق تیار کیا۔ جو میثاق مدینہ کہلاتا ہے۔ یہ ۵۲ دفعات پر مشتمل ہے۔ ان میں سے ۲۵ دفعات تو مسلمانوں سے متعلق ہیں، ۲۷ کا تعلق دوسرے مذاہب کے ماننے والوں سے ہے۔ اس میں تمام باشندگان مدینہ کے حقوق کی رعایت کی گئی اور زور دیا گیا کہ تمام قبائل اور مذاہب کے لوگ آپس میں اتحاد و اتفاق سے رہیں گے، ہر ایک کو اپنے مذہب پر عمل کرنے کی آزادی رہے گی اور اگر کوئی بیرونی قبیلہ مدینہ پر حملہ آور ہوتا ہے یا اس کے کسی فرد کو اذیت پہنچاتا ہے تو اس کے تدارک کے لیے سب لوگ تیار رہیں گے اور ہر طرح سے اس کی مدد کریں گے۔ (۳) اس میثاق کی

رو سے بہ ظاہر مدینہ ہر طرح کے داخلی و خارجی خطرات اور اندیشوں سے محفوظ ہو گیا، مگر اندرونی طور پر دشمنان دین اپنی تحریب کاری سے باز نہ آئے۔

قریش کی دھمکی

ادھر کفار مکہ کو مسلمانوں کی مضبوط پوزیشن کا علم ہوا تو ان کی دشمنی میں مزید اضافہ ہو گیا۔ انہیں اندیشہ ہوا کہ مسلمان آگے چل کر خود اہل مکہ کے لیے خطرہ بن سکتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے فوری کوئی بڑی کارروائی کرنے سے پہلے مدینہ کے رئیس عبداللہ بن ابی بن سلول کو ایک دھمکی بھرا خط لکھا اور زور دیا کہ تم محمدؐ کو ان کے صحابہ سمیت مدینہ سے نکال باہر کر دیا ان سب کا قتل کر دو، ورنہ ہم اپنی پوری جمعیت کے ساتھ تم پر دھاوا بول دیں گے اور سب کو فنا کر دیں گے اور تمہاری عورتوں کی عزت پامال کر دیں گے۔ (۴) آئے دن مسلمانوں کو نئی نئی خبریں مل رہی تھیں کہ مشرکین مکہ مدینہ پر کبھی بھی حملہ کر سکتے ہیں۔ اس خطرہ کی وجہ سے حضورؐ رات بھر جاگ کر گزارتے۔ ایک رات کی بے چینی کو دیکھ کر حضرت سعد بن وقاصؓ نے پہرہ دیا۔ (۵) خلاصہ یہ کہ مکہ سے نکل جانے کے بعد بھی قریش نے مسلمانوں کو سکون سے رہنے نہ دیا۔ جب تک انہوں نے کوئی بڑی فوجی کارروائی نہ کی وہ مسلمانوں کو اپنے تقوق کی بنا پر ڈراتے دھمکاتے اور افواہوں کے زور پر ہراساں کیے رہے۔

ارد گرد کے قبائل میں قریش مکہ کی پوزیشن مستحکم تھی

قریش مکہ کو خانہ کعبہ کی تولیت کہ وجہ سے سارے عرب میں تقوق حاصل تھا اور وہ لوگ قریش کا احترام کرتے تھے۔ اگر قریش مکہ کسی بھی وقت مسلمانوں پر حملہ کرتے تو ارد گرد کے قبائل ان کا ساتھ دیتے۔ نیز قریش مکہ کے تجارتی سفر میں جو قبائل راستے میں پڑتے تھے ان سے ان کے تعلقات مستحکم تھے۔ اور وہ ان کی آواز پر ان کا ساتھ دیتے، جب کہ مسلمانوں کا کوئی معاون اور مددگار نہ تھا سوائے اوس و خزرج کے، مگر ان کی تعداد بہت کم تھی اور وہ اپنے اندرونی اختلاف میں الجھے ہوئے تھے۔ ان کے تعلقات بھی قرب و جوار کے قبائل سے بہت کم تھے۔ ان حالات میں اللہ کے رسولؐ نے ارد گرد کے قبائل میں اپنے آدمیوں کو بھیجا شروع کیا، تاکہ ایک طرف

قریش مکہ کی فوجی کارروائیوں کی خبر قبل از وقت ملتی رہے، دوسرے ان قبائل سے قربت بڑھتی رہے اور انہیں بھی معاہدے میں شامل کیا جاسکے۔

زیارت خانہ کعبہ کے لیے مسلمانوں پر پابندی

ہجرت کے کچھ ماہ بعد حضرت سعد بن معاذؓ عمرہ کی نیت سے مکہ گئے اور اپنے دوست وحلیف امیہ بن خلف کے یہاں ٹھہرے۔ ایک دن اس کے ساتھ طواف کعبہ کے لیے نکلے۔ راستے میں ابو جہل سے ملاقات ہو گئی۔ ابو جہل نے امیہ سے پوچھا: یہ شخص کون ہے؟ اس نے کہا: یہ سعدؓ ہیں۔ اس پر ابو جہل نے سخت لہجے میں کہا کہ تم نے ’بد دین‘ کو اپنے یہاں پناہ دے رکھی ہے۔ مجھے یہ پسند نہیں کہ مسلمان خانہ کعبہ کا طواف کریں۔ پھر حضرت سعدؓ کو مخاطب کر کے کہا: بہ خدا اگر تم امیہ کے ساتھ نہ ہوتے تو یہاں سے بچ کر نہیں جاسکتے تھے۔ اس پر حضرت سعدؓ نے کہا: اگر تم نے ہمیں زیارت خانہ کعبہ سے روکا تو ہم تمہارا راستہ روک دیں گے۔ مطلب یہ تھا کہ شام کے تجارتی سفر کے لیے تمہیں ہمارے علاقے سے ہی گزرنا ہوگا۔ ہم تمہارا وہ راستہ روک دیں گے۔ اس واقعہ سے مسلمانوں پر واضح ہو گیا کہ اب ان کے لیے خانہ کعبہ کے دروازے بند ہو گئے اور وہ آئندہ حج کی سعادت سے محروم رہیں گے۔

مسلمانوں کے لیے مدافعا نہ جنگ کے علاوہ کوئی چارہ نہ تھا

اہل مکہ آپ کے دشمن تھے ہی، ان کی شہ پر قرب و جوار کے لوگ بھی آپ کے دشمن ہو گئے۔ عبداللہ بن ابی کے منصوبہ کی تکمیل نہ ہونے کی بنا پر وہ بھی آپ کا دشمن بن گیا تھا۔ پھر جب قریش مکہ کی شہلی تو اس کی عداوت اور زیادہ بڑھ گئی۔ یہودیوں نے بلا وجہ آپ کو اپنا دشمن سمجھ لیا۔ اب وہ وقت آ گیا تھا کہ مسلمانوں کے ہاتھ کھول دیے جائیں اور انہیں حکم دیا جائے کہ جو لوگ انہیں ختم کرنے پر تلے ہوئے ہیں اور ان کے وجود کو فنا کرنے پر کمر بستہ ہیں، ان کا مقابلہ کریں۔ وہ مظلوم ہیں اللہ ان کی مدد کرے گا۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

أَذِنَ لِلَّذِينَ يُقَتِّلُونَ بِالْهَمَمِ ظُلِمُوا ۖ وَإِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ ۚ الَّذِينَ أَخْرَجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ بَعْضٌ حَقٌّ إِلَّا أَنْ

(الحج: ۳۹-۴۰)

يَقُولُوا رَبُّنَا اللَّهُ

”اجازت دی گئی ان لوگوں کو جن کے خلاف جنگ کی جارہی ہے، کیوں کہ وہ مظلوم ہیں اور اللہ یقیناً ان کی مدد پر قادر ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے گھروں سے ناحق نکال دیے گئے، صرف اس تصور پر کہ وہ کہتے تھے: ہمارا رب اللہ ہے۔“

اس آیت میں صاف کہا گیا کہ ان لوگوں کو یوں ہی جنگ کی اجازت نہیں دی جارہی ہے اور بلاوجہ نبی لوگوں سے جنگ نہیں لڑ رہے ہیں، بلکہ یہ مظلوم ہیں، انہیں ستایا گیا، گھروں سے نکالا گیا اور سکون سے رہنے نہیں دیا گیا، اس لیے اپنے دفاع میں یہ اقدام کر رہے ہیں۔ اس کے باوجود نبی اس بات کے خواہاں تھے کہ دونوں فریقوں کے درمیان جنگ کی نوبت نہ آئے۔ چنانچہ اسی غرض کے لیے قرب و جوار کے علاقوں میں وفود روانہ کئے، تاکہ قریش مکہ اپنی تجارت کا خطرہ محسوس کر کے مسلمانوں سے صلح کا ہاتھ بڑھائیں۔ ان وفود کا مقصد لوٹ مار اور ڈاکہ زنی نہیں تھا۔ علامہ سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں:

”غرض ان حالات کی بنا پر غزوہ بدر سے پہلے سوسو پچاس کی کڑیاں مکہ کی طرف روانہ کی جانے لگیں۔ ابواء کی مہم سے پہلے بذات خاص آپ نے کسی مہم میں شرکت نہیں کی۔ اس ابواء کی مہم سے پہلے جو صفر ۲ھ میں واقع ہوئی اور جس میں آپ نے خود شرکت فرمائی تھی۔ ارباب سیر نے تیس مہموں کا ذکر کیا ہے، جن کو ان کی زبان میں ’سریہ‘ کہتے ہیں۔ سریہ حمزہ، سریہ عبیدہ بن حارث، سریہ سعد بن ابی وقاص۔ لیکن ان میں سے کسی مہم میں کوئی کشت و خون نہیں ہوا، یا تو بیچ بچاؤ ہو گیا یا بیچ کر نکل گئے۔ ارباب سیر نے ان سرایا کا مقصد یہ بتایا ہے کہ یہ قریش کے تجارتی قافلہ کو چھیننے کے لیے بھیجے جاتے تھے۔ یعنی حضرت سعد کی تہدید کے مطابق ان کی شای تجارت کو بند کرنا مقصود تھا۔ مخالفین کہتے ہیں کہ صحابہ کو عارت گری کی تعلیم دی جاتی تھی۔ لیکن یہ الزام کس قدر جہالت پر مبنی ہے کہ اول تو اسلام کی شریعت میں یہ سخت تر گناہ ہے، ثانیاً واقعہ کیا بتاتا ہے؟ کیا ان میں سے کسی مہم میں بھی یہ مذکور ہے کہ صحابہ نے قافلہ کا مال لوٹ لیا؟ ثالثاً اگر ان سرایا کا مقصد لوٹنا اور ڈاکہ ڈالنا ہی ہوتا تھا تو قریش کے قافلہ تجارت کے سوا یہ مقصد کہیں اور نہیں حاصل ہو سکتا تھا؟“ (۶)

کون نہیں جانتا کہ عرب کی سرزمین برہابرس سے غیر مامون تھی اور ان کے درمیان قتل و خون ریزی کا لانتنا ہی سلسلہ جاری تھا۔ لیکن حضور کی بعثت کے صرف ۲۰ سال بعد فتح مکہ کے ساتھ ہی پورے عرب میں امن و امان کی فضا طاری ہو گئی۔ اسی کے حصول کے لیے تو نبیؐ نے اتنی مصیبتیں اور مشقتیں برداشت کی تھیں۔ یہ مقصد آپ کو اقدامی جنگ کے ذریعہ نہیں بلکہ دفاعی جنگ کے ذریعہ حاصل ہوا۔ جنگ بدر تا جنگ احزاب ساری جنگیں مدافعت تھیں۔ یہ جنگیں یا تو مدینے کے قریب لڑی گئیں یا مکہ و مدینہ کے درمیانی مقام پر۔ مقام جنگ اس بات کے ثبوت ہیں کہ حملہ آور مشرکین تھے، جو اسلام کو مٹانے کے ارادے سے آئے تھے۔ مدافعت کا حق دنیا کا ہر قانون تسلیم کرتا ہے۔ خود عیسائی کتب مقدسہ اس حق سے انکار نہیں کرتیں۔ عہد نامہ قدیم کی رو سے فیصلہ کیا جائے تو پورا مشرک عرب گردن زدنی قرار پائے گا اور مسلمانوں کو مدافعت کا پورا پورا استحقاق میسر تھا۔ (۷)

قریش مکہ کی جانب سے حملہ کی پہل

غزوہ بدر سے پہلے رسول اللہؐ نے جو سرا یا روانہ کیے، ان میں سے کسی بھی سریہ میں قریش مکہ سے مدد بھیج نہیں ہوئی۔ البتہ ان کا ایک مفید نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ آپؐ کے ذریعے مختلف قبائل کے درمیان عہد و پیمان ہوئے کہ یا تو وہ آپؐ کا ساتھ دیں گے، یا پھر غیر جانب دار رہیں گے۔ اس سے قریش مکہ اپنے لیے خطرہ محسوس کرنے لگے۔ اسی بوکھلاہٹ میں کزربن جابر فہری نے مدینہ کی چراگاہ پر حملہ کر دیا اور مدینہ والوں کے مویشیوں کو بھگا لے گیا۔ اس نازیبا حرکت کے ذریعہ قریش مکہ مسلمانوں کو یہ باور کرانا چاہتے تھے کہ ہم تین سو میل دور رہنے کے باوجود تمہارے گھروں سے مویشی بھگا لے جاسکتے ہیں، تو پھر تم پر کسی بھی وقت حملہ کرنے کی طاقت بھی رکھتے ہیں، مسلمانوں نے ان قریشی لٹیروں کا دور تک تعاقب کیا، مگر وہ بچ کر نکل گئے۔ (۸)

قریش کی جنگی کارروائیوں کا پتہ لگانا

حضور اکرمؐ حالات کے پیش نظر چند افراد پر مشتمل قافلہ کو ادھر ادھر بھیجا کرتے تھے، تاکہ قریش مکہ کی کارروائی کی خبر قبل از وقت ملتی رہے۔ اسی غرض کے لیے آپؐ نے ایک مختصر دستہ

عبداللہ بن حبش کی قیادت میں ہجرت کے ۱۷ ماہ بعد ماہ رجب میں روانہ کیا۔

یہ دستہ مکہ کے بالکل قریب پہنچ گیا تھا جہاں سے قریش مکہ کی کارروائیوں سے آگاہی حاصل کی جاسکتی تھی۔ اسی مقام پر قریش کے ایک تجارتی قافلہ سے مسلمانوں کا آنا سامنا ہو گیا۔ اب ان کے لیے مقابلہ کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ لیکن مشکل یہ تھی کہ یہ رجب کی آخری تاریخ تھی جو اشہر حرم میں شامل ہے اور اس میں جنگ ممنوع ہے۔ آپسی رد و قدح کے بعد یہ بات طے پائی کہ ان پر حملہ کیا جائے۔ اس جھڑپ میں قریش کا ایک آدمی مارا گیا۔ کچھ بھاگ نکلے، دو کو مسلمانوں نے گرفتار کر لیا اور ان کے سامان پر قبضہ کر کے کامیاب و کامران مدینہ لوٹے۔ کہا جاسکتا ہے کہ یہ مسلمانوں کی طرف سے کرز بن جابر فہری کے حملے کا جواب تھا۔ جب یہ لوگ مدینہ پہنچے اور قیدیوں اور مال غنیمت کو رسول اللہ کے سامنے پیش کیا تو آپ نے سخت ناراضگی کا اظہار کیا اور کہا کہ ہم نے تمہیں حملہ کرنے کی اجازت تو نہیں دی تھی؟ (۹) اس حملے پر مشرکین نے بھی داویلا چایا اور ہر طرف سے سوال ہونے لگے کہ مسلمانوں نے حرام مہینے کی حرمت پامال کی ہے۔ اس پر سورہ بقرہ کی آیت ۲۱۷ نازل ہوئی، جس میں فرمایا گیا کہ قریش کی زیادتیوں کے سامنے یہ واقعہ کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔

غزوہ بدر کے اسباب

غزوہ بدر سے ایک مہینہ قبل خود حضور ڈیڑھ یا دو سو صحابہ کو ساتھ لے کر مقام ذی عسیرہ تک گئے تھے۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ آپ کے سراغ رساں دستہ نے آپ کو اطلاع دی کہ قریش کی ایک جماعت قریش کا مال تجارت لے کر شام کے لیے مکہ سے روانہ ہو چکی ہے۔ مگر جب حضور مقام مذکور پر پہنچے تو معلوم ہوا کہ قافلہ وہاں سے گزر چکا ہے۔ یہیں سے اسلامی تاریخ میں غزوات کا ایک نیا باب شروع ہوتا ہے۔ بیش تر مورخین اور اصحاب سیر لکھتے ہیں کہ جب مذکورہ قافلہ واپس آ رہا تھا، جو اپنے ساتھ کثیر منافع اور مال و دولت رکھتا تھا تو اس کے تعاقب کے لیے رسول دوبارہ نکلے، جس کے نتیجے میں جنگ بدر واقع ہوئی۔ اس قافلہ کا سردار ابوسفیان تھا اور ان کے ساتھ قریش کے دیگر بڑے سردار بھی تھے۔ غور طلب بات ہے کہ کیا قریش مکہ نخلہ کے حملہ سے بے خبر تھے؟ کیا انہیں اندازہ نہیں تھا کہ مال و دولت سے بھرے اس قافلہ کو نبی اور آپ کے

اصحاب روکنے کی کوشش کریں گے؟ انہوں نے مسلمانوں کے ارادے کا پوری طرح اندازہ کر لینے کے بعد ہی یہ سفر اختیار کیا ہوگا، قریش کا یہ قافلہ جاتے ہوئے مسلمان کی گرفت سے بچ نکلا، مگر واپسی کے وقت اسے یقین تھا کہ اب کی بار ضرور مسلمانوں سے سامنا ہوگا۔ اس لیے ابوسفیان نے پہلے ہی مکہ خبر بھجوا دی کہ ہمارا قافلہ خطروں میں گھر چکا ہے، ہماری مدد کے لیے پوری تیاری کے ساتھ پہنچو۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس جنگ کی تیاری قریش مکہ نے پہلے سے ہی شروع کر دی تھی۔ فوجی قوت کی فراہمی اور نقل و حرکت کے انتظامات کے لیے درکار وقت کو بھی اس میں شریک کر لیا جائے تو منصوبہ ایسے وقت تیار کیا گیا جب ابوسفیان کا قافلہ ابھی شام سے روانہ بھی نہ ہوا تھا۔ (۱۰) تاہم نبیؐ نے اپنی اس کارروائی کو اپنے صحابہ کے لیے بہت زیادہ ضروری نہیں سمجھا کہ اس میں شرکت سب کے لیے لازمی ہو۔ جیسا کہ امام بخاریؒ نے صراحت کی ہے۔ (۱۱) اس کی تائید سیرۃ النبیؐ ابن ہشام کے مندرجہ ذیل اقتباس سے بھی ہوتی ہے:

”لوگوں نے آپ کی ترغیب کا اثر قبول کیا اور بعض تو فوراً اٹھ کھڑے ہوئے، البتہ بعض نے سستی کی۔ اس کا سبب یہ تھا کہ انہوں نے خیال کیا کہ رسولؐ نے یہ نہیں فرمایا کہ جنگ درپیش ہے۔“ (۱۲)

چنانچہ اللہ کے رسولؐ نے چند سواری اور معمولی جنگی اسلحہ کو جمع کیا اور ۳۱۳ صحابہ کے ساتھ مدینہ سے نکلے اور مقام بدر پر پہنچ کر کئی فوج اور قافلہ کا انتظار کرنے لگے۔ ادھر ابوسفیان کی طرف سے خبر ملتے ہی سارا مکہ اس کی مدد کو نکل پڑا۔ یہ دستہ ایک ہزار نفوس پر مشتمل اور پوری طرح آلات حرب سے لیس تھا۔ اچانک تیاری میں اتنا ساز و سامان اور اتنی تنظیم نہیں ہو سکتی۔ اس لیے لاحالہ یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ وہ پہلے سے ہی اس کی تیاری کر رہے تھے۔ البتہ بعد میں اس کارروائی کو قافلہ کی حفاظت کا نام دیا گیا۔

جب حضورؐ بدر کے مقام پر پہنچے تو ابوسفیان کا قافلہ راستہ بدل کر وہاں سے نکل چکا تھا۔ اس قافلہ کے بچ نکلنے کی خبر قریش کے اس دستہ ہو گئی تھی، جو اس کی مدد کے لیے آ رہا تھا۔ اب مسلمانوں سے لڑنے کی کوئی وجہ نہیں تھی، چنانچہ بعض لوگوں نے سپہ سالار ابو جہل سے کہا کہ چونکہ ہمارے آدمی اور اموال محفوظ ہیں، ابوسفیان بچ کر مکہ کی طرف روانہ ہو چکا ہے، اس لیے اب جنگ کی

کوئی ضرورت نہیں، مگر ابو جہل نے ان لوگوں کی بات نہ مانی اور آدہ جنگ رہا۔

دوسری طرف مسلمان کسی بڑی جنگ کی نیت سے نہیں آئے تھے، اس لیے حضورؐ نے اس نازک وقت میں صحابہ کرام سے مشورہ کیا کہ کیا کرنا چاہیے۔ مہاجرین اور انصار سب نے بیک زبان کہا کہ ان کا مقابلہ کیا جائے، ہم لوگ آپ کے ساتھ ہیں۔ اس پر اللہ کے رسولؐ نے فرمایا:

”چلو اور خوش ہو جاؤ کہ اللہ نے مجھ سے دونوں گروہوں میں سے ایک کا وعدہ فرمایا

ہے۔ واللہ اس وقت گویا میں بے شبہ ان لوگوں کے پھڑنے کے مقامات دیکھ رہا

ہوں۔“ (۱۳)

۳۱۳ اور ۱۰۰۰ ہزار کا کیا مقابلہ، وہ بھی اس حال میں کہ مسلمانوں کے پاس جنگی اسلحہ بھی فریق مخالف کے مقابلے میں بہت کم تھا۔ لیکن چونکہ یہ حق و باطل کا پہلا معرکہ تھا، اس لیے ان کے حوصلے بلند تھے۔ انھوں نے یہ جنگ ذاتی مفاد اور مال و دولت کے لالچ میں نہیں کی تھی بلکہ اللہ کی رضا اور اس کے دین کو دنیا میں غالب و نافذ کرنے کے لیے کی تھی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے نصرت و مدد فرمائی۔ قریش مکہ شکست سے دوچار ہوئے اور مسلمانوں کو کامیابی اور سرخروئی حاصل ہوئی۔

ابوسفیان کے ذریعے مسلمانوں پر دوبارہ حملہ

قریش مکہ اب بھی سکون سے نہ بیٹھے اور انھوں نے بدر کی شکست کا بدلہ لینے کی ٹھان لی۔ یہاں تک کہ ابوسفیان نے قسم کھائی کہ جب تک محمدؐ سے فیصلہ کن جنگ نہ کر لوں گا اس وقت تک جنابت کے لیے پانی کو ہاتھ نہ لگاؤں گا۔ اپنی قسم کو پوری کرنے کے لیے دو سو سواروں کو ساتھ لیا اور مدینہ کے قریب ایک پہاڑی کے دامن میں اترا۔ اپنے لشکر کو اس نے وہیں ٹھہرایا اور خود رات کی تاریکی میں مدینہ کے یہودی سلام بن مشکم کے پاس گیا۔ اس نے اسے مہمان بنایا اور مسلمانوں کے رازوں کی خبر دی۔ بھرورہ رات کے آخری حصے میں پوچھنے سے قبل ہی وہاں سے نکل گیا۔ جاتے جاتے مدینہ کے ایک کنارے ’عریش‘ کے مقام پر واقع ایک نخلستان میں آگ لگادی اور ایک انصاری سعد بن عمر اور ان کے حلیف کو کھیت میں تنہا پا کر قتل کر دیا۔ حضورؐ کو اس حملہ کی خبر ہوئی تو چند صحابہ کو اس کے پیچھے دوڑایا، مگر اس کو گرفتار کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ (۱۴)

اس حملہ کے ذریعہ ابوسفیان نے اپنی قسم تو پوری کر لی، مگر خواہ مخواہ مسلمانوں کو مجبور کر دیا کہ تم بھی قریش پر حملہ کرو۔

بنوقینقاع کی معاہدہ شکنی اور اس کا انجام

مدینہ میں آباد یہودیوں کا ایک قبیلہ بنوقینقاع تھا۔ مسلمانوں کو غزوہ بدر میں شان دار کامیابی ملی تو گویا ان کے سینے پر سانپ لوٹنے لگے۔ سب سے پہلے انہوں نے ہی عہد شکنی کی، اس پر اللہ کے رسولؐ نے انھیں سمجھایا، مگر انھوں نے پلٹ کر جواب دیا:

”اس دھوکے میں نہ رہنا کہ ہم بھی تمہاری قوم کی طرح ہیں۔ ان لوگوں کو جنگ کے متعلق کچھ معلوم نہ تھا، اس لیے ان پر قابو پایا۔ ہم سے جنگ کرو گے تو تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ ہم خاص قسم کے لوگ ہیں۔“ (۱۵)

ایک دن خود اپنی بد باطنی کی وجہ سے انھوں نے اس کا موقع بھی فراہم کر دیا کہ ان پر سختی کی جائے اور انہیں کیفر کردار تک پہنچایا جائے۔ ہوا یہ کہ ایک مسلمان عورت کچھ سامان خریدنے کی غرض سے ان کے ایک دکاندار کے یہاں گئی۔ دکاندار نے اس کے ساتھ شرارت کی۔ خاتون نے اپنی مدد کے لیے آواز لگائی، اس پر ایک مسلمان نے دکان دار کا قتل کر دیا۔ یہودیوں نے اس مسلمان کو شہید کر دیا۔ اس پر فضا کشیدہ ہو گئی۔ مقتول مسلمان کے اقربا اور ان کے حلیف بڑے تو پوری آبادی مسلم آبادی پر ٹوٹ پڑی۔ اس فساد کو ختم کرنے کے لیے بنوقینقاع کے خلاف تادیبی کارروائی کی گئی۔ ان کا محاصرہ کیا گیا۔ باہر سے کوئی ان کی مدد کو نہ پہنچا تو انہوں نے ہتھیار ڈال دیے۔ اس وقت منافق عبداللہ بن ابی درمیان میں آگیا اور نبیؐ سے درخواست کی کہ میرے حلیفوں کے ساتھ رحم کا معاملہ کیجئے۔ آپؐ نے ان کی جان بخشی تو کردی، مگر حکم دیا کہ وہ مدینہ چھوڑ کر کہیں اور چلے جائیں۔ (۱۶)

غزوہ احد

ابوسفیان غزوہ بدر کا بدلہ لینے کی مسلسل تیزی کرتا رہا۔ اس کے ساتھ بعض دوسرے سردار بھی قریش کے اعیان و اشراف کے پاس پہنچے اور انہیں آمادہ کرنے کہ مسلمانوں سے ایک

بڑی جنگ لڑنے میں ہماری ہر طرح سے مدد کریں، یہاں تک کہ پورا مکہ ایک فیصلہ کن جنگ میں حصہ لینے کے لیے تیار ہو گیا۔ قریش کے بڑے بڑے سرداروں کی خواتین نے بھی اس جنگ میں حصہ لیا۔ جب تین ہزار کا لشکر جرات تمام سازوں کے ساتھ تیار ہو گیا تو منزل بہ منزل کوچ کرتا ہوا آگے بڑھا اور جبل احد کے قریب مقام پہنچ کر پڑاؤ ڈالا۔

حضور کو اتنی بڑی فوج کے ساتھ قریش مکہ کے حملے کی خبر ملی تو آپؐ نے صحابہ کو بلا کر مشورہ کیا۔ ان کی اکثریت اس رائے پر متفق ہوئی کہ مدینہ سے نکل کر مقابلہ کرنا چاہیے۔ ایک ہزار کا اسلامی لشکر تیار ہو کر نبیؐ کے گرد جمع ہو گیا۔ جب یہ لشکر مدینہ سے نکل کر مدینہ سے تھوڑی دور پہنچا تو عبداللہ بن ابی اپنے تین سو ہم خیال لوگوں کو لے کر مسلمانوں سے الگ ہو گیا اور جنگ میں شرکت سے منع کر دیا۔ نبیؐ سات سو صحابہ کو لے کر احد کی گھاٹی میں پہنچے اور وہیں ٹھہر گئے۔ آپؐ نے مدینہ کو سامنے اور احد کو پشت پر رکھ کر صفوں کو مرتب کیا۔ اسلامی لشکر کو حملہ کرنے سے قبل یہ تاکید بھی کر دی کہ تمہیں جن مقامات پر متعین کیا گیا ہے ان پر جے رہنا اور پشت کی جانب سے ہماری حفاظت کرنا۔ اگر ہمیں قتل ہوتا ہوا بھی دیکھو تو ہماری مدد کے لیے نہ آنا اور اگر غنیمت حاصل کرتے ہوئے دیکھو تو بھی اس میں شریک نہ ہونا۔ (۱۷)

جنگ کا آغاز ہوا تو پہلے ہی وہلہ میں دشمن کی فوج پر افسردگی چھانے لگی اور اس کے بڑے بڑے سوار یکے بعد مارے جانے لگے۔ قریب تھا کہ مسلمانوں کو اس جنگ میں کامیابی مل جاتی، مگر بعض مسلمانوں کی غلط فہمی اور جلد بازی سے جنگ کا نقشہ بدل گیا۔ انھوں نے اس درہ کو چھوڑ دیا جس پر جے رہنے کی حضورؐ نے تاکید کی تھی۔ دشمن نے پلٹ کر حملہ کر دیا، جس کی بنا پر اس جنگ میں ستر صحابہ شہید ہوئے اور تقریباً ۲۵ آدمی کافروں کے مارے گئے۔

مدینہ سے بنو نضیر کا اخراج

یہود کا دوسرا بڑا قبیلہ بنو نضیر تھا۔ یہ بھی مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرتے رہتے تھے۔ ایک موقع پر آپؐ ان کے پاس گئے۔ انہوں نے آپؐ کو عزت و احترام سے بٹھایا، لیکن خفیہ طریقے سے اپنے آدمیوں کو چھت پر بھیج دیا تاکہ اوپر سے آپؐ پر بھاری پتھر گرا دیں اور نعوذ باللہ آپؐ کا کام تمام ہو جائے۔ لیکن حضورؐ کو بروقت ان کی سازش کا علم ہو گیا اور بغیر کسی کو بتائے وہاں سے چلے آئے۔ اس جرم کے نتیجے میں حضورؐ نے بنو نضیر کو حکم دیا کہ دس دن کے اندر مدینہ چھوڑ کر

چلے جائیں۔ بنو نضیر نے مدینہ چھوڑنے کی تیاری شروع کر دی، لیکن عبداللہ بن ابی اور اس کے ہم خیال ساتھیوں نے ان کی ڈھارس بندھائی کہ تم کو یہاں سے جانے کی ضرورت نہیں، تم ڈٹے رہو۔ ہم تمہاری مدد کے لیے ہر طرح سے تیار ہیں۔ اس پر بنو نضیر کے سردار جرجی بن اخطب نے حضور کے پاس جوابی خبر بھجوائی کہ ہم یہاں سے ہرگز نہیں جائیں گے، آپ کو جو کرنا ہے کر لیں۔ حضور نے محاصرہ کر لیا۔ جب یہودیوں پر معاملہ کی سنگینی ظاہر ہوئی کہ ہم بے موت مارے جائیں گے، عبداللہ بن ابی بھی مدد کو نہیں پہنچ رہا ہے اور بنو قریظہ کے لوگ بھی جو ہمارے ہم نوا اور حلیف ہیں مدد کو آ رہے ہیں، تو وہ سرنگوں ہو گئے اور ہتھیار ڈال دیے۔ رسولؐ نے اب بھی وہی بات کہی کہ تم مدینہ چھوڑ کر چلے جاؤ، جاتے ہوئے سوائے ہتھیاروں کے جتنا سامان لے جا سکتے ہو لے جاؤ۔ چنانچہ ان لوگوں نے ایسا ہی کیا۔ یہ لوگ یہاں سے نکلے تو کچھ لوگوں نے خیبر اور کچھ لوگوں نے شام کا راستہ اختیار کیا۔ (۱۸)

غزوہ خندق میں قریش اور ان کے اتحادیوں کی شکست

بنو نضیر جلا وطن ہو کر خیبر میں آباد ہو گئے تھے، وہ مسلمانوں سے بدلہ لینے کے لیے منصوبہ بند کوشش کرنے لگے انھوں نے قریش مکہ کو ہر طرح کا تعاون دینے کا یقین دلایا۔ یہاں تک کہ ایک فیصلہ کن جنگ کرنے پر انہیں آمادہ کر لیا۔ یہودیوں نے غطفان اور دیگر اسلام دشمن قبائل کی شرکت کو اس جنگ میں یقینی بنانے کے لیے معاہدے کیے۔ (۱۹)

حضور کو متحدہ محاذ کی خبر ملی تو آپؐ نے اس کا مقابلہ کرنے کے لیے صحابہ کرام سے مشورہ کیا۔ اس موقع پر حضرت سلمان فارسیؓ نے مشورہ دیا کہ اسلام دشمن طاقت کا مقابلہ کھلے میدان میں کرنے کے بجائے خندق کھود کر کیا جائے۔ اس نئے عجیب طریقہ جنگ کو سب لوگوں نے پسند کیا اور ایک لمبی خندق کھودی گئی۔ خندق کھودنے میں آپؐ بھی بہ نفس نفیس شریک رہے۔ یہ خندق دشمنوں کی اس بڑی تعداد کے سامنے مدینہ کی حفاظت کے لیے اگرچہ ناکافی تھی، لیکن مسلمانوں کے لیے اس نے ڈھال کا کام دیا۔ جب دشمن کی فوج قریب آ گئی تو آپؐ نے عورتوں کو محفوظ مقام پر بھیج دیا اور ان کی نگرانی کے لیے دو صحابہ کو مامور کر دیا کہ اندرونی فتنے سے یہ لوگ محفوظ رہیں پھر ۳۰۰ ہزار افراد پر مشتمل فوج کو لے کر آگے بڑھے اور ’سملع‘ کی پہاڑی کو پشت پر رکھ

کر صرف آرا ہو گئے۔ کئی دنوں تک فوج آنے سامنے رہی مگر مقابلہ آرائی کی نوبت نہ آئی۔ چھوٹی موٹی جھڑپیں ہوتی رہیں، وہ بھی شام ہوتے رک جاتیں۔ اس دوران خاص طور سے مسلمانوں کو خور و نوش کی کمی لاحق ہونے لگی۔ ٹھنڈک کی وجہ سے مسلمان بے حال ہو رہے تھے۔ بڑی بے چینی کا عالم تھا۔ مسلمانوں کے اس کرب کا ذکر سورہ احزاب میں موجود ہے۔

ادھر بنی قریظہ نے مسلمانوں سے کیا ہوا معاہدہ توڑ دیا اور قریش کے ساتھ ہو گئے۔ اب گویا ایک طرح سے دشمنوں نے مدینہ کو گھیر لیا تھا۔ چنانچہ آپ نے اعلیٰ جنگی حکمت عملی اختیار کرتے ہوئے حضرت نعیم بن مسعودؓ کو جن کا ایمان ابھی لوگوں پر ظاہر نہ ہوا تھا، قریش اور یہودیوں کے علاوہ قبیلہ غطفان کے درمیان بھیجا تاکہ وہ اپنی گفتگو سے ان کو ایک دوسرے کا مخالف بنادیں۔ حضورؐ کی یہ ترکیب کارگر ہوئی اور حملہ آور گروہ کے اندر انتشار پیدا ہو گیا اور ان کے حوصلے پست ہونے لگے۔ اسی دوران میں ایک رات اللہ تبارک و تعالیٰ نے ایسی خوف ناک آندھی بھیجی کہ دشمن کے خیمے اڑ گئے اور ان کا سامان تتر بتر ہو گیا۔ اب ان کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ یہاں سے راہ فرار اختیار کریں۔ اس طرح مسلمانوں کو اس اعصابی جنگ میں کامیابی ملی۔ اسی کے ساتھ ان گروپوں کا بھی بھانڈا پھوٹ گیا جو اب تک خفیہ طور سے مسلمانوں کے دشمن بنے ہوئے تھے۔

بنی قریظہ کی غداری کا انجام

بنی قریظہ غزوہ خندق تک مسلمانوں کے معاہدہ اور حلیف تھے، لیکن عین لڑائی کے وقت انھوں نے غداری کی قریش کا ساتھ دیا۔ مسلمانوں پر غیر معمولی اثر ہوا اور محاصرہ کی طوالت اور سختی کی بنا پر وہ مجبور ہوئے کہ ہتھیار ڈال دیں۔ اس موقع پر انہوں نے ہی یہ تجویز رکھی کہ سعد بن معاذؓ ان کے حق میں جو فیصلہ کریں گے، وہ انھیں منظور ہوگا۔ انہوں نے بنی قریظہ کے جرم کی سنگینی کو دیکھتے ہوئے اور توریت کی تعلیمات کے مطابق فیصلہ سنایا کہ قابل جنگ مردوں کو قتل کر دیا جائے، ان کے اموال بانٹ دیے جائیں اور بچوں کو قید کر لیا جائے۔ (۲۰)

صلح حدیبیہ فتح مبین

اعدائے اسلام، اپنی منظم کوشش کے باوجود غزوہ خندق میں مسلمانوں کو نقصان نہ پہنچا سکے۔ اب قریش مکہ کے اندر آگے بڑھ کر مسلمانوں سے نبرد آزمائی کی سکت نہ رہی اور یہ ظاہر ہوئی کہ بڑی جنگ برپا کرنے کی پوزیشن میں نہ رہے۔ اس طرح مسلمانوں کی پوزیشن بڑی حد تک مستحکم ہو گئی۔ انہی دنوں اللہ تبارک و تعالیٰ نے آپ کو خواب میں اطلاع دی کہ غریب آپ اپنے اصحاب سمیت مکہ میں داخل ہوں گے اور مراسم حج ادا کریں گے۔ جب آپ نے اس اطلاع غیبی کا تذکرہ اپنے صحابہ سے کیا تو ان کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔ آپ نے مدینہ کے ارد گرد کے قبائل میں جو مشرف بہ اسلام ہو چکے تھے، خبر بھجوا دی کہ ہم عمرہ کے ارادہ سے نکل رہے ہیں۔ جو میرے ساتھ چلنا چاہے، تیار ہو جائے۔ اس اعلان کے نتیجے میں بہت سے لوگ تیار ہو گئے۔ چنانچہ آپ عمرہ کی غرض سے اپنے چودہ سو صحابہ کو ساتھ لے کر یکم ذی قعدہ ۶ھ کو مدینہ سے نکلے۔ آپ نے تنویر کے علاوہ کوئی جنگی سامان نہ لیا، تلوار بھی نیا م میں تھی۔ یہی حکم دوسرے لوگوں کے لیے بھی تھا۔ اندیشہ تھا کہ کہیں قریش مسلمانوں کو دیکھ کر جنگ کے لیے سامنے نہ آجائیں، یا بیت اللہ میں جانے سے روک نہ دیں۔ اس لیے آپ نے ظاہری علامت کے طور پر قربانی کے جانوروں کو ساتھ رکھا اور احرام باندھ لیا۔ یہاں تک کہ آپ حدیبیہ پہنچ گئے۔ (۲۱)

قریش کو مسلمانوں کی آمد کی خبر ملی تو انہیں بہت شاق گزرا۔ وقت یہ تھی کہ زیارت بیت اللہ سے کسی کو روکا نہیں جاسکتا۔ نیز ماہ حرام میں جنگ و قتال ممنوع ہے۔ دوسری طرف اگر وہ مسلمانوں کو خانہ کعبہ کی زیارت کر لینے دیتے، تو اس کے معنی یہ لیے جاتے کہ قریش میں اب اتنی بھی طاقت نہ رہی کہ وہ اپنے دیرینہ دشمن کو زیارت کعبہ سے روک سکیں۔ چنانچہ قریش مکہ نے بڑے نور و فکر کے بعد آخری فیصلہ یہ کیا کہ جس طرح بھی ہو سکے آپ کو مکہ میں داخل نہ ہونے دیا جائے، جب کہ حضورؐ چاہتے تھے کہ جنگ کی نوبت نہ آنے پائے۔ (الفق: ۲۶) اس لیے دونوں طرف سے وفود آنے جانے لگے۔ بالآخر دونوں فریقوں کے درمیان صلح ہوئی، اس کی اہم دفعات درج ذیل تھیں:

۱۔ فریقین دس سال تک جنگ نہ کریں گے۔ اس اثنا میں لوگ امن کی زندگی بسر کریں گے۔

۲۔ اس سال مسلمان واپس چلے جائیں، اگلے سال آئیں تو تین روز مکہ میں قیام کریں گے، تلوایہ نام میں ہوگی، اس کے سوا کوئی اور ہتھیار نہیں ہوگا۔

۳۔ محمد (ﷺ) کے ساتھیوں میں جو شخص حج، عمرہ یا تجارت کے لیے مکہ آئے گا، وہ قریش کی امان میں ہوگا اور قریش کا کوئی فرد مصر یا شام بہ غرض تجارت جاتے ہوئے مدینہ سے گزرے تو اس کی جان و مال کو تحفظ حاصل ہوگا۔

۴۔ اگر قریش کا کوئی فرد اپنے سر پرست کی اجازت کے بغیر مدینہ چلا جائے تو محمد اُسے واپس کرنے کے ذمہ دار ہوں گے، لیکن ان کے ساتھیوں میں سے اگر کوئی بھاگ کر مکہ آتا ہے تو اہل مکہ اسے واپس نہیں کریں گے۔

۵۔ اہل عرب فریقین میں سے جس کے ساتھ معاہدہ کرنا چاہیں، کر سکتے ہیں۔ (۲۲) حضور نے صلح کے بعد حدیبیہ میں عی قریبانی کے جانور ذبح کیے اور سر کے بال منڈوائے۔ قرآن کریم نے اس صلح کو فتح مبین قرار دیا۔ آپ خانہ کعبہ کی زیارت کیے بغیر مدینہ واپس آ گئے۔ قابل ذکر بات یہ ہے کہ صلح کے لیے فریقین کی جانب سے جب سفیر آنے جانے لگے تو مسلمانوں نے قریش کے کسی سفیر کے ساتھ کسی طرح کی کوئی زیادتی نہیں کی۔ جب کہ مسلمانوں کے نمائندے قریش کے پاس جاتے تو انہیں پریشانیوں سے دوچار ہونا پڑتا تھا۔ حضرت عثمانؓ کو مختصر وقت کے لیے نظر بند کر دیا گیا اور خبر مشہور کر دی گئی کہ وہ قتل کر دیے گئے ہیں۔ جب یہ خبر مسلمانوں کے پاس پہنچی تو انہوں نے بدلہ لینے لیے جنگ کرنے کا فیصلہ کیا اور اس کے لیے بیعت رضواں ہوئی۔ مگر بہت جلد انہیں چھوڑ دیا گیا، اس طرح جنگ ہوتے ہوتے رہ گئی۔

حضور نے یہ معاہدہ بظاہر دب کر کیا تھا، اس سے بعض صحابہ بھی وقتی طور پر خوش نہ تھے۔ مگر جب ان پر اس معاہدہ کے دور رس اثرات کا راز منکشف ہو گیا تو ان کا ذہنی کرب اور اضطراب زائل ہو گیا۔

فتح خیبر کے بعد یہودیوں کے فتنہ سے نجات ملی

غزوہ خندق میں خیبر کے یہودیوں نے اہم کردار ادا کیا تھا اور انہیں کی شہ پر قریش نے جنگ برپا کی تھی، نیز انہیں لوگوں نے عین حالت جنگ میں بنی قریظہ کو عہد شکنی کی ترغیب دی

تھی اور اس فیصلہ کن جنگ میں قریش کا ساتھ دینے لیے راضی کیا تھا۔ طرفہ تماشایہ کہ وہ آئے دن مدینے کے مسلمانوں کو راستے میں ستاتے اور ان پر چھاپا مارتے تھے۔ یہاں تک کہ ایک بڑی جنگ کی تیاری بھی شروع کر دی تھی۔ اس لیے اللہ کے رسولؐ نے ان کی سرکوبی ضروری سمجھی۔ آپؐ ۱۴ برس صحابہ کو لے کر ۷ھ کی ابتداء میں ان پر حملہ کیا اور اتنی عمدہ حکمت عملی اختیار کی کہ بنی غطفان اور خیبر کے یہودیوں میں دراڑ پڑ گئی اور کوئی ایک دوسرے کی مدد کو نہ پہنچ سکا۔ مسلمانوں نے خیبر کا سخت محاصرہ کیا۔ یکے بعد دیگرے یہودیوں کے قلعے فتح ہوتے گئے۔ آخر میں ایک قلعہ فتح نہیں ہو پا رہا تھا کہ ایک دن علم حضرت علیؑ کے ہاتھ میں دیا گیا، ان کی جواں مردی سے وہ بھی فتح ہو گیا۔ رسولؐ نے یہود کا پانی بند کر دیا اور وہاں پہرے بٹھا دیے تاکہ وہ مجبور ہو کر محاصرہ کو اٹھالینے کی بات کریں۔ مجبور ہو کر یہود کے سردار نے صلح کا پیغام بھجوایا، جسے حضورؐ نے منظور کیا۔ آپؐ نے ان کے بارے میں وہی فیصلہ کیا جو بنی نضیر کے متعلق کیا تھا۔ مگر ان لوگوں نے حضورؐ سے یہ درخواست کی کہ ہمیں یہاں سے نہ نکالا جائے، ہم اپنی کاشت کا نصف حصہ آپؐ کو دیتے رہیں گے۔ نبیؐ نے یہ تقاضائے مصلحت اسے منظور کر لیا۔ البتہ صلح میں یہ بات بھی شامل کر دی کہ یہ صلح ہمیشہ کے لیے نہیں ہے، ہم جب چاہیں گے تم لوگوں کو یہاں سے نکال دیں گے۔ خیبر میں تقریباً ۱۸ یا اس سے کچھ زیادہ مسلمان شہید ہوئے اور یہود کے ۹۳ جواں مرد موت کی آغوش میں پہنچے۔ باوجود صلح کے یہود اپنی شرارت سے باز نہ آئے اور بڑی چالاکی سے حضورؐ کو قتل کرنے کی کوشش کی۔ سلام بن مشکم کی بیوی نے آپؐ کی دعوت کی۔ گوشت میں اس نے زہر ملا دیا۔ نبیؐ نے اس کا کچھ حصہ منہ میں ڈالا ہی تھا کہ اندازہ ہو گیا کہ اس میں زہر ملا ہوا ہے، اس لیے آپؐ نے اسے اگل دیا۔ اس طرح آپؐ کی جان تو بچ گئی مگر آپؐ کے ایک صحابی نے اسے کھالیا تھا، جس سے ان کا انتقال ہو گیا۔ (۲۳) لیکن آپؐ وہاں ان کے حق میں ہدایت کی دعا کرتے ہوئے واپس آئے۔ (۲۴)

غزوہ موتہ

صلح حدیبیہ کے بعد آپؐ نے مختلف ملکوں کے بادشاہوں کے نام دعوتی خطوط ارسال کئے۔ اس پر مل جلارہا نہ تھا۔ انہیں بادشاہوں میں ایک بادشاہ حاکم بصرہ (جو عیسائی تھا) کے نام ایک خط بھیجا۔ اسے حارث بن عمر ازدیؓ لے کر گئے تھے۔ انہیں شام کے گورنر شرییل بن عمرو

غسانی نے پکڑ کر قتل کر دیا۔ سفیروں کا قتل انتہائی سنگین جرم تھا۔ اس حادثہ کی خبر نبی کو ہوئی تو اس کا آپ پر غیر معمولی اثر ہوا۔ اس کے تدارک کے لیے آپ نے تین ہزار صحابہ کو تیار کیا اور زید بن حارثہ کو اس کا سپہ سالار بنا کر غزوہ موتہ کے لیے روانہ فرمایا۔ آپؐ کو دشمن کی طاقت کا پوری طرح اندازہ تھا۔ چنانچہ آپؐ نے فوج کو سخت ہدایت فرمائی: اگر زید مارے جائیں تو جعفر بن ابی طالبؓ کو سالار بنالیا جائے اور اگر وہ بھی مارے جائیں تو عبد اللہ بن رواحہؓ کو سالار بنایا جائے اور اگر یہ بھی مارے جائیں تو تمہیں چاہیے کہ اپنی فوج میں سے جس کو چاہو اپنا سپہ سالار مقرر کر لو۔ (۲۵)

جب اسلامی لشکر منزل بہ منزل کوچ کرتا ہوا حجاز سے متصل شامی علاقے 'معان' پہنچا تو یہیں اس کی اطلاع شرمیل بن عمرو غسانی کو ہوئی۔ وہ ایک لاکھ کا لشکر لے کر مقابلہ کے لیے نکلا۔ اس معرکہ میں مسلمانوں کی فوج کی تعداد صرف تین ہزار تھی۔ اس جم غفیر کے سامنے مسلمانوں کی ہمت پست ہونے لگی اور کش مکش میں مبتلا ہو گئے کہ کیا کرنا چاہیے۔ بالآخر عبد اللہ بن رواحہؓ کی اثر دار تقریر کے بعد یہی طے پایا کہ ان کا مقابلہ کیا جائے۔ جنگ میں تینوں سپہ سالاروں کی یکے بعد دیگرے شہادت کے بعد حضرت خالد بن ولیدؓ نے علم اپنے ہاتھ میں لیا اور فوجی حکمت عملی کے ساتھ مسلم لشکر کو بچا کر واپس لے آئے۔ اس جنگ میں بارہ ہزار صحابہ نے شہادت پائی۔ جب کہ بڑی تعداد میں دشمن کے لوگ مارے گئے۔ (۲۶)

فتح مکہ: مسلمانوں کی کامیابی کا شاندار مظاہرہ

صلح حدیبیہ کی ایک شق یہ بھی تھی کہ ”دس سال تک جنگ نہ ہوگی، جو قبائل محمد (ﷺ) کے حلیف بن جائیں اور جو قبائل قریش سے ملنا چاہیں وہ ان سے مل سکتے ہیں۔“ اس دفعہ کی بنیاد پر بنی خزاعہ مسلمانوں سے اور بنو بکر قریش سے مل گئے۔ معاہدہ میں یہ بات بھی شامل تھی کہ اگر کوئی قبیلہ ایک دوسرے پر زیادتی یا حملہ کرتا ہے تو خود اس فریق پر حملہ اور زیادتی سمجھی جائے گی۔ ابھی معاہدہ کو دو سال بھی پورے نہ ہوئے تھے کہ بنو بکر نے برسوں کی پرانی رنجش کا بدلہ لینے کے لیے بنو خزاعہ پر حملہ کر دیا، جو مسلمانوں کے حلیف تھے۔ اس حملے میں قریش کے بڑے بڑے لوگوں نے بنی بکر کا ساتھ دیا اور ان کو ہتھیار فراہم کیے۔ خزاعہ کے لوگوں کو بری طرح کھلا، یہاں تک کہ یہ لوگ بھاگ کر خانہ کعبہ میں پہنچے مگر وہاں بھی ان کے ساتھ بے رحمی کا معاملہ کیا گیا۔ ان

مظلوموں میں سے کچھ لوگ اپنی جان بچا کر مدینہ نبی کی خدمت میں پہنچے اور اپنے اوپر ہونے والی ظلم و زیادتی کا ذکر کیا۔ اب قریش کو ہوش آیا کہ واقعی ہم نے معاہدہ شکنی کر کے ایک سنگین جرم کیا ہے۔ چنانچہ تجدید معاہدہ کے لیے ابوسفیان مدینہ پہنچے، مگر انھیں کامیابی نہ ملی اور نامراد لوٹنا پڑا۔

اب حضور اکرمؐ کے لیے ضروری ہو گیا کہ قریش مکہ کے جرم کی بنا پر ان پر حملہ کریں اور اس ناسور کو ہمیشہ ہمیش کے لیے ختم کر دیں یا اس طرح دبا دیں کہ پھر وہ آئندہ ایسی کوئی غلطی نہ کریں۔ چنانچہ حضورؐ نہایت رازدارانہ طریقے سے دس ہزار کاشکری لے کر مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ ابوسفیان راستہ میں آ کر حضورؐ سے ملے اور مشرف بہ اسلام ہوئے۔ مختلف تدابیر اور حکمت عملی سے کام لے کر حضورؐ مکہ میں داخل ہوئے۔ آپؐ کی فوج کو دیکھ کر سارا مکہ مبہوت ہو کر رہ گیا، کسی کو مقابلہ کی ہمت نہ رہی۔ یوں حضورؐ بغیر کسی جنگ و جدال کے فاتحانہ شان سے خانہ کعبہ میں داخل ہوئے۔ اس وقت سارا مکہ آپؐ کے سامنے صف بستہ کھڑا اور اپنی گردن جھکائے ہوئے تھا اور انتظار میں تھا کہ آج کے دن حضورؐ ہمارے حق میں کون سی سزا سناتے ہیں۔ آپؐ نے سب پر ایک نظر ڈالی اور فرمایا: ”آج تم پر کوئی سزا نہیں تم سب آزاد ہو۔“ اس فتح کے ساتھ ہی پورے عرب کی سیاسی قیادت آپؐ کے ہاتھوں میں آگئی۔ (۲۷)

معرکہ حنین میں مسلمانوں کی کامیابی

فتح مکہ کے نتیجے میں اسلام کو جو غلبہ حاصل ہوا، اس کا مخالفانہ رد عمل مکہ کے قرب و جوار میں رہنے والے بڑے بڑے قبائل میں ہوا۔ ان قبائل میں ہوازن اور ثقیف بھی تھے۔ کچھ دوسرے قبائل نے بھی جنگ کرنے پر آمادگی ظاہر کی۔ یہ لوگ ہوازن کے سردار مالک بن عوف کی قیادت میں آگے بڑھے۔ انھوں نے اس جنگ میں اپنی عورتوں، بچوں اور مال و دولت کو ساتھ لیا اور اوطاس کے مقام پر اترے۔

حضورؐ کو اس جنگی کارروائی کی اطلاع ملی تو مکہ کے دو ہزار لوگوں کو جن میں اکثریت نو مسلموں کی تھی اور مدینہ کے ۱۰۰۰ کے لشکر جبار کو جو آپؐ کے ساتھ مکہ آیا تھے، کو لے کر مکہ سے ہی اس کی سرکوبی کے لیے نکلے اور حنین کے مقام پر پڑاؤ ڈالا۔ مسلمان دشمن کی چال اور اس کے وجود سے بے خبر تھے کہ اچانک صبح کے اندھیرے میں دشمن نے تیروں کی بارش کردی اور

مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے۔ اس طرح اچانک حملہ کی وجہ سے مسلمانوں میں کھل بلی مچ گئی۔ جب حضورؐ نے مسلمانوں کو ادھر ادھر بھاگتے اور منتشر ہوتے ہوئے دیکھا تو انہیں آواز لگائی اور اپنی طرف بلایا۔ سو کے قریب صحابہ آپ کے پاس جمع ہو گئے تو آپ نے انہیں حکم دیا کہ اب تم ان پر ایک ساتھ ٹوٹ پڑو، خود حضورؐ نے زمین سے کچھ کنکر اٹھائے اور دشمن کی طرف پھینکا۔ اس کے بعد جنگ کا نقشہ بدل گیا، دشمن پیچھے ہٹنے لگے۔ گویا کہ ہاری ہوئی جنگ کو حضورؐ نے اپنی دور اندیشی اور اللہ کی نصرت سے جیت لیا۔ شکست کھا کر جو لوگ میدان سے بھاگے، صحابہ کرام نے ان کا دور تک پیچھا کیا، جو ہاتھ لگے وہ قتل کیے گئے۔ اسی تعاقب میں ابو عامر اشعریؓ شہید ہو گئے۔ (۶۳) اور بعض دوسرے صحابہ نے بھی جام شہادت نوش فرمایا۔ (۲۸)

روم کے عیسائیوں سے معرکہ آرائی

مسلمانوں کے بڑھتے ہوئے اثرات اور جنگوں میں ان کی کامیابی کو دیکھ کر سرزمین عرب سے متصل بعض علاقے جو اب تک حدود اسلامیہ میں شامل نہ ہوئے تھے، ان کو اپنے وجود کے بارے میں خطرہ لاحق ہوا۔ انہیں میں ایک ملک روم بھی تھا۔ اس نے مسلمانوں سے جنگ کرنے کا فیصلہ کیا۔ حضورؐ کو رومیوں کی تیاری کی خبر ملی تو آپؐ کو فکر لاحق ہو گئی۔ ابھی چند ماہ قبل مسلمان سخت محاربہ کے بعد لوٹ کر مدینہ آئے تھے۔ نیز شدید گرمی کا زمانہ تھا۔ ایسے وقت میں جنگ کے لیے اتنا طویل اور سخت ترین سفر دشوار تھا۔ اس کے باوجود آپؐ نے صحابہ کو حکم دیا کہ رومیوں کی فوج مدینہ پر حملہ کرنے کے لیے تیار ہے۔ اس لیے جلدی کرو اور ان کا مقابلہ کرنے کے لیے پوری تیاری کے ساتھ نکل پڑو۔

جب تیس ہزار کا لشکر تیار ہو گیا تو نبیؐ نے حضرت محمد بن مسلمہؓ یا سباع بن عرفطہؓ کو مدینہ کا گورنر بنایا اور حضرت علیؓ کو اپنے اہل خانہ کی دیکھ بھال کے لیے مامور فرما کر مدینہ سے نکلے۔ اسلامی لشکر صبر و استقلال کے ساتھ اور راستے کی تمام صعوبتیں برداشت کرتا ہوا تبوک پہنچا۔ آپؐ نے تمام صحابہ کو جمع کر کے ایسی مؤثر تقریر کی کہ ان کے حوصلے بلند ہو گئے اور وہ مرٹنے کو تیار ہوئے۔ یمن جب رومیوں کو مسلمانوں کے جوش و جذبہ اور عزائم کا اندازہ ہوا تو وہ میدان چھوڑ کر سر ادھر منتشر ہو گئے۔ چنانچہ آپؐ نے ان علاقوں میں پھیلے ہوئے عیسائی عربوں مثلاً ایلمہ،

اذرغ، تما، دومۃ الجندل والوں سے صلح کے معاہدے کیے۔ (۲۹)

حاصل بحث

اس تفصیل سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ان جنگوں میں اقدام کس نے کیا۔ مسلمانوں نے ہمیشہ اس بات کی کوشش کی کہ جنگ کی نوبت نہ آئے۔ لیکن دشمنان اسلام کو اپنی طاقت پر غرور تھا، جب کہ مسلمانوں کے حوصلے بھی پست نہ تھے۔ جب حوصلہ اور طاقت کا ٹکراؤ ہوتا ہے تو عموماً حوصلہ مند گروہ کا میابی ملتی ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور مسلمان اللہ کی مدد سے ہر جگہ کامیاب و کامران ہوئے۔ اس کے نتیجے میں بعض جنگوں میں بڑی مقدار میں مال غنیمت حاصل ہوا۔ ایسا دنیا کے ہر ملک میں ہوتا ہے کہ جب دشمن پر فتح ہوتی ہے تو اس کے نتیجے میں نہ صرف قیدی ہاتھ لگتے ہیں، بلکہ ان کا مال و اسباب بھی قبضے میں آ جاتا ہے۔ کیا ایسے موقع پر کوئی فاتح قوم ان اموال سے دست بردار ہو جاتی ہے۔ لیکن نبیؐ کی اس کامیابی کو مغرب لوٹ مار سے تعبیر کرتا ہے۔ بہتر ہے کہ وہ الزام لگانے کے بجائے اپنے فساد ذہنی کی اصلاح کرے، پھر ان جنگوں سے متعلق کوئی اشکال ہی نہ رہے گا۔ مستشرقین میں سے بعض کی تحریروں کا مطالعہ کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ انھیں اس بات کا بھی اعتراف کیا ہے کہ عہد نبویؐ کی تمام جنگیں برہمنی انصاف تھیں اور حضورؐ اور آپ کے اصحاب نے ہمیشہ صلح کو ترجیح دی، مگر کفار و مشرکین نے اپنی طاقت کے سامنے اسلام کی طاقت کو لائق اعتناء نہ سمجھا، اس لیے انہیں ذلت کا سامنا کرنا پڑا۔

☆☆☆

مآخذ و مراجع

- (۱) جرجی زیدان، تاریخ تمدن اسلام، فرید بک ڈپو، دہلی، ۲۰۰۷ء، ص: ۵۴
- (۲) ڈاکٹر عبدالعلیم، سیرۃ النبی اور مستشرقین، مطبوعہ لکھنؤ، ۲۰۰۰ء، یہ کتاب ’ولہا وزن‘ کے ایک طویل مقالہ ’محمدؐ نزم‘ کے کچھ حصے کا ترجمہ ہے۔ یہ پورا مقالہ انسائیکلو پیڈیا آف برٹانیکا میں شامل ہے۔
- (۳) ابو محمد عبدالملک بن ہشام، سیرۃ النبی، مطبوعہ مجاز، قاہرہ، ۱۹۳۷ء، ج: ۲، ص: ۱۱۹-۱۲۰

- (۴) ابی داؤد و سلمان بن اشعث، سنن ابی داؤد، کتاب الخراج والفی، باب خبر النضر
- (۵) صحیح البخاری، کتاب الجہاد، باب الحرمة فی الغزو فی سبیل اللہ۔
- (۶) شبلی نعمانی، سیرۃ النبی، ج: ۱، ص: ۲۲۰
- (۷) ڈاکٹر عبد القادر جیلانی، اسلام، پیغمبر اسلام، اور مستشرقین مغرب کا انداز فکر، اریب پبلیکیشنز، دہلی، ۲۰۰۷ء، ص: ۳۲۴
- (۸) سیرۃ النبی، ابن ہشام، ج: ۲، ص: ۲۳۸
- (۹) ایضاً، ج: ۲، ص: ۲۴۱
- (۱۰) اسلام، پیغمبر اسلام، اور مستشرقین مغرب کا انداز فکر، ص: ۳۰۱
- (۱۱) صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب قصۃ غزوۃ بدر
- (۱۲) سیرۃ النبی، ابن ہشام، ج: ۲، ص: ۲۴۴
- (۱۳) ایضاً، ج: ۲، ص: ۲۵۴
- (۱۴) سیرۃ النبی، ابن ہشام، ج: ۲، ص: ۲۴۲-۲۴۳
- (۱۵) ایضاً، ج: ۲، ص: ۲۴۶
- (۱۶) ایضاً، ج: ۲، ص: ۲۴۸
- (۱۷) ایضاً، ج: ۳، ص: ۱۰
- (۱۸) ایضاً، ج: ۳، ص: ۱۸۵
- (۱۹) ایضاً، ج: ۳، ص: ۲۳۰
- (۲۰) ایضاً، ج: ۳، ص: ۲۵۸-۲۵۹
- (۲۱) ایضاً، ج: ۳، ص: ۳۵۶
- (۲۲) ایضاً، ج: ۳، ص: ۳۵۷
- (۲۳) صحیح البخاری، کتاب لمغازی، باب الشاہدۃ التي مست للنبي بخبر - من احمد، ج: ۲، ص: ۴۵۱۔ سیرۃ النبی، ابن ہشام، ج: ۳، ص: ۳۹۰
- (۲۴) صحیح البخاری، کتاب الجہاد والسير، باب الدعاء للمشرکین بالہدی لیتا فہم
- (۲۵) ایضاً، کتاب المغازی، باب غزوۃ موتہ من ارض شام
- (۲۶) سیرۃ النبی، ابن ہشام، ج: ۳، ص: ۴۴۷
- (۲۷) ایضاً، ج: ۴، ص: ۱۰-۳۲
- (۲۸) ایضاً، ج: ۴، ص: ۸۷
- (۲۹) ایضاً، ج: ۴، ص: ۱۷۳

باب: پنجم

الغرائق العلیٰ کا افسانہ

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا مقصد یہ تھا کہ اللہ کے بندوں کو شرک و ضلالت اور فسق و فجور سے نکال کر صراطِ مستقیم پر کھڑا کریں اور ان کا رشتہ اللہ وحدہ لا شریک سے مستحکم و مضبوط کریں۔ کفار مکہ کے عقائد و اعمال اور مجبودانِ باطل کے پس منظر میں حضور کے مکی دور کا جائزہ لیتے ہیں تو بعض کم زور روایتوں کی روشنی میں ایک غیر معمولی واقعہ 'الغرائق العلیٰ' سامنے آتا ہے، جس پر اعتماد کیا جائے تو آپ کی بعثت اور کار نبوت بے معنی ہو کر رہ جاتی ہے اور اسلام کی مضبوط و مستحکم بنیاد یک لخت مسمار و منہدم ہو جاتی ہے۔

محمد شین، مفسرین اور سیرت نگاروں میں ابن جریر طبری، ابن سعد، موسیٰ بن عقبہ، ابن اسحاق، ابن ابی حاتم، ابن المنذر، بزار، مردیہ اور طبرانی وغیرہ نے اس واقعہ کو جس انداز میں بیان کیا ہے، اس سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ سے ایک موقع پر لغزش ہوئی تھی۔ ان کے مطابق حضور کی خواہش تھی کہ کوئی ایسی صورت بن جائے جس سے مشرکین مکہ کی مخالفت ختم ہو جائے اور لوگ دین میں داخل ہو جائیں۔ ایک دن سورہ نجم کی تلاوت کے دوران شیطان نے آپ کی زبان مبارک سے 'تک الک غرائق العلیٰ' کے الفاظ نکلوا دیے۔ (۱) تاریخ طبری میں اس واقعہ کی تفصیل اس طرح بیان کی گئی ہے:

”محمد بن کعب القرطبی سے مروی ہے کہ جب رسولؐ نے دیکھا کہ ان کی قوم نے ان سے اعراض کیا ہے اور صرف اس حکم کی وجہ سے جو اللہ نے دیا تھا آپ کی قوم آپ سے علیحدہ ہو گئی ہے۔ آپ کے دل میں یہ ترنما پیدا ہوئی کہ اللہ تعالیٰ کوئی ایسا حکم نازل فرماتا جس سے آپ کے اور ان کے تعلقات پھر قائم ہو جاتے۔ آپ اپنی قوم سے

محبت اور ان کی فلاح کے خیال سے یہ چاہتے تھے کہ ان کے معاملے میں آپ نے جو شدت برتی ہے، اس میں نرمی کر دیں۔ یہ خیال آپ کے دل میں آیا اور آپ نے اس کی آرزو اور تمنا کی۔ اللہ عزوجل نے سورۃ النجم نازل فرمائی۔ جب آپ اللہ کے قول افرئعکم الات ولعزی ومناة الثالثة اخروی پر آئے تو شیطان نے آپ کی زبان پر یہ الفاظ جاری کر دیے تلک الفرائق العلیٰ وان شفاعتھن لتوتجی۔ یہ الفاظ سن کر قریش بہت خوش ہوئے کہ محمدؐ نے ان الفاظ میں ہمارے معبودوں کا ذکر کیا ہے۔ انہوں نے خوشی میں نعرہ لگایا..... جب اس سورہ میں سجدہ کا مقام آیا اور سورۃ ختم ہو گئی تو رسولؐ نے سجدہ کیا اور تمام مسلمانوں نے اپنے نبی کی اتباع، حکم اور وحی کی تصدیق میں آپ کے ساتھ سجدہ کیا اور چوں کہ مشرکین نے رسولؐ کی زبان سے اپنے معبودوں کی تعریف سنی تھی۔ اس لیے مشرکین، قریش اور دوسرے لوگوں نے بھی سجدہ کیا۔ اس طرح ساری مسجد میں جس قدر مومن یا کافر تھے سب سجدہ میں گر گئے۔ دوسرے دن جبرئیل حضورؐ کے پاس تشریف لائے اور اس سورۃ کو پڑھنے کے لیے کہا۔ جبرئیل نے سورۃ سننے کے بعد کہا کہ یہ دونوں کلمے تو میں نے نہیں سکھائے۔ اس پر رسولؐ نے کہا کہ جو اللہ نے مجھ سے کہلوا یا اس کے علاوہ میں نے کچھ بھی نہیں کہا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے سورۃ بنی اسرائیل کی آیت ۷۳-۷۵ نازل فرمائی، جس میں آپ کی لغزش پر تنبیہ کی گئی۔“ (۲)

واقعہ غرائق سے مستشرقین کی دل چسپی

اس طرح کی روایت کو دلیل بنا کر مستشرقین کہتے ہیں کہ نبیؐ جب چاہتے دین میں تحریف کر دیتے اور جیسے چاہتے قرآنی آیات کو اپنے فساد کے مطابق ڈھال کر لوگوں کے سامنے پیش کر دیتے تھے۔ ”سرولم میور“ کے حوالے سے ”کلائن“ لکھتا ہے:

”کسی آیت کی تفسیر کا ایک نہایت اہم واقعہ وہ دیوایاں معزز ہیں اور ان کی شفاعت مقبول ہے“ والی آیت کی تفسیر ہے، جسے کچھ عرصہ تک محمدؐ قرآن کے جزو کے طور پر تلاوت کرتے رہے ہیں۔“ (۳)

سرولم میور مزید کہتے ہیں کہ یہ الحاقی جملے من جانب اللہ تھے، جس کی ایک عرصے تک

حضور ﷺ تلاوت کرتے رہے، مگر انہیں اپنے مقصد میں کامیابی نہ ملی تو بعد میں انہیں منسوخ کر دیا گیا۔

”مفکری واٹ“ بھی اس کے متعلق شک میں مبتلا ہے۔ اس کے مطابق اس سلسلے میں وحی تو نازل ہوئی اور حضورؐ نے پڑھ کر لوگوں کو سنایا بھی، مگر محمدؐ کو بعد میں اندازہ ہوا کہ یہ غلط ہے۔ لہذا اللہ تعالیٰ نے اسے خارج از قرآن کر دیا۔ پھر وہ یہ لکھتا ہے:

”محمدؐ کے سر کردہ لوگوں کے ساتھ کسی مصالحت کی کوشش کر رہے تھے، ان کا مدخلہ الفاظ کی غلطی کا احساس دراصل اس بات کا احساس تھا کہ مصالحت ناممکن تھی۔“ (۴)

دلیں پول، لکھتا ہے:

”سارا مجمع اس مصالحت سے خوش ہو کر خدا کے حضور سجدہ ریز ہو گیا۔ سارے شہر نے اس مشترک مذہب کو قبول کر لیا، لیکن صحرا کا یہ رویہ دیکھنے والا، ایسا فرد نہ تھا کہ کسی جھوٹ بات پر توقف کرتا۔ کئے کا سارا شہر بھی اس کی نذر کر دیا جاتا تو وہ اپنی اندرونی صداقت کو جھٹلاتے رہنے پر راضی نہ ہوتا۔ اس نے برسر عام اقرار کیا کہ اس سے لغزش ہو گئی تھی، اسے شیطان نے درغلا یا تھا، اس نے کھلم کھلا اپنے الفاظ واپس لیے اور کہا کہ جہاں تک ان صورتوں کا تعلق ہے وہ محض نام ہیں، جنہیں ان کے آباؤ اجداد نے وضع کر لیا ہے۔“ (۵)

سورۃ النجم کب نازل ہوئی؟

نبیؐ نے ’سورۃ النجم‘ کی تلاوت کفار کے مجمع عام میں کی تھی، اس سورۃ کی ہیبت لوگوں پر اس قدر طاری ہوئی کہ اپنے ہوش کھو بیٹھے اور نبیؐ کے ساتھ سجدہ ریز ہو گئے، جو بعد از قیاس نہیں ہے۔ کیوں کہ ایسا واقعہ کئی مرتبہ پیش آچکا تھا صحیح حدیث سے پتا چلتا ہے کہ اس وقت جنوں کی الوہیت کے تسلیم کیے جانے کا کوئی واقعہ پیش نہ آیا تھا۔ امام بخاریؒ نے جو تفصیلات اس واقعہ کے متعلق بیان کی ہے، اس میں بس اتنی بات ہے کہ جب سورۃ نجم نازل ہوئی تو لوگوں کے مجمع میں آپؐ نے اس کی تلاوت کی اور آخر میں سجدہ کیا تو آپؐ کے ساتھ مسلمان، مشرکین اور جن وانس سجدہ ریز ہو گئے۔ (۶)

تحقیق طلب یہ ہے کہ یہ سورہ کب نازل ہوئی، ہجرت حبشہ کے وقت، اس سے پہلے، یا اس کے بعد۔ ابن سعد اور ان جریر طبری کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سورہ ہجرت حبشہ کے بعد نازل ہوئی۔ (۷) جدید تحقیقات کی روشنی میں اس سورہ کے زمانہ نزول کا صحیح تعین کرتے ہوئے ڈاکٹر عبدالقادر جیلانی لکھتے ہیں:

”ولیم میورا اور نولد کی نے اس کا نزول کی دور کے چوتھے حصے کے اواخر میں قیاس کیا ہے۔ (علامہ عنایت اللہ مشرقی نے تکرملہ، جلد اول، ص: ۶۷ پر نولد کی کے حوالے سے سورۃ النجم کی ترتیب نزولی اٹھائیسویں اور وقت نزول یکم سنہ نبی سے چار سنہ نبوی کے درمیان بیان کیا ہے) ان کے نزدیک یہ دور ۶ سے ۱۰ نبوی کا ہے۔ علمائے از ہر کے مطابق یہ سورۃ ترتیب نزول کے اعتبار سے تیسویں ہے (القرآن: مکتبہ الجمہوریہ العربیہ، ۱۹۷۲) جب کہ سورہ مریم چوالیسویں ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ دربار حبشہ میں حضرت جعفر بن ابی طالبؓ نے سورہ مریم کی آیت تلاوت فرمائی تھی۔ لہذا یہ وثوق کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ ہجرت حبشہ تک چوالیس سورتیں نازل ہو چکی تھیں اور تیسویں سورۃ النجم ہجرت حبشہ سے کئی برس پہلے اتر چکی تھی۔ چھ سال میں چوالیس سورتوں کا اوسط سات سورتیں سالانہ بنتا ہے۔ اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ سورۃ النجم نبوت کے تیسرے یا چوتھے سال اتری ہوگی۔ اب یہ بات قرین قیاس نہیں کہ وہ سورہ جو تیسرے یا چوتھے سال نازل ہوئی ہو، دسویں سال تک اس کی تلاوت نہ کی گئی ہو، یا اس میں دسویں سال ترمیم کی ضرورت محسوس کی گئی ہو، قرآن اس لیے اترتا تھا کہ اسے لوگوں کو سنایا جائے۔ لہذا حضورؐ نے اس سورۃ کی تلاوت اس کے نزول کے بعد بلا تاخیر کی ہوگی۔ اس اعتبار سے اس کی تلاوت ۴ نبوی میں ہی قرین قیاس ہے۔ یہی وہ دور ہے جب آپ نے اعلانیہ تبلیغ توحید فرمائی اور توحید کے معنی ہی بت پرستی اور شرک سے اجتناب کے ہیں۔ اسلام کی ابتدا ہی کلمہ توحید سے ہوئی ہے۔ اس کلمہ کا جز واول ہی ’لا الہ‘ ہے۔ جس کا مفہوم اور مقصود ہی بتوں اور ذوات خلق غیر اللہ کی نفی ہے۔ اس حزیہ کے بعد ذات اللہ کا اقرار ہے۔ لہذا تبلیغ کی ابتدا ہی غیر اللہ کی الوہیت سے انکار ہے۔“ (۸)

کیا سورہ بنی اسرائیل اور سورہ حج کی آیتوں سے اس کی تائید ہوتی ہے؟
معاندین اسلام کہتے ہیں کہ حضورؐ سے لغزش تو ضرور ہوئی تھی، مگر اللہ تبارک و تعالیٰ نے
دوسری آیتوں کے ذریعہ اس کی تلافی کر دی اور ان آیات کو قرآن سے خارج کرویا گیا۔ سورہ
بنی اسرائیل میں فرمایا گیا ہے:

وَإِنْ كَاذِبُوا يَفْتَتِنُونَكَ عَنِ الَّذِي أُوحِیْنَا إِلَيْكَ بِفَقْرَىٰ عَلَيْنَا
غَيْرُهُ ۖ وَإِذَا لَا تَأْخُذُوكَ حَلِيلًا ۝ وَلَوْلَا أَنْ تَبَثُّكَ لَقَدْ
كَذَّبْتَ تُرْكِنُ إِلَيْهِمْ شَيْئًا قَلِيلًا ۖ إِذَا لَا ذَفْلَكَ ضَعْفَ
الْحَيَوةِ وَضَعْفَ الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُكَ عَلَيْنَا نَصِيرًا ۝
(بنی اسرائیل ۷۳-۷۵)

”اے نبی! ان لوگوں نے اس کوشش میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی کہ تمہیں فتنے میں ڈال
کر اس وحی سے پھیر دیں جو ہم نے تمہاری طرف بھیجی ہے تاکہ تم ہمارے نام پر اپنی
طرف سے کوئی بات گھڑو۔ اگر تم ایسا کرتے تو وہ ضرور تمہیں اپنا دوست بنا لیتے اور
بعد نہ تھا کہ اگر ہم تمہیں مضبوط نہ رکھتے تو تم ان کی طرف کچھ نہ کچھ جھک جاتے۔ لیکن
اگر تم ایسا کرتے تو ہم تمہیں دنیا میں بھی دوہرے عذاب کا مزہ چکھاتے اور آخرت
میں بھی دوہرے عذاب کا۔ پھر ہمارے مقابلے میں تم کوئی مددگار نہ پاتے۔“
اس تنبیہ عتاب پر حضورؐ بہت رنجیدہ اور مغموم ہوئے۔ اس رنجیدگی کو زائل کرنے کے
لیے مندرجہ ذیل آیت نازل ہوئی:

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُولٍ وَلَا نَبِيٍّ إِلَّا إِذَا تَمَلَّى
أَلْقَى الشَّيْطَانُ فِي أُمْنِيَّتِهِ ۖ فَيَنسُخُ اللَّهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطَانُ ثُمَّ
يُحْكِمُ اللَّهُ آيَتِهِ ۖ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝ لِيَجْزَلَ مَا يُلْقِي
الشَّيْطَانُ فِتْنَةً لِلَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ وَالْقَاسِيَةِ
قُلُوبُهُمْ ۖ وَإِنَّ الظَّالِمِينَ لَفِي شِقَاقٍ بَعِيدٍ ۝ (الحج: ۵۲-۵۳)
”اور اے نبی! تم سے پہلے ہم نے نہ کوئی رسول ایسا بھیجا ہے نہ نبی۔ (جس کے ساتھ یہ

معاملہ نہ پیش آیا ہو کہ جب اس نے تمنا کی، شیطان اس کی تمنا میں غلط انداز ہو گیا۔ اس طرح جو کچھ بھی شیطان غل اندازیاں کرتا ہے، اللہ ان کو مٹا دیتا ہے اور اپنی آیات کو پختہ کر دیتا ہے، اللہ علیم اور حکیم ہے۔ (وہ اس لیے ایسا ہونے دیتا ہے) تاکہ شیطان کی ڈالی ہوئی خرابی کو فتنہ بنا دے، ان لوگوں کے لیے جن کے دلوں کو (نفاق کا) روگ لگا ہوا ہے اور جن کے دل کھوٹے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ ظالم لوگ عناد میں بہت دور نکل گئے ہیں۔“

دونوں سورتوں کی آیتوں کا زمانہ اور سبب نزول بھی مختلف ہے۔ سورۃ النجم کی آیات سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ سورۃ بنی اسرائیل کی آیتیں معراج کے بعد ۱۱ یا ۱۲ نبوی میں نازل ہوئیں۔ گویا عتاب کا عمل لغزش کے پانچ چھ سال بعد ہوا۔ غلطی آج سرزد ہو اور اس پر نکیر اور عتاب چھ سال بعد کیا جائے۔ سورۃ حج کی آیاتیں بھی غرائیق کے کئی سال بعد نازل ہوئیں، یہ سورۃ اگرچہ مکی اور مدنی دونوں ہے۔ مگر زیر بحث آیات مدینہ میں نازل ہوئیں، یعنی اہ میں۔ واقعہ غرائیق کی سورۃ حج کی ان آیات سے کوئی تائید نہیں ہوتی ہے۔ سورۃ نجم میں حضورؐ سے جو لغزش ہوئی اس کی اصلاح کے لیے یہ آیتیں اسی وقت نازل ہوئیں نہ کہ عتاب والی آیات نازل ہونے کے بعد۔ اس لیے اس آیت کو اس کی تائید میں پیش نہیں کیا جاسکتا۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی لکھتے ہیں:

”اس میں تین آیتوں کی جوشان نزول بیان کی جا رہی ہے آیا قرآن کی ترتیب بھی اس کو قبول کرتی ہے؟ قصے میں بیان کیا جا رہا ہے کہ آمیزش سورۃ نجم میں کی گئی تھی، جو بعثت میں نازل ہوئی تھی۔ اس آمیزش پر سورۃ بنی اسرائیل والی آیات میں عتاب فرمایا گیا اور پھر اس کی تفسیح اور واقعہ کی توجیہ سورۃ حج کی آیت میں کی گئی۔ اب لامحالہ دو صورتوں میں سے کوئی ایک صورت پیش آئی ہوگی۔ یا تو عتاب اور تفسیح والی آیتیں بھی اسی زمانے میں نازل ہوئی ہوں جب کہ آمیزش کا واقعہ پیش آیا۔ پھر عتاب والی سورۃ بنی اسرائیل کے ساتھ اور تفسیح والی آیت سورۃ حج کے ساتھ نازل ہوئی ہو۔ اگر پہلی صورت ہے تو یہ کس قدر عجیب بات ہے کہ یہ دونوں آیتیں سورۃ نجم میں نہ شامل کی گئی، بلکہ عتاب والی آیت مزید دو ڈھائی سال تک پڑی رہی اور سورۃ حج کے نزول تک اسے کہیں نہ چسپاں کیا گیا۔ کیا قرآن کی ترتیب اسی طرح ہوئی ہے کہ ایک موقع کی

نازل شدہ آیتیں الگ الگ کھری پڑی رہتی تھیں اور برسوں کے بعد کسی کو کسی دوسری سورہ میں ٹانگ دیا جاتا تھا؟ لیکن اگر دوسری صورت ہے کہ عتاب والی آیت واقعہ کے ۶ سال بعد اور تنبیخ والی آیت آٹھ نو سال بعد نازل ہوئی تو علاوہ اس کے بے شک پن کے جس کا ہم پہلے ذکر کر آئے ہیں، یہ سوال پیدا ہوتا کہ سورہ بنی اسرائیل اور سورہ حج میں ان کے نزول کا موقع کیا ہے۔“ (۹)

سورہ نجم کی آیتوں سے اس کی تصدیق ہوتی ہے؟

رسول اللہ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ سورہ نجم کی تلاوت فرماتے ہوئے آپ نے بتوں کی اہمیت کو تسلیم کیا تھا اور ایک خاص مقام پر اس الحاقی جملے کو فٹ کرنے کی کوشش کی ہے۔ پھر اسے منسوخ بتایا گیا ہے۔ لیکن ہم اس سورہ کی الحاقی جملے سے قبل اور بعد والی آیات پر نظر ڈالتے ہیں تو صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اس کا پچھلی اور اگلی آیت سے کوئی تعلق نہیں۔ سلسلہ کلام اس طرح شروع ہوتا ہے:

وَالنَّجْمِ إِذَا هَوَىٰ ۝ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوَىٰ ۝ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۝ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ ۝ عَلَّمَهُ شَدِيدُ الْقُوَىٰ ۝ ذُو مِرَّةٍ ۝ فَاسْتَوَىٰ ۝ وَهُوَ بِالْأُفُقِ الْأَعْلَىٰ ۝ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلَّىٰ ۝ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَىٰ ۝ فَأَوْحَىٰ إِلَىٰ عَبْدِهِ مَا أَوْحَىٰ ۝ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَأَىٰ ۝ أَفَتَحْمُرُونَهُ عَلَىٰ مَا يَرَىٰ ۝ وَلَقَدْ رَآهُ نَزْلَةً أُخْرَىٰ ۝ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهَىٰ ۝ عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَأْوَىٰ ۝ إِذْ يَخْشَى السِّدْرَةَ مَا يَعْشَىٰ ۝ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغَىٰ ۝ لَقَدْ رَأَىٰ مِنْ آيَاتِ رَبِّهِ الْكُبْرَىٰ ۝ أَفَرَأَيْتُمُ اللَّتَّ وَالْعُرَىٰ ۝ وَ مَلَوَ الثَّالِثَةَ الْأُخْرَىٰ ۝ أَلَكُمُ الذَّكْرُ وَلَهُ الْأُنثَىٰ ۝ تِلْكَ إِذَا قِسْمَةٌ ضِيزَىٰ ۝ إِنْ هِيَ إِلَّا أَسْمَاءٌ سَمِيَّتُوهَا أَنْتُمْ وَ آبَاؤُكُمْ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ بِهَا

مِنْ سُلْطٰنٍ ۚ اِنْ يَتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَ مَا تَهْوٰى اَلْاَنۡفُسُ ؕ وَ
لَقَدْ جَاۤءَهُمْ مِّنْ رَبِّهِمُ الْهُدٰى ۖ اَمْ لِلۡاِنۡسَانِ مَا تَمۡنٰى ۙ
فَلِلّٰهِ الْاٰخِرَةُ وَ الْاَوَّلٰى ۙ (انجم ۱-۲۵)

”قسم ہے تارے کی، جب کہ وہ غروب ہوا، تمہارا ریش نہ بھٹکا ہے نہ بھکا۔ وہ اپنی خواہش نفس سے نہیں بولتا، یہ تو ایک وحی ہے جو اس پر نازل کی جاتی ہے، اسے زبردست قوت والے نے تعلیم دی ہے، جو بڑا صاحب حکمت ہے۔ وہ سامنے آکھڑا ہوا جب کہ وہ بالائی افق پر تھا، پھر قریب آیا اور اوپر معلق ہو گیا۔ یہاں تک دو کمانوں کے برابر یا اس سے کم فاصلہ رہ گیا۔ جب اس نے اللہ کے بندے کو وحی پہنچائی جو بھی اسے پہنچانی تھی۔ نظر نے جو کچھ دیکھا، دل سے اس میں جھوٹ نہ ملایا۔ اب کیا تم اس چیز پر اس سے جھگڑتے ہو جسے وہ آنکھوں سے دیکھتا ہے؟ اور ایک مرتبہ پھر اس نے سدرۃ المنتہی کے پاس اس کو اترتے دیکھا، جہاں پاس ہی جنت الماویٰ ہے۔ اس وقت سدرہ پر چھار ہاتھ جو چھار ہاتھ، نگاہ نہ چوندھیائی نہ حد سے متجاوز ہوئی اور اس نے اپنے رب کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں۔ اب ذرا بتاؤ، تم نے کبھی اس لات اور اس عزی اور تیسری ایک دیوی منات کی حقیقت پر کچھ غور کیا ہے۔ کیا بیٹے تمہارے لیے ہیں اور بیٹیاں خدا کے لیے، یہ تو بڑی دھاندلی کی تقسیم ہوئی۔ دراصل یہ کچھ نہیں ہے مگر بس چند نام جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے رکھ لیے۔ اللہ نے ان کے لیے کوئی سندانزل نہیں کی۔ حقیقت یہ ہے کہ لوگ محض وہم و گمان اور خواہش نفس کی پیروی کر رہے ہیں، حالانکہ ان کے رب کی طرف سے ان کے پاس ہدایت آچکی ہے کیا انسان جو کچھ چاہے اس کے لیے وہی حق ہے۔ دنیا اور آخرت کا مالک تو اللہ ہی ہے۔“

یہ پورا مضمون ظاہر کر رہا ہے کہ اس میں نبی کی نبوت کی صداقت کو واضح کیا گیا ہے اور آپ کے اوصاف حمیدہ کو کھول کھول بیان کیے گئے ہیں۔ اس کے بعد مشرکین کے عقیدہ پر حملہ کیا جا رہا ہے کہ تم نے ایک معبود حقیقی کو چھوڑ کر ان معروف دیویوں کو الوہیت کا درجہ دے دیا ہے۔ اگر تم غور و فکر سے کام لیتے تو ایسا نہ ہوتا۔ تم نے بیٹوں کو اپنے لیے خاص کر لیا ہے اور بیٹیاں خدا کے حصے میں کر دیں۔ تقسیم میں توازن ہونا چاہیے۔ ان بتوں کی نہ تو کوئی اہمیت ہے اور نہ اصلیت، ہاں مگر یہ کم راہی ہے جسے تمہارے آباؤ اجداد نے اہمیت دے رکھی ہے اور تم اسی روش پر قائم ہو۔

یہ محض وہم و گمان کی باتیں ہیں اور خواہش نفس کی پیروی ہے۔

سورہ کا اختتام بھی دل دہلا دینے والا ہے

سورہ کے درمیان میں متعدد باتیں عقائد و اعمال کی درستی کے تعلق سے بیان ہوئی ہیں اور سرکشی کی صورت میں اس کا انجام کیا ہوگا اس کو بھی کھول کر بیان کر دیا گیا ہے۔ سورہ کا اختتام بھی اس طرح ہوتا ہے کہ اس کو سنتے ہی لوگوں کے دل دہل جائیں:

وَ اِنَّكَ اَهْلَكَ عَادًاۙ الْاُولٰٓئِیۡ ۙ وَ تَمُوَدًاۙ فَمَاۤ اَبْقٰی ۙ وَ قَوْمَۙ
نُوحٍ مِّنۡ قَبْلُ ۙ اِنَّهُمْ كَانُوْا هُمْۭ اَظْلَمَ وَاَظْلَمٰی ۙ وَ الْمُؤْتَفِکَۃَ
اٰهْوٰی ۙ فَغَشَّیْہَا مَا عَظِیۡ ۙ فِیۡۤ اٰیِ الْاٰثَرِ رَبِّکَ تَنَمَّارِیۡ ۙ
هٰذَا نَذِیْرٌ مِّنَ النَّذْرِ الْاُولٰٓئِیۡ ۙ اَزَقَّتِ الْاَرِیۡفَۃَ ۙ لَیْسَ لَهَا
مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ کَاشِفَۃٌ ۙ اَفَمِنْ هٰذَا الْحَدِیثِ تَعَجُّوْنَ ۙ
وَتَضْحَکُوْنَ وَاَلَا تَبْکُوْنَ ۙ وَ اَنْتُمْ سٰمِدُوْنَ ۙ فَانۡجِدُوْا لِلّٰهِ
وَاعۡبُدُوْا ۙ (النجم: ۵۰-۶۲)

”اور اسی نے عاد اولیٰ کو ہلاک کیا اور مود کو ایسا مٹایا کہ ان میں سے کسی کو باقی نہ چھوڑا اور ان سے پہلے قوم نوح کو تباہ کیا، کیوں کہ وہ تھے ہی سخت ظالم و سرکش لوگ اور اوندھی کرنے والی بستیوں کو اٹھا پھینکا۔ پھر چھادیا ان پر وہ کچھ جو (تم جانتے ہی ہو کہ) کیا چھادیا۔ پس اے انسان اپنے رب کی کن کن نعمتوں میں شک کرے گا۔ یہ ایک تنبیہ ہے پہلی آئی ہوئی تنبیہات میں سے۔ آنے والی گھڑی قریب آگئی ہے، اللہ کے سوا کوئی اسے ہٹانے والا نہیں۔ اب کیا یہی وہ باتیں ہیں جن پر تم اظہار تعجب کرتے ہو، ہنستے ہو اور روتے نہیں ہو اور گا بجا کر انہیں ٹالتے ہو۔ جبکہ جاؤ اللہ کے آگے اور بندگی بجالاؤ۔“

اہل مکہ اس سورہ کو رسول خدا کی زبانی سن رہے تھے اور کلام الہی کی ہیبت ان پر طاری تھی، انہیں خبر نہیں کہ کیا کہا جا رہا ہے اور انجام کیا ہوگا۔ جب رسول اللہ ﷺ مجھہ کرتے ہیں تو سارے لوگ سجدہ ریز ہو جاتے ہیں۔ بعد میں انہیں احساس ہوا کہ ہم سے بڑی غلطی سرزد ہوگئی۔ اس لیے

اس سے پیچھا چھڑانے کی مختلف توجیہات کیں۔

اضافی جملے بے جوڑ ہیں

سورہ نجم کی آیت ۱-۲۵ کا مضمون بتا رہا ہے کہ اس میں خاص طور پر ان لوگوں کو مخاطب کیا گیا ہے جو نبیؐ کی نبوت کا انکار کر رہے تھے۔ اس انکار کی وجہ سے کفار و مشرکین کا جو دردناک انجام ہوگا اس پر وعید سنائی گئی ہے۔ یہ سلسلہ کلام ایسا نہیں کہ اس کے درمیان میں غیر اللہ کی اہمیت کو بھی بیان کر دیا جائے۔ الحاقی جملے سے قبل اور اس کے بعد والی آیت کو جوڑ کر دیکھیے تو پوری سورہ بے وزن ہو جاتی ہے:

أَفَرَأَيْتُمُ اللَّاتَ وَالْعُزَّىٰ - وَمَنَاةَ الثَّالِثَةَ الْأُخْرَىٰ - تِلْكَ
الْغَرَانِيقُ الْعَلَىٰ وَإِنْ شَفَاعَتُهُنَّ لَتَرْجِیْ "أَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ
الْأُنثَىٰ تِلْكَ إِذَا قَسَمَةٌ ضِیْرَىٰ

”اب ذرا بتاؤ، تم نے کبھی اس لات اور اس عزیٰ اور تیسری ایک دیوی منات کی حقیقت پر کچھ غور بھی کیا ہے۔“ یہ مقدس دیویاں ہیں جن کی شفاعت متوقع ہے۔“
کیا بیٹے تمہارے لیے ہیں اور بیٹیاں خدا کے لیے، یہ تو بڑی دھاندلی کی تقسیم ہوئی۔“

ایک سانس میں ان دیویوں کے بھرم کو چاک کیا جا رہا ہے اور دوسرے سانس میں اس کی اہمیت تسلیم کر لی جاتی ہے، اس کے بعد یہ کہا جاتا ہے کہ بے وقوفوں تم نے جو تقسیم کی ہے وہ کوئی منصفانہ تقسیم نہیں ہے۔ یہ تو بڑی بے انصافی اور دھاندلی کی بات ہے۔ جس چیز کو تم اپنے لیے حقیر اور تنگ و عار سمجھتے ہو اسے اللہ کی جانب منسوب کرتے ہو اور جس چیز سے تمہیں فائدہ حاصل ہونے والا ہے اسے اپنی طرف منسوب کرتے ہو۔

جن لوگوں نے اس الحاقی جملے کو اس سورہ کے درمیان میں ٹانگنے کی جرأت کی ہے، وہ اس میں کامیاب نہ ہو سکے اور ان کی بددیانتی سورہ کے سلسلہ کلام سے واضح ہو جاتی ہے۔ جو لوگ نبیؐ پر ہمیشہ جھوٹ گھڑتے اور آپ کے خلاف ہمیشہ افترا پردازی کرتے رہتے تھے وہ اپنا دامن بچانے کے لیے اس طرح کا جھوٹ کیوں نہ گھڑتے۔

قرآن کا اعجاز یہ ہے کہ اس میں خارج از قرآن الفاظ کی آمیزش نہیں ہو سکتی۔ اگر اس

کی یہ خصوصیت نہ ہوتی تو اب تک اس میں نہ معلوم کتنی تحریف کر دی گئی ہوتی۔

واقعہ صحیح ہوتا تو تفصیلات میں تضاد نہیں ہوتا؟

اگر حضورؐ سے دیوبندیوں کی الوہیت کو تسلیم کرنے کی لغزش ہوئی ہوتی تو اس کی تنبیہ اسی وقت کی جاتی۔ قرآن میں بہت سے احکام ایسے ہیں جن پر مسلمانوں کو عمل کرنا لازم اور ضروری ہے۔ مگر جب اللہ نے چاہا اور اس حکم کی افادیت ختم ہو گئی تو اس کی جگہ اللہ نے دوسرا حکم نازل کر دیا۔ کون سی آیت ناسخ ہے اور کون سی منسوخ۔ اس پر مفسرین نے بڑی طویل بحث کی ہے اور ان کا تعین بھی کیا ہے۔ مگر اس واقعہ کے متعلق ایسی کوئی صراحت نہیں ملتی۔ اس سے بھی اندازہ ہوتا ہے یہ من گھڑنت قصہ رومنا ہی نہیں ہوا۔ حدیث کے مستند مجموعوں میں بھی اس کا تذکرہ نہ آنا واقعہ کے لغو ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ جن لوگوں نے اس واقعہ کو صحیح قرار دیا ہے، ان کے الفاظ پر غور کیا جائے تو اس میں حد درجہ تضاد نظر آتا ہے۔ محمد حسین ہیکل نے اس کے متعلق پانچ لفظی تضاد کا ذکر کیا ہے۔ (۱۰) یہ تضاد قصہ کی اصلیت کو مجروح کرتا ہے اور بے بنیاد بنا دیتا ہے۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ واقعہ کی تضاد بیانی کے متعلق لکھتے ہیں:

”قصے کی تفصیلات میں چھوٹے چھوٹے اختلافات کو چھوڑ کر دو بہت بڑے اختلافات ہیں۔ ایک یہ کہ بتوں کی تعریف میں جو کلمات نبیؐ کی طرف منسوب کیے گئے ہیں وہ قریب قریب ہر روایت دوسری روایت سے مختلف ہیں۔ ہم نے ان کا استقصا کرنے کی کوشش کی تو ۱۵ عبارتمیں الگ الگ الفاظ میں پائیں۔ دوسرا بڑا اختلاف یہ ہے کہ کسی روایت کی رو سے یہ الفاظ دورانِ وحی میں شیطان نے آپؐ پر القا کر دیے اور آپؐ سمجھے کہ یہ بھی جبرئیل لائے ہیں۔ کسی روایت میں ہے کہ یہ الفاظ اپنی اس خواہش کے زیر اثر سہواً آپؐ کی زبان سے نکل گئے۔ کسی میں ہے کہ اس وقت آپؐ کو اونگھ آگئی تھی اور اس حالت میں یہ الفاظ نکلے۔ کسی کا بیان ہے کہ آپؐ نے قصداً کہے مگر استفہام انکاری کے طور پر کہے۔ کسی کا قول ہے کہ شیطان نے آپؐ کی آواز میں ملا کر یہ الفاظ کہہ دیے اور سمجھا یہ گیا کہ آپؐ نے کہے ہیں اور کسی کے نزدیک کہنے والا مشرکین میں سے کوئی شخص تھا۔“ (۱۱)

اس واقعہ کے ناقابل تسلیم ہونے کے مزید دلائل

اس واقعہ کو جن لوگوں نے ایک حقیقت کے طور پر بیان کیا ہے اس کی سند پر غور کریں تو اس میں کوئی بھی روایت سنداً مضبوط نہیں ہے۔ علامہ زرقانی نے شرح المواہب اللدنیہ میں ان راویوں پر تفصیل سے کلام کیا ہے اور جنہوں نے اس واقعہ کو بیان کیا ہے۔ جہاں جہاں کم زوری پائی ہے اس کی بھی نشان دہی کی ہے۔ علامہ ناصر الدین البانی نے اپنی کتاب نصب المجاہدین فی قصۃ الغرائق میں ان تمام راویوں کا استقصا کیا ہے اور تمام طرق میں کوئی ایسی کم زوری ثابت کی ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ بے بنیاد ہے۔ پھر وہ لکھتے ہیں:

”یہ ماننے میں کوئی مانع نہیں ہے کہ یہ افسانہ بعد میں گھڑا گیا ہو۔ یہی زیادہ قرین قیاس ہے۔ اس لیے کہ اس کی روایت کسی صحابی سے کسی معتبر سند سے نہیں ہے۔ اس کے تمام طرق مرسل ہیں۔ ہمارے عہد نبوت کے کسی شخص نے اس کی روایت کی ہے۔ حدیثی نقطہ نظر سے اس قصہ کے بے بنیاد ہونے پر میں نے اپنی کتاب ’نصب المجاہدین لفسق قصۃ الغرائق‘ میں تفصیل سے بحث کی ہے۔“ (۱۲)

جن سندوں سے یہ قصہ نقل ہوا ہے وہ محمد بن قیس، محمد بن کعب قرطبی، عروہ بن زبیر، ابوصالح، ابو العالیہ، سعید بن جبیر، ضحاک، ابوبکر بن عبد الرحمن بن حارث، قتادہ، مجاہد، سدی، ابن شہاب زہری اور ابن عباس پر جا کر ختم ہو جاتی ہے۔ ان تمام راویوں میں ابن عباس کے علاوہ کوئی صحابی نہیں ہے۔ (۳۱) یہی وجہ ہے کہ اس قصے کی تفصیلات میں لفظی اختلافات پیدا ہو گئے ہیں۔ جب کہ کبار محدثین و مفسرین نے واقعہ کو غلط اور من گھڑت قرار دیا ہے۔ ابن کثیر کہتے ہیں کہ جتنی سندوں سے یہ روایت ہوا ہے سب مرسل اور منقطع ہیں، کسی صحیح سند سے اس کا ثبوت نہیں ملتا۔ بیہقی کے مطابق از روئے نقل بھی یہ قصہ ثابت نہیں۔ ابن خزیمہ نے کہا کہ یہ زنادقہ کا گھڑا ہوا ہے۔ قاضی عیاض کے مطابق اس قصے کی کم زوری اس سے ثابت ہوتی ہے کہ صحاح میں اس کا ذکر نہیں ہے اور نہ یہ کسی صحیح متصل بے عیب سند کے ساتھ ثقہ راویوں سے منقول ہوا ہے۔ امام زہری، قاضی ابوبکر اور علامہ آلوسی نے اس واقعہ پر تفصیل سے بحث کی ہے اور اس کا رد کیا ہے۔ علامہ نووی فرماتے ہیں کہ عقلاً اور نقلاً کسی بھی لحاظ سے یہ روایت ثابت نہیں ہے۔ (۱۳)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی مفسرین، محدثین اور مورخین کے صحیح نقطہ نظر پیش کرنے کے بعد یہ لکھتے ہیں:

”بھلا یہ کیسے ممکن ہے۔ ہو سکتا ہے کہ زبان حق ترجمان صاحب وَمَا يَنْطَلِقُ عَنِ الْهَوَىٰ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ۔ (وہ اپنی خواہش سے کلام نہیں فرماتے بلکہ وہی کلام فرماتے ہیں جو وحی کی جاتی ہے) سے بتوں کی تعریف ہو جائے اور یہ ناممکن ہے کہ حضور قرآن میں ایسی چیز کا قصد آیا ہو اُضافہ فرمائیں جو قرآن میں سے نہ ہو، خصوصاً ایسی چیز کا اضافہ جو توحید کے سلسلے میں اپنی لائی ہوئی چیز کے منافی و برخلاف ہو۔“ (۱۳)

☆☆☆

مآخذ و مراجع

- (۱) محمد بن عبد اللہ الباقری، شرح المواہب اللدنیہ، مطبعہ الازہریہ، مصر، ۱۳۲۵ھ، ج: ۱، ص: ۲۸۱
- (۲) ابی جعفر محمد بن جریر الطبری، تاریخ الطبری (تاریخ الرسل والملوک) دار المعارف القاہرہ، ۱۹۷۷ء، ج: ۲، ص: ۳۳۸
- (۳) ڈاکٹر عبد القادر جیلانی، اسلام پیغمبر اسلام اور مستشرقین مغرب کا انداز فکر، اریب پبلیکیشنز، نئی دہلی، ص: ۲۸۲، بحوالہ: p:19، Rev. The Religion of Islam. F.A. Klein
- (۴) ایضاً، ص: ۲۸۹، بحوالہ: p:78، What Is Islam. Montgomery Waatt.
- (۵) ایضاً، ص: ۲۹۰، بحوالہ: Introduction to selection from: Stanlely Lanepool.
- (۶) صحیح البخاری، کتاب التفسیر، باب فاسجد واللہ واعبدوا۔ کتاب مناقب الانصار، باب مائتی النبی واصحابہ من المشرکین Quran. p:XLIX
- (۷) ابن سعد، الطبقات الکبری، دار الفکر، بیروت، لبنان، ۱۹۹۷ء، ج: ۱، ص: ۱۳۹۔ تاریخ الطبری، ج: ۲، ص: ۳۳۸
- (۸) اسلام پیغمبر اسلام اور مستشرقین مغرب کا انداز فکر، ص: ۲۹۱-۲۹۲
- (۹) تفہیم القرآن، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی، ۲۰۰۰ء، ج: ۳، ص: ۵۸۶۔ سیرت سرور عالم، ج: ۲، ص: ۲۶۹
- (۱۰) محمد حسین بیگل، حیاۃ محمد، مکتبۃ النہضۃ المصریہ، قاہرہ، ۲۹۵۲ء، ص: ۱۶۵
- (۱۱) سیرت سرور عالم، ج: ۲، ص: ۲۶۶
- (۱۲) فقہ السیرۃ، ص: ۱۱۸ (حاشیہ)
- (۱۳) شرح المواہب اللدنیہ، ج: ۱، بحث: الفرائق العظمی
- (۱۴) شیخ عبدالحق محدث دہلوی، مدارج النبوة (مترجم: غلام مصطفی الدین) مکتبہ دانش، دیوبند، ۱۹۸۱ء، ج: ۲، ص: ۶۰، ۶۱-۱۰۲

باب: دوم

تعدد از دواج کا مسئلہ

اسلام نے بعض ناگزیر حالات میں تعدد از دواج کی اجازت دی ہے لیکن عدل کی شرط کے ساتھ اس کو محدود کر دیا ہے۔ پھر بھی معاندین یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اسلام نے تعدد از دواج کی اجازت دے کر عورتوں کی عزت و عصمت کو پامال کر دیا اور ان کے اختیارات اور آزادی کو سلب کر لیا ہے۔ خود محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر بہ کثرت عمل کیا۔ اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ (نعوذ باللہ) رسولِ خدا درجہ شہوت پرست تھے۔ انھوں نے عام لوگوں کو صرف چار بیوی رکھنے کی اجازت دی اور خود اس سے زائد بیوی کر کے جنسی تِلذُّذ حاصل کرتے رہے۔ حقیقت یہ ہے کہ تعدد از دواج کی اجازت کے باوجود مسلمانوں میں رائج تو ضرور رہا، مگر عام طور پر مسلمان ایک زوجگی پر ہی عامل رہے۔ اس کے برعکس دیگر مذاہب کے ماننے والے کثرت سے عورتوں کو اپنے حرم میں داخل کیا اور ان سے جائز و ناجائز طریقے سے جنسی تِلذُّذ حاصل کرتے رہے ہیں۔ اس کا پورا تاریخی ریکارڈ موجود ہے۔

تعدد از دواج اور انبیائے سابقین

انبیائے کرام کی زندگی کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی تعدد از دواج پر عامل تھے، بلکہ بعض انبیاء کی بیویوں کی تعداد اتنی تھی کہ اس کا صحیح اندازہ لگانا مشکل ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کی تین بیویاں تھیں۔ (۱) حضرت یعقوبؑ کی چار بیویاں تھیں۔ (۲) حضرت موسیٰؑ کی دو بیویاں تھیں۔ (۳) حضرت داؤدؑ کی سب بیویاں تھیں۔ (۴) حضرت سلیمانؑ کی سات سو بیویاں اور تین سو حرمیں تھیں۔ (۵) حضرت عیسیٰؑ اور حضرت یحییٰؑ نے شادی نہیں کی تھی، مگر انجیل متی کے ایک واقعہ

سے پتا چلتا ہے کہ ان کے زمانے میں بھی تعدد از دواج کا رواج تھا۔ (۶) بعض دوسری شہادتوں سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ بیش تر انبیاء کثرت سے تعدد از دواج پر عامل تھے۔

مختلف مذاہب میں تعدد از دواج

تعدد از دواج کسی نہ کسی شکل میں ہر مذہب کے ماننے والوں کے درمیان رائج تھا اور دنیا کے بیش تر ممالک میں اس کا رواج تھا۔ زمانہ قدیم میں ایران کے اندر نکاح کا کوئی قانون نہیں تھا بلکہ قریبی رشتے داروں سے بھی نکاح جائز تھا۔ مغربی ملکوں میں بھی عورتوں کو بہ کثرت اپنے حرم میں رکھنے کا رواج تھا۔ یہودی مصنف ابراہیم لیون کے بقول زمانہ قدیم میں تعدد از دواج کی کوئی ممانعت نہ تھی، Ribbi Gershor نے فتویٰ جاری کر دیا تھا کہ ایک شخص جتنی بیویاں چاہے رکھ سکتا ہے۔ عہد نامہ قدیم کے زمانہ میں تعدد از دواج کی اجازت تھی اور توریتی قانون نے بھی اس کی ممانعت نہیں کی۔ انجیل کے زمانہ نزول میں تعدد از دواج کو قبول عام کا درجہ حاصل تھا۔ اسے مذہبی اور معاشرتی طور پر نہ صرف تسلیم کیا جاتا تھا بلکہ اس پر کسی قسم کی تنقید یا اعتراض نہ ہوتا تھا۔ اس میں ایک شادی کو پسندیدہ فعل تو ضرور قرار دیا گیا ہے، لیکن ایک مخصوص طبقہ کے سوا کسی اور کو ایک سے زیادہ بیویاں کرنے کی ممانعت نہیں کی گئی ہے۔ ابتدائے عیسائیت کے بعد کئی سو برس تک کلیسا کی کسی مجلس نے تعدد از دواج کی مخالفت نہیں کی اور کئی عیسائی امراء اور سلاطین نے ایک سے زیادہ بیویاں رکھیں۔ یورپین مصنف ویسٹر مارک کے مطابق بعض عیسائی فرقے تعدد از دواج کی بڑی شدت سے وکالت کرتے رہے۔ ۱۵۳۱ء میں عیسائیوں کے ایک فرقہ نے اس بات کی تبلیغ کی جو سچا عیسائی بننا چاہتا ہے اس کی بہت سی بیویاں ہونی چاہئیں۔ دنیا میں رائج تعدد از دواج کی رسم پر روشنی ڈالتے ہوئے ’انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا‘ کے ایک مضمون کی روشنی میں یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ تعدد از دواج کا رواج دنیا کے بیش تر ممالک اور قوموں میں پایا جاتا ہے اور ماضی قریب تک اس کا عام رواج تھا۔ اس کے علاوہ لوگ اور دوسرے ناجائز طریقے سے بھی جنسی تلمذ حاصل کرتے تھے اور اسے زیادہ معیوب بھی نہیں سمجھا جاتا تھا۔ (۷)

قدیم ہندوستان میں تعدد از دواج

تاریخ میں بہت سے ہندوستانی مذہبی رہنماؤں کے نام ملتے ہیں جنہوں نے تعدد از دواج پر عمل کیا ہے۔ شری رام چندر جی کے والد مہاراجہ دسرتھ کی تین بیویاں تھیں۔ راجہ چانڈ کے جو مشہور پانچ دؤں کا جد اعلیٰ ہے دو بیویاں تھیں۔ راجہ ستن کی بھی دو بیویاں تھیں۔ بکھتر ایرج کی دو بیویاں اور ایک لوٹھی تھی۔ (۸) ویدک لٹریچر میں متعدد شہادتیں ملتی ہیں کہ تعدد از دواج کا رواج معاشرے کے بعض طبقات میں پوری طرح رائج تھا۔ (۹) ابوالرحمان البیرونی نے صراحت کی ہے کہ طبقاتی اعتبار سے ایک شخص کی متعدد بیویاں ہو سکتی ہیں۔ برہمن کے لیے چار، چھتری کے لیے تین، ویش کے لیے دو اور شودر کے لیے ایک۔ (۱۰) باوجود اس کے راجا اور امراء کثرت سے عورتوں کو داشتہ بنا کر رکھتے تھے۔ بعض صورتوں میں ایک عورت کئی مردوں کی بیوی ہوتی تھی، جس سے ایک ہی وقت میں ان کے تمام شوہر جنسی تعلق قائم کرتے تھے۔ آج بھی ہندوؤں میں زیادہ بیویاں رکھنے کا رجحان پایا جاتا ہے۔

اسلام میں تعدد از دواج کی اجازت

اسلام نے تعدد از دواج کی بعض ناگزیر حالات میں صرف اجازت دی ہے، اس کی تاکید نہیں کی ہے۔ قرآن کریم میں صاف صاف فرما دیا گیا ہے کہ اگر کوئی ضروری سمجھتے ہوئے تعدد از دواج کا میلان رکھتا ہو تو ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں، مگر اس بات کو ملحوظ رکھا جائے کہ ان کے درمیان انصاف اور عدل کا معاملہ کیا جائے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوا فِي النِّسَاءِ فَإِنَّهُنَّ يَأْتِيَنَّكُمْ مِّنَ النَّسَاءِ مَثْنَىٰ وَثُلَاثَ وَرُبْعٌ ۖ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةٌ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ۚ ذَٰلِكَ أَتَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا ۗ (النساء: ۳)

”اور اگر تم کو اندیشہ ہو کہ عیسوں کے ساتھ انصاف نہ کر سکو گے تو جو عورتیں تم کو پسند آئیں ان میں سے دو یا تین یا چار سے نکاح کر لو۔ لیکن اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ ان

کے ساتھ عدل نہ کر سکو گے تو پھر ایک ہی بیوی کرو یا ان عورتوں کو زوجیت میں لاؤ جو تمہارے قبضے میں آئی ہیں۔ بے انصافی سے بچنے کے لیے یہ زیادہ قرین صواب ہے۔“ اسی سورہ میں آگے یہ بھی فرمایا گیا ہے:

وَلَنْ تَسْتَطِيعُوا أَنْ تَعْدِلُوا بَيْنَ النِّسَاءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِينُوا مَحَلَّ الْمِيلِ فَتَذَرُوهَا كَالْمُعَلَّقَةِ ۚ وَإِنْ تُصْلِحُوا وَتَتَّقُوا فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَحِيمًا ۝ (النساء: ۱۲۹)

”بیویوں کے درمیان پورا پورا عدل کرنا تمہارے بس میں نہیں، تم چاہو بھی تو اس پر قادر نہیں ہو سکتے۔ لہذا قانون الہی کا نسا پورا کرنے کے لیے یہ کافی ہے کہ ایک بیوی کی طرف اس طرح نہ جھک جاؤ کہ دوسری کو ادھر لٹکا چھوڑ دو۔ اگر تم اپنا طرز عمل درست رکھو اور اللہ سے ڈرتے رہو تو اللہ چشم پوشی کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔“

اس رخصت کے اثرات و فوائد

عہد نبوی میں جب تک تحدید نکاح کے سلسلے میں کوئی واضح حکم نازل نہیں ہوا تھا لوگ کئی کئی شادیاں کرتے تھے۔ کثرت ازدواج کے معاملے میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے ایک معتدل اور متوازن حکم دیا تا کہ طبقہ اناث کی بے توقیری نہ ہونے پائے۔ گویا کہ اسلام نے کثرت ازدواج کی بالکل ممانعت بھی نہیں کی اور نہ اس میں بے اعتدالی برتی بلکہ ایک درمیانی طریقہ اختیار کرتا ہے۔ دونوں صورتوں میں سے کسی ایک صورت پر بھی اسلام سخت ہو جاتا تو معاشرہ خلفشار میں مبتلا ہو جاتا۔ اسی طرح مرد بھی دوسری عورتوں کی تحدید نکاح کی آیت نازل ہونے کے بعد جن لوگوں کے پاس چار سے زیادہ بیویاں تھیں، انہیں معروف طریقے سے طلاق دے کر جدا کر دیا۔ اگر اس تعداد کی تحدید میں بھی کمی بیشی ہوتی تو توازن برقرار نہ رہتا اور ایک ضرورت مند آدمی کے حق میں زیادتی ہوتی۔ کیوں کہ چار کی تعداد ایک توانا و تندہ رست اور شہوانی غلبہ کے حامل مرد کی سال بھر کی جنسی ضرورت کی تکمیل کر دیتی ہے اور اس سے آگے ضرورت باقی نہیں رہتی۔ (۱۱) مولانا عبدالمجید دریا آبادی لکھتے ہیں:

”یہ تعداد ازدواج کی اجازت ہرگز کوئی ایسی چیز نہیں جس پر کسی مسلمان کو

شرمانے اور اس کی طرح طرح کی تاویلیں کرنے کی ضرورت محسوس ہو۔ مرد کے قوی اور اس کی جسمانی ساخت و ترکیب ہی ایسی نوعیت کی ہے کہ یہ کثرت مردوں میں ایک بیوی مرد کی طبعی خواہش کی تشفی کے لیے کافی نہیں ہوتی۔ مرد و عورت کے اتحاد و تامل کا جہاں تک تعلق ہے مرد کا عمل چند منٹ کے اندر ختم ہو جاتا ہے اور اس کے بعد مرد پر جسمانی حیثیت سے کوئی ذمہ داری نہیں رہ جاتی، برخلاف اس کے عورت کے لیے اس دو مٹی عمل کے نتائج کا سلسلہ دنوں اور ہفتوں نہیں، حمل اور رضاعت کی مدت ملا کر ڈھائی سال بلکہ اس سے بھی آگے تک پھیلا ہوا رہتا ہے۔ پھر زمانہ حمل کے علاوہ بھی ہر جوان، تندرست عورت کے لیے ہر مہینے ایک ایک ہفتہ کی معذوری ایک امر طبعی ہے، اور وہ قانونی نظام کامل نہیں ناقص ہے جو مرد کی طبعی ضرورتوں کی طرف سے آنکھ بند کرے اور عورت کی طبعی معذوریوں کا لحاظ کر کے مرد کے لیے کوئی شہوت جائز نہ رکھے۔“ (۱۲)

مردوں کے ان جائز اور فطری تقاضوں کو ملحوظ رکھا جائے تو یہ بات اچھی طرح سمجھ میں آسکتی ہے کہ شریعت اسلامیہ میں حد درجہ اعتدال اور توازن ہے، نہ تو اس نے زمانہ جاہلیت کی غیر محدود کثرت ازواج کی اجازت دی اور نہ اس میں اتنی تنگی رکھی کہ ایک سے زائد بیوی نہ رکھی جائے۔ بلکہ بین بین حالت کو برقرار رکھا اور معاشرہ کو گندگی سے محفوظ کرنے کا بہترین نسخہ انسانیت کو فراہم کر دیا۔ (۱۳)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازدواجی زندگی

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی مثالی شخصیت کی بنا پر ۴۰ سالہ بیوہ حضرت خدیجہؓ کی آرزوؤں اور خواہشوں کا مرکز بن گئے۔ عمر کی زیادتی کی بنا پر حضرت خدیجہؓ کو ہم عمر اور تجربہ کار رفیق کی ہی ضرورت تھی۔ لیکن انہوں نے اپنی عمر سے ۱۵ سال کم نوجوان کو رفیق سفر منتخب کیا۔ حضورؐ چاہتے تو یہ سوچ کر اس سے انکار کر دیتے کہ ایک نوجوان کا سن رسیدہ عورت سے کیا واسطہ۔ اس کے باوجود آپؐ نے یہ رشتہ منظور فرمایا۔ یہاں تک کہ آپؐ نے عمر عزیز کے انتہائی قیمتی ۲۵ سال حضرت خدیجہؓ کے ساتھ گزار دیے۔ جب حضورؐ کی عمر ۵۰ سال کی ہوئی تو وہ داغ مفارقت دے گئیں اور آپؐ تنہا ہو گئے۔ اچانک بچوں کی تربیت و نگرانی کی ذمہ داری درپیش تھی۔

تو آپؐ نے مشہور و معروف روایت کے مطابق حضرت سودہؓ سے شادی کی جو آپؐ کی ہم عمر بیوہ خاتون تھیں۔ اگر آپؐ پر نفسانی خواہش کا غلبہ ہوتا تو آپؐ جو شادی کرتے وہ کم از کم کسی کنواری خاتون سے کرتے۔ کوئی اور نہ سہی حضرت زینبؓ چھوٹی زاد بہن آپؐ کی نظروں کے سامنے تھیں۔ جو حسین و جمیل تھیں اور ان کے دل میں آپؐ کے لیے پہلے سے جگہ تھی۔ (۱۳) کوئی بھی شخص فیصلہ کر سکتا ہے کہ نبیؐ پر نفسانی خواہشات کی پیروی کا اہرام صادق نہیں آتا۔ اگر ایسی کوئی بات ہوتی تو عمر عزیز کے ۲۵ سالوں میں اس سے زیادہ تعداد میں شادی کرتے جو ہجرت مدینہ کے بعد کیا۔ حالانکہ اس وقت تک کثرت ازواج کی کوئی بندش بھی نہیں تھی اور عمر بھی ایسی تھی کہ جس میں نفسانی خواہشوں کا غلبہ ہوتا ہے، اسی عمر میں آدمی بہکتا ہے اور غیر ذمہ دارانہ فعل انجام دیتا ہے۔

یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ نبیؐ کی رسالت کے انکار کے سلسلے میں کفار و مشرکین اور منافقین نے آپؐ پر مختلف قسم کے اہرام لگائے اور عیوب نکالے، مگر ان لوگوں نے آپؐ کے متعلق کبھی یہ رائے قائم نہیں کی کہ آپؐ حد درجہ شہوت پسند ہیں کہ بیوی پر بیوی کیے جا رہے ہیں۔ خود تو زیادہ شادیاں کرتے ہیں اور دوسروں کو چار بیویوں کا ہی پابند کرتے ہیں۔ جب زینب بنت جحش سے آپؐ کا نکاح ہوا تو اس وقت تک آپؐ کے حرم میں چار بیویاں موجود تھیں۔ مگر ان لوگوں کو اس پر اعتراض نہیں تھا کہ آپؐ پانچویں بیوی کو اپنے گھر میں داخل کر رہے ہیں، بلکہ اس پر اعتراض تھا کہ اپنے منہ بولے بیٹے کی بیوی سے شادی کر رہے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کثرت ازواج کی خصوصی رعایت

حضورؐ نے تعدد ازواج پر عمل کیا اور کئی شادیاں کیں۔ آپؐ نے یہ شادیاں ترپن سے ساٹھ سال کے درمیانی عرصے میں کیا اور ان میں سوائے حضرت عائشہؓ کے سب بیوہ تھیں۔ عمر کے آخری تین سالوں میں جب کہ پورے جزیرۃ العرب پر آپؐ کا اقتدار قائم ہو گیا تھا، مزید کوئی شادی نہیں کی اور اس رخصت سے آپؐ نے کوئی فائدہ نہ اٹھایا، جو اللہ نے آپؐ کو نکاح کے سلسلے میں دے رکھی تھی۔ پہلے سے جتنی بیویاں بقید حیات تھیں ان پر ہی قانع رہے۔ آپؐ پر خواہش نفسانی کا غلبہ ہوتا تو کم از کم تین سال کے حساب سے تین شادیاں اور کرتے۔ آپؐ کے

لیے رشتوں کا قحط نہ تھا۔ مگر چوں کہ جس مصلحت کے تحت آپ نے یہ شادیاں کی تھیں اس کی ضرورت بڑی حد تک ختم ہو چکی تھی اور فرمان الہی بھی آپ کے سامنے واضح تھا کہ اس بندش سے آپ کو آزاد کر دیا گیا ہے جو عام لوگوں کے لیے ہے۔ البتہ چند مزید دوسری تحدید زائد نکاح کے سلسلے میں آپ پر عائد کر دی گئیں، جس کی وضاحت سورہٴ انزاب (آیت: ۵۰) میں موجود ہے۔

کثرت ازدواج کا سبب اصحاب کی دل جوئی تھا

ہجرت مدینہ کے بعد آپؐ نے کوئی ۸ شادیاں کیں۔ ان کے اسباب پر غور کریں تو معاندین اسلام کے سارے اعتراضات کی جڑ خود بہ خود کٹ جاتی ہے۔ ان میں سے ایک سبب یہ تھا کہ اس کے ذریعے ٹوٹے اور آزرده دلوں کی دل جوئی کی جائے۔ جن عورتوں سے آپ نے نکاح کیا وہ کوئی معمولی عورتیں نہ تھیں، بلکہ معزز گھرانے سے ان کا تعلق تھا۔ انہوں نے آپ کی آواز پر بلیک کہا اور اسلام قبول کر کے طرح طرح کی اذیتوں سے دوچار ہوئیں۔ ان کے شوہر راہ خدا میں شہید ہوئے۔ اگر ان کے ساتھ حضورؐ خود نکاح نہ کرتے اور ان کا کسی دوسرے صحابی سے نکاح کر دیتے تو اس میں کوئی ممانعت بھی نہ تھی، لیکن آپ نے ان کی برتری اور عزت نفس کا خیال رکھا اور انہیں اپنے حوالہ عقد میں لے کر ان کی عزت و توقیر فرمائی۔

ام المومنین حضرت سودہؓ سے نکاح کرنے کی وجہ ان کا ہجرت حبشہ اور وہاں جا کر ان کے بیوہ ہو جانے کا حادثہ تھا۔ آپ نے حضرت عمرؓ کی صاحب زادی حضرت حفصہؓ سے ۳ھ میں نکاح کیا۔ انہوں نے بھی اپنے خاوند کے ساتھ ہجرت کی تھی۔ ان کے شوہر کا انتقال غزوہ بدر میں ہو گیا۔ جب یہ بیوہ ہو گئیں تو حضرت عمرؓ کو ان کی شادی کی فکر لاحق ہوئی۔ انہوں نے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عثمانؓ سے کہا کہ آپ ان سے شادی کر لیں مگر ان لوگوں نے انکار کر دیا۔ بعد میں اللہ کے رسولؐ نے حضرت حفصہؓ سے شادی کی۔

اسی سال آپ نے حضرت زینب بنت خزیمہؓ سے نکاح کیا۔ یہ چند ماہ ہی آپ کے نکاح میں رہیں اور ان کا انتقال ہو گیا۔ ان کے پہلے شوہر عبداللہ بن جحش تھے جو ۳ھ میں غزوہ احد میں شہید ہو گئے تھے۔ عبداللہ سے پہلے وہ دو شوہر دیدہ تھیں۔

۴۲ھ میں آپ نے ام سلمہؓ سے نکاح کیا۔ ان کے پہلے شوہران کے چچا زاد بھائی ابوسلمہ بن الاسد مخزومی تھے۔ انہوں نے اپنے شوہر کے ساتھ ہجرت حبشہ کی تھی، پھر مدینہ ہجرت کر کے آگئے۔ غزوہ احد میں ان کے شوہر کو ایک کاری زخم لگا جو آگے چل کر موت کا سبب بن گیا۔ عدت گزرنے کے بعد رسولؐ نے ان سے نکاح کیا۔ حالاں کہ یہ عیال دار تھیں۔

حضرت زینب بنت جحشؓ سے آپؐ نے ۵ھ میں شادی کی۔ یہ آپؐ کی پھوپھی زاد بہن بھی تھیں۔ آپؐ نے ان کی شادی اپنے ایک آزاد غلام زید بن حارثہ سے ایک بری رسم کی اصلاح کے لیے کروائی تھی، مگر بعض وجوہ سے دونوں کا نباہ نہ ہو سکا اور طلاق واقع ہو گئی۔ آپؐ نے ان کی دل جوئی کے لیے نکاح کر لیا۔ اسی شادی کے موقع پر اللہ نے آپؐ کو اجازت دی کہ آپؐ چار سے زیادہ بیوی کر سکتے ہیں اور یہ میری طرف سے صرف آپؐ کے لیے رخصت ہے نہ کہ آپؐ کی امت کے لیے۔

۵ھ میں حضرت جویریہ بنت حارثہؓ سے آپؐ کی شادی ہوئی۔ غزوہ مریسج میں ان کے شوہر سراح بن صفوان مصلحتی مارے گئے اور حضرت جویریہؓ بچوں اور عورتوں کے ساتھ گرفتار ہوئیں۔ آپؐ نے ان کا بدل کتابت ادا فرمایا اور آزاد کر کے اپنی زوجیت میں لے لیا۔

۶ھ میں ام المومنین حضرت ام حبیبہؓ کو آپؐ نے اپنے نکاح میں لیا۔ یہ ابوسفیان بن حرب کی بیٹی تھیں۔ یہ پہلے عبید اللہ بن جحش کی زوجیت میں تھیں، میاں بیوی دونوں نے ہجرت حبشہ کی، مگر عبید اللہ بن جحش وہاں پہنچ کر نصرانی ہو گیا۔ آپؐ نے عمر بن امیہ ضمری کو شاہ نجاشی کے پاس بھیجا، تاکہ ان کا نکاح نبیؐ کے ساتھ کر دیں۔ چنانچہ ام حبیبہؓ نے خالد بن سعید العاصؓ کو اپنا وکیل بنایا اور انہوں نے محمدؐ سے ان کا نکاح کر دیا۔

۷ھ میں آپؐ نے حضرت صفیہ بنت حنیؓ سے نکاح کیا۔ ان کے شوہر کنانہ بن ربیع خیبر کے موقع پر قتل ہوئے اور صفیہ قیدی بنا کر لائی گئیں۔ آپؐ نے ان کی نسبی فوقیت کو ملحوظ کرتے ہوئے ان کو اپنے لیے منتخب فرمایا۔ ان کے مشرف بہ اسلام ہو جانے پر ان کو آزاد کر دیا اور ان کے ساتھ نکاح کر لیا۔

اسی سال آپؐ نے حضرت میمونہ بنت حارثؓ کو اپنے عقد میں لیا۔ وہ آپؐ سے پہلے ابورہم بن عبدالعزیٰ کے نکاح میں تھیں، جن کا انتقال ہو چکا تھا، یہ اس وقت آپؐ کی زوجیت

میں آئیں جب آپ عمرہ قضا کے لیے گئے تھے۔ ابن سعد کے مطابق یہ آپ کی آخری بیوی ہیں، اس کے بعد آپ نے کسی اور خاتون سے نکاح نہیں کیا۔ (۱۵)

اسلام کی توسیع اور عداوتوں کا خاتمہ

آپؐ نے توسیع اسلام کی خاطر مختلف قبیلوں اور خاندانوں کی خواتین سے شادی کی تاکہ ان کی عداوت میں کمی آئے۔ آپ کی ازواج مطہرات پر غور کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ سب مختلف قبائل اور خاندانوں سے تعلق رکھتی تھیں۔

بعض اعدائے اسلام کی بیٹیوں سے شادی کرنے سے بڑی حد تک ان کی عداوت ختم ہو گئی۔

یہ امر واقعہ ہے کہ اس طرح آپؐ اپنے مقصد میں بڑی حد تک کامیاب ہوئے۔ حضرت ام حبیبہؓ ابوسفیان کی لڑکی تھیں۔ اس وقت ابوسفیان کی اسلام دشمنی زوروں پر تھی، جب انہیں اپنی بیٹی کے نکاح کی خبر ملی تو بلا اختیار ان کی زبان سے یہ جملہ نکلا: **هو الفحل لا یخدع** (انفہ) محمدؐ جو ان مرد ہیں ان کی ناک نہیں کاٹی جاسکتی) یعنی یہ کہ وہ بلند ناک والے مرد ہیں، ان کو ذلیل کرنا آسان نہیں۔ ادھر ہم ان کو ذلیل کرنے کی تیاری میں لگے ہوئے ہیں اور ادھر ہماری لڑکی ان کے نکاح میں چلی گئی۔ اس طرح ابوسفیان کی مخالفت ڈھیلی پڑ گئی اور کچھ عرصہ بعد ان کے دونوں فرزند معاویہ و یزید حلقہ بغاوت اسلام ہو گئے۔ ام المومنین حضرت میمونہ بنت حارثؓ کے بعد نجد کے فتنے ختم ہو گئے اور ان کی عداوتوں میں کمی آ گئی۔ (۱۶)

حضورؐ کی زندگی کا ہر گوشہ امت کے سامنے آنا بھی ضروری تھا

ہر انسان کی زندگی کے مختلف رنگ، روپ اور پہلو ہوتے ہیں۔ ایک آدمی اپنے اندرون خانہ تو بہت اچھا ہو، لیکن عام لوگوں کی نظر میں وہ ایسا نہ ہو، کوئی ضروری نہیں۔ اسی طرح اس کے برعکس بھی ہو سکتا ہے۔ چوں کہ حضورؐ پوری انسانیت کے لیے نمونہ بنا کر مبعوث کیے گئے تھے، اس لیے ضروری تھا کہ آپؐ کی زندگی کے دونوں گوشے امت کے سامنے آ جائیں۔ خارجی گوشہ تو آپؐ کا واضح تھا، کیوں کہ آپؐ کے تمام اقوال و افعال صحابہ کے سامنے تھے، لیکن اندرونی

گوشہ امت کے سامنے لانے کے لیے اس کے سوا کیا صورت ہو سکتی تھی کہ آپ کی زیادہ بیویاں ہوں۔ چنانچہ آپ کی اندرون خانہ اخلاقی حالت کو آپ کی ازواج مطہرات نے بڑے ہی اچھے انداز میں لوگوں کے سامنے پیش کیا۔ کس طرح آپ ذکر و فکر کیا کرتے ہیں۔ راتوں کو کثرت سے نوافل و تہجد کا اہتمام کرتے اور اپنے رب کے حضور راز و نیاز کی باتیں کرتے ہیں۔ کسی سے لین دین کرتے تو اس کو کہاں تک نبھاتے ہیں۔ اپنے اعزاء و احباب اور پڑوسیوں کا کس حد تک خیال فرماتے ہیں۔ ماتحت لوگوں کی کتنی عزت و توقیر کرتے ہیں۔ بیویوں کے درمیان کس طرح عدل کرتے ہیں اور ان کی ضرورتوں اور ان کے حقوق کا کتنا لحاظ کرتے ہیں۔ یہ سب اخلاقی و معاشرتی تعلیمات ازواج مطہرات کے ذریعے ہی امت کے سامنے وا شگاف ہوئیں۔

حسن معاشرت کا اظہار

عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ جہاں عورتیں زیادہ ہوتی ہیں چہ می گوئیوں کا بازار گرم رہتا ہے اور بعض وقت ایک دوسرے سے عداوت بڑھ جاتی ہے۔ حضور کی ازواج مطہرات کو دیکھیں نو بیویاں ایک جگہ جمع ہیں۔ سب کی سب مختلف خاندان اور قبیلے سے تعلق رکھتی ہیں۔ کوئی مال دار باپ کی بیٹی ہے تو کوئی متوسط خاندان کی دختر نیک اختر، کوئی کنواری ہے تو کوئی بیوہ تو کوئی مطلقہ۔ کوئی عمر میں چھوٹی ہے تو کوئی بڑی، کسی کا تعلق مکہ سے ہے تو کسی کا مدینہ سے، کوئی مزاج کی گرم ہے تو کوئی نرم، کوئی بہت زیادہ فہیم اور عالمہ ہے تو کوئی معمولی شدہ بدھ رکھنے والی ہے۔ گویا کہ ہر رنگ، مزاج، تمدن اور زبان کی حامل خواتین کا آپ کے گھر میں اجتماع تھا۔ جب کہ گھر کی مالی حالت یہ تھی کہ کھانے کے لیے کئی کئی دن تک چولہا نہ جلتا تھا۔ غربت و افلاس کے بادل ہر وقت منڈلاتے رہتے تھے۔ اس کے باوجود امہات المومنین آپس میں اس انداز اور سلیقے سے رہتی ہیں کہ ایک کو دوسرے سے کوئی شکایت اور رنجش نہیں ہوتی۔ سب ایک دوسرے کی رفیق اور معادن ہیں اور سب اپنے شوہر نام دار کی عزت و مقام کا پورا پورا خیال رکھتی ہیں اور کسی طرح سے ان کی دل نشینی نہیں کرتیں، جس حال میں بھی ہیں خوش ہیں۔ اس طرح آپ اپنے امتیوں کو یہ تعلیم دینا چاہتے تھے کہ ایک سے زائد بیویوں سے کس طرح سلوک کیا جاتا ہے اور خواتین کو بھی سکھانا چاہتے تھے کہ تعداد ازواج کی صورت میں شوہر سے اور ایک دوسرے سے ان کا رویہ

کیا ہونا چاہیے۔ آپ نے اپنی تمام بیویوں کے درمیان حدودِ رساوات کا خیال رکھا حالانکہ عام امتی کی طرح اس مساوات سے آپ کو آزاد کر دیا گیا تھا۔ خود حضور ﷺ سے دعا کرتے تھے: ”یا اللہ جس چیز میں میرا اختیار ہے (یعنی مانِ خفہ کی اور انگلی اور شبِ بائیں میں) اس میں میں نے تو برابری کر لی مگر جس میں میرا اختیار نہیں ہے اس معاملے میں مجھے ملامت نہ فرماتا۔“ اس سے مراد دل کی محبت ہے کسی سے زیادہ اور کسی سے کم۔ باوجود اس کے آپ اپنی بیویوں کی اتنی رعایت فرماتے تھے کہ گویا کہ یہ آپ پر واجب تھا حالانکہ یہ آپ کا محض فضل و کرم تھا۔ (۱۷)

تعلیم دین کی اشاعت

حضور کی مدنی زندگی کا مطالعہ کریں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا زیادہ وقت استحکام دین کی سعی کرنے، مسلمانوں کو اعدائے اسلام کے حملہ سے بچانے اور صحابہ کرام کی تعلیم و تربیت اور تنہیم دین میں صرف ہوتا تھا۔ سفر میں بھی یہی معمول تھا۔ چونکہ عورتیں اس طرح کی سرگرمیوں میں یا پھر آپ کی مجلسوں سے اس طرح استفادہ نہیں کر سکتی تھیں جس طرح مرد کرتے تھے۔ اس لیے ضروری تھا کہ کوئی ایسا ذریعہ روئے کار لایا جائے جس سے عورتوں کی تعلیم و تربیت کا بہتر انتظام ہو سکے اس کے لیے اچھی صورت یہی ہو سکتی تھی کہ زیادہ سے زیادہ عورتیں آپ کے نکاح میں آئیں اور آپ سے عورتوں کے نازک اور حساس مسائل کو سمجھ بوجھ کر دوسروں تک منتقل کریں۔ یہی وجہ ہے کہ امہات المؤمنین نے بغیر کسی جھجک اور حجاب کے حضور سے علمی فیض حاصل کیا اور پھر اسے دوسروں تک منتقل کیا۔ ان کے ذریعہ ان مسائل کی تنہیم و تشریح نہ ہوتی تو آج تک مسلم امت مسائل و مشکلات سے دوچار رہتی۔ جن مسائل تک بعض کبار صحابہ، مفسرین، محدثین اور فقہاء کی نظر نہیں پہنچتی انہیں امہات المؤمنین نے کھول کر بیان کر دیا ہے۔ بعض مسائل کو ٹھیک طریقے سے بیان کرنے میں صحابہ کرام کو دشواری ہوتی تو وہ براہ راست ازواجِ مطہرات سے رجوع کرتے۔ اس طرح امت کو دو قائدے پہنچے۔ ایک یہ کہ امت مسلمہ کی خواتین کے نازک مسائل و اشکاف ہو گئے تو دوسرے عام لوگوں کے لیے علم کے دروازے کھل گئے۔ کتنے لوگوں نے ازواجِ مطہرات سے اکتسابِ علم کیا ہے اور ان کی علمی مجلسوں سے فائدہ اٹھایا ہے۔ بے شمار احادیث ازواجِ مطہرات سے مروی ہے اور بڑی تعداد میں ان کے

شاگرد ہوئے۔ حضرت عائشہؓ کے متعلق مذکور ہے کہ دو سو شاگردوں نے ان سے علم حاصل کیا ہے اور انہوں نے ۲۰۱۰ حدیثیں روایت کی ہیں۔ حضرت ام سلمہؓ سے ۳۷۸، حضرت ام حبیبہؓ سے ۶۵، حضرت میمونہؓ سے ۷۶، حضرت حفصہؓ سے ۶۰، حضرت صفیہؓ سے ۱۱۰ اور حضرت سودہؓ سے ۵ روایتیں نقل ہوئی ہیں۔ (۱۸) حضرت ام سلمہؓ کے فتاویٰ کے متعلق علامہ ابن قیم لکھتے ہیں کہ اگر ان فتاویٰ کو جمع کیا جائے جو انہوں نے حضورؐ کی وفات کے بعد دیے ہیں تو ایک رسالہ مرتب ہو سکتا ہے۔ (۱۹) ان خدمات کے علاوہ ان کے ذریعہ اشاعت اسلام کا کام بھی کثرت سے ہوا ہے اور بڑی تعداد میں لوگوں نے ان کے اخلاق و کردار سے متاثر ہو کر اسلام قبول کیا ہے۔ چنانچہ حضورؐ کے کثرت ازدواج کو ایک ضروری امر قرار دیتے ہوئے ڈاکٹر محمد حمید اللہ لکھتے ہیں:

”کئی باتیں ایسی ہیں جو کوئی خاتون مارے شرم کے کسی مرد سے پوچھ نہیں سکتی۔ وہ کسی دوسری عورت سے وہی سوال آسانی سے کر سکتی ہے۔ چنانچہ مسلم معاشرہ میں پڑھی لکھی خاتون کی سب سے زیادہ ضرورت ہے۔ بھلا رسول خدا کی ازدواج مطہرات سے زیادہ عالم کون سی خاتون ہو سکتی تھی، جو ہر وقت اللہ کے نبی کے ساتھ رہتی تھیں اور انہی سے (اسلام کے اصول و قوانین) سیکھتی تھیں۔ اگر رسولؐ کی صرف ایک زوجہ مطہرہ ہوتیں تو اس بات کی کیا ضمانت تھی کہ وہ طویل عمر پائیں۔ کسی شخص کی جتنی زیادہ بیویاں ہوں گی اتنا ہی یہ امکان بھی زیادہ ہوگا کہ ان بیویوں میں سے بعض زیادہ عرصہ زندہ رہیں گی۔ رسولؐ کی جتنی احادیث پیغمبری ازدواج مطہرات سے مروی ہیں اور جتنے فتوے انہوں نے دیے ہیں ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ ازدواج مطہرات کتنی ذہین اور عقل سلیم کی مالک تھیں۔ پھر انہوں نے پاکیزہ اور انسانی ہمدردی سے پر زندگی کی عملی مثالیں پیش کی ہیں۔“ (۲۰)

عام مسلمانوں کے مقابلے میں حضورؐ کے لیے پابندیاں زیادہ تھیں

عام مسلمانوں کو اجازت تھی کہ وہ بیک وقت چار بیویوں کو اپنے نکاح میں رکھ سکتا ہے۔ اگر کسی وجہ سے یہ تعداد گھٹ جائے تو وہ جب چاہے اور جس سے چاہے نکاح کر سکتا ہے۔ اس طرح وہ باری باری جتنی عورتوں سے چاہے نکاح کر لے تو شرعاً اس پر کوئی پابندی عائد نہیں ہوتی، جب کہ وہ سب کے حقوق ادا کرنے میں کوتاہی نہ کرتا ہو۔ جب کہ نبی اکرمؐ کو کثرت ازدواج کی

خصوصی رعایت دے کر اللہ تبارک و تعالیٰ نے آپ کو کئی باتوں کا پابند بنایا۔ اپنے قریبی رشتہ داروں میں جن سے عام مسلمان شادی کر سکتے ہیں حضور ان سے شادی نہیں کر سکے تھے۔ اسی کے ساتھ آپ کو اس امر کا بھی پابند بنایا گیا کہ آپ اپنی بیویوں کو طلاق نہیں دے سکتے۔ اسی طرح مسلمانوں کے لیے یہ رخصت ہے کہ وہ اہل کتاب کی عورتوں سے شادی کر سکتے ہیں، جب کہ حضور کے لیے ضروری تھا کہ وہ مومنہ عورت سے شادی کریں۔

اقتدار کے نشہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تعدد از دواج پر نہیں ابھارا

حضور کو فتح مکہ تک اسلامی ریاست کے استحکام و قیام میں بڑی محنت کرنی اور جنگیں لڑنی پڑیں۔ اگرچہ اس سے قبل کفار سے جتنی بھی لڑائیاں ہوئیں اسلام کا پلڑا بھاری رہا، مگر کسی بھی جنگ کے آغاز میں اللہ کے رسول کو اپنی فوج کے سہارے کئی اطمینان حاصل نہ تھا کہ ہم اپنے جواں مرد مجاہد اور عمدہ ہتھیار اور اسلحہ کے ذریعہ دشمنان دین سے جنگ جیت لیں گے، بلکہ آپ نے جو بھی مقابلہ کیا وہ اپنے دفاع کے لیے کیا اور ہر جنگ کے آغاز سے قبل اللہ کے رسول رب کے سامنے دست بدعا ہوتے: یا اللہ عزت و ذلت کا تو ہی مالک ہے ہم تیری نصرت کی امید پر اور دین کی حفاظت کی خاطر آگے بڑھ رہے ہیں، تو ہماری غیب سے مدد فرما۔ گویا کہ فتح مکہ تک آپ کو کئی اقتدار حاصل نہ ہوا تھا، بلکہ تدریجی دور سے گزر رہے تھے۔ اسی دور میں آپ نے کئی شادیاں کیں۔ مگر فتح مکہ کے بعد آپ بڑی حد تک پورے جزیرۃ العرب کے حکم راں بن گئے، لیکن اس کے بعد آپ نے کوئی شادی نہیں کی۔ اگر اقتدار کا نشہ ہوتا تو تعدد از دواج آخری ایام میں بڑھ جانا چاہیے تھا، جب کہ آخری چار سالوں میں ازدواج کی تعداد میں کوئی اضافہ نہیں ہوا۔ ہاں کثرت کا تعلق اقتدار سے ہی ہے تو پھر معاندین کو یہ مان لینا چاہیے کہ یہ اقتدار مدنی دور کی ابتدا میں ہی مسلمہ ہو چکا تھا۔ (۲۱)

تعدد از دواج بعض صورتوں میں شدید ضرورت بن جاتی ہے

بعض لوگ اتنے توانا اور تندرست ہوتے ہیں کہ ایک بیوی سے ان کی جنسی ضرورت پوری نہیں ہوتی۔ جب کہ عورت شوہر کے اس داعیہ کی بار بار تکمیل شادی کے بعد کچھ عرصہ تک تو

کر سکتی ہے مگر زیادہ دنوں تک وہ اس کا ساتھ نہیں دے سکتی۔ اس کے علاوہ ہر مہینے میں کچھ دنوں تک وہ اس قابل نہیں رہتیں کہ شوہر اس سے جنسی تعلق قائم کرے۔ اسی طرح حمل کے دنوں کی پریشانی قضا کرتی ہے کہ مرد اپنی بیوی سے جنسی تعلق قائم نہ کرے ولادت کے بعد کم از کم چالیس دنوں تک عورت اپنے شوہر کے لیے قابل انتفاع نہیں رہتی۔ رضاعت کا زمانہ بھی ایسا ہے کہ مرد مطمئن ہو کر بیوی سے نہیں مل سکتا۔ اگر عورت کو حمل ٹھہر گیا تو پہلے بچہ کے لیے دودھ پینے اور پلانے کا مسئلہ کھڑا ہو جاتا ہے اور عورت کی صحت خراب ہو جاتی ہے۔ اسی طرح بعض عورتیں دائم المرض ہوتی ہیں اور وہ تعلقات زن و شو کے قابل نہیں ہوتیں یا از دوامی تعلقات اس کی زندگی اور اس کی صحت کے لیے مہلک ہوتے ہیں۔ ایسی صورت میں عورت کو طلاق دے کر الگ کر دینا بھی اچھی بات نہیں۔ بعض عورتیں بانجھ ہوتی ہیں جب کہ مرد کے لیے بعض حالات میں اولاد ناگزیر ضرورت بن جاتی ہے۔ بعض عورتیں سخت حراج ہوتی ہیں، اس کی بدحرائی سے گھر کا ماحول درہم برہم اور سکون چھن جاتا ہے، یہاں تک کہ بعض وقت وہ وظیفہ جنسی کے لیے بھی تیار نہیں ہوتی۔ کبھی کبھی اچھے رشتوں کی کمی کی وجہ سے والدین اپنی لڑکیوں کا نکاح شادی شدہ مرد سے کر دیتے ہیں تاکہ وہ عزت کی زندگی گزار سکے۔ ان حالات میں مرد اپنے جنسی جذبات کو کیسے پورا کرے، کیا وہ ناجائز طریقہ اختیار کرے۔ اسی طرح عورت بالعموم ۵۰ سال تک ہی بچہ جننے کی صلاحیت رکھتی ہے، جب کہ مرد کے اندر بار آور کی صلاحیت اس سے بہت زیادہ دنوں تک باقی رہتی ہے۔ اس وقت تک اس کے اندر حصول اولاد کا داعیہ پیدا ہوتا رہے گا، اس کی طافی کی کیا صورت ہوگی۔ عورت فطری طور پر بچہ پر ہے، لیکن مرد کے لیے یہ خارجی پریشانی ہے جس کی طافی کی جائز صورت یہی ہے کہ اس کے پاس دوسری بیوی ہو۔

تعداد از دواج کی ممانعت عورتوں کے حق میں بھی ظلم ہے

اگر اسلام تعداد از دواج کی اجازت نہیں دیتا تو عورتوں پر ظلم ہوتا اور وہ بے سہارا اور بے یار و مددگار ہو کر رہ جاتیں۔ یہ بات سب کو معلوم ہے کہ عورت اور مرد پیدا تو برابر ہوتے ہیں، لیکن عورتوں سے زیادہ مہمات دنیا کا شکر ہوتے ہیں۔ زندگی کی دھڑ بھلک میں انہیں بڑی مشکل اور ٹھن رہا ہوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ ملک کی خدمات اور عوام کی حفاظت کی ذمہ داری بھی مرد ہی

انجام دیتے ہیں جن کی موت و حیات کا کسی کو بھی یقین نہیں۔ جنگوں میں مردی معرکہ آرائی کرتے ہیں، جب کہ عورتیں ان ذمہ داریوں سے آزاد ہوتی ہیں۔ اگر اس میں سے چار مرکب گئے تو وہ ان چار لڑکیوں کا جوڑ کیا ہوگا، کیا وہ یوں ہی اپنی عمر کو ضائع کر دیں گی یا وہ اپنا گھر سائیں گی اور زندگی کا لطف اٹھائیں گی، یا پھر وہ غلط طریقے سے اس ضرورت کی تکمیل کریں گی۔ خاص طور پر مغربی ملکوں میں عورتوں کی آبادی مردوں سے زیادہ ہے، امریکہ میں عورتوں کی تعداد مردوں کے مقابلے میں ۷۸ لاکھ زیادہ ہے۔ صرف نیویارک میں ہی عورتوں کی آبادی مردوں سے لگ بھگ دس لاکھ زیادہ بتائی جاتی ہے۔ برطانیہ میں خواتین کی آبادی مردوں کے مقابلے میں چالیس لاکھ زیادہ ہے۔ جرمنی میں عورتوں کی تعداد مردوں سے پچاس لاکھ زیادہ ہے۔ روس میں ۹۰ لاکھ سے زیادہ خواتین ہیں۔ (۲۲) موجودہ تناظر میں اگرچہ ہندوستان میں خواتین کی تعداد مردوں سے زیادہ نہیں ہے، لیکن لڑکیوں کو بچپن میں قتل کرنے اور اسقاط حمل کی وارداتوں کو ضرور ذہن میں رکھا جائے۔ ایسی صورت میں تعداد ازدواج کی اجازت عورتوں کے حق میں یقیناً مفید ہے۔ اگر مردوں کو صرف ایک بیوی رکھنے کی ہی اجازت ہو تو ان مزید عورتوں کا کیا ہوگا؟ اس کے لیے اس کے سوا کیا راستہ ہو سکتا ہے کہ وہ شادی شدہ مردوں سے شادی کر کے جائز طریقے سے زندگی کا لطف اٹھائیں اور عزت کی زندگی بسر کریں۔

اسلام کے تعداد ازدواج کی اہمیت کا اعتراف

اسلام نے تعداد ازدواج کی جو اجازت دی ہے اس میں بہت سے فوائد اور کثیر مصالح ہیں۔ اس کا اعتراف بعض مستشرقین نے بھی کیا ہے۔ چند دنوں قبل ہندوستان میں بھی اس مسئلہ پر بڑی گرم گرمی رہی ہے اور معاندین اسلام نے غلط رخ دے کر عدالت عظمیٰ میں پیش کیا۔ تاکہ اسلام کی اس رخصت پر قدغن لگائی جاسکے اور مسلمان اس رخصت سے فائدہ نہ اٹھا سکیں۔ بڑے بڑے مفکرین اور قانون دانوں نے اس مسئلہ پر غور کرنے کے بعد اس رخصت کو مستحسن قرار دیا اور نتیجہ کے طور پر کہا کہ اسلام میں اس کی اجازت کے باوجود مسلمان تعداد ازدواج پر کم ہی عمل کرتے ہیں۔ جب کہ ہندوؤں میں مذہبی طور پر اس کی ممانعت ہونے کے باوجود اس کا رواج اور رجحان زیادہ ہے۔

ابھی حال میں لاء کمیشن آف انڈیا نے ایک رپورٹ وزارت قانون کو پیش کی ہے اس میں اسلام کے تعدد از دواج کی اہمیت و افادیت کو تسلیم کیا ہے اور ہندو قانون نکاح کی بڑی حد تک دھجیاں اڑائی گئی ہیں۔ اس میں اس بات پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے کہ اسلام نے تعدد از دواج کی جو اجازت دی ہے اس کو لوگ تو زمرہ کرپش کرتے ہیں اور اسے مسلمانوں کے حق میں غیر منصفانہ قانون قرار دیتے ہیں، جو کہ درست نہیں ہے۔ رپورٹ میں کہا گیا ہے:

”عام طور سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ مسلم قانون میں مرد کو ایک بیوی کے ہوتے ہوئے بے روک ٹوک دوسری شادی کا حق ہے۔ لیکن جب ہم قرآن اور شرعی قوانین کے دوسرے مآخذات پر غور و فکر کرتے ہیں تو یہ خیال درست نہیں لگتا۔ اسلامی قانون ایک سے زیادہ شادیوں کی اجازت درحقیقت اس تصور کے ساتھ دیتا ہے کہ ایک شوہر کے ساتھ ایک سے زیادہ بیویاں خوشی خوشی زندگی بسر کر لیں گی۔ پہلی بیوی کو چھوڑ کر یا اس سے بے تعلق ہو کر دوسری بیوی لے آنا اسلام کا تصور کثرت از دواج نہیں ہے۔“ (۲۳)

کمیشن نے یہ بھی باور کرایا ہے کہ اسلام نے بیوی کے جائز تعلقات میں ایک توازن قائم کیا ہے اور اس کے دور رس اثرات انسانی معاشرہ پر پڑے ہیں۔

مسلمان دوسری قوموں کی بہ نسبت تعدد از دواج پر عمل کم ہی کرتے ہیں

تعدد از دواج کی بڑھتی ہوئی تعداد کو روکنے کے لیے ہندوستان میں ایک قانون ۱۹۵۵ء میں نافذ کیا گیا اور اس پر پابندی لگائی گئی تھی۔ اس ایکٹ کے مطابق ضروری ہے کہ شادی کے وقت فریقین میں سے کسی ایک کے میاں بیوی زندہ موجود نہ ہوں، ورنہ دوسری شادی نہ صرف باطل تصور کی جائے گی بلکہ یہ اقدام ہندو مرد و عورت دونوں کے لیے قابل تعزیر جرم قرار پائے گا۔ اس قانون کی منظوری کے بعد اس کی مخالفت کی گئی اور خدشہ ظاہر کیا گیا کہ تعدد از دواج پر پابندی کی وجہ سے نہ صرف ناجائز تعلقات میں اضافہ ہوگا، بلکہ یہ اقدام تبدیلی مذہب کا بھی محرک ہو سکتا ہے۔ حالیہ رپورٹ اور جائزے سے یہ امر واضح ہے کہ دوسری شادی رچانے کی غرض سے ہندوؤں نے بڑی تعداد میں اسلام قبول کیا ہے۔ بعض غمخیز مسلمان حضرات دوسری اور تیسری شادی کی غرض سے اسلام قبول کر لیتے ہیں، اس کے کچھ دن بعد اپنے سابقہ مذہب میں

لوٹ آتے ہیں۔ اس طرح کے ذریعہ اسلام اور اسلامی تعلیمات کا مذاق اڑایا جاتا ہے، جو کسی بھی طرح سے درست نہیں ہے۔ عدالت کو چاہیے کہ اس پر تدغن لگائے۔

ہندوؤں میں تعدد ازدواج کا صحیح اندازہ لگانے کے لیے حکومت کی طرف سے کئی مرتبہ سروے کیا گیا۔ ۱۹۷۱ء کی مردم شماری میں ۳۵.۳ کروڑ ہندوؤں میں اور ۶ کروڑ مسلمانوں میں ہندوؤں کی تعداد زیادہ تھی جو تعدد ازدواج پر عمل کرتے تھے۔ ۱۹۷۴ء میں ۳۵ کروڑ ہندوؤں میں ایک کروڑ لوگوں نے دوسری شادی کر رکھی تھی اور ۶ کروڑ مسلمان آبادی میں سے ۱۲ لاکھ لوگوں کی دو بیویاں تھیں۔ اسی سال کے سروے سے یہ بھی انکشاف ہوا ہے کہ ان مسلمانوں کی تعداد جو تعدد ازدواج پر عامل ہیں ۶.۵ فیصد تھی۔ جب کہ ہندوؤں کے اعلیٰ ذات سے تعلق رکھنے والے تعدد ازدواج پر عامل افراد کی تعداد ۵.۸ فیصد تھی۔ (۲۴) ۱۹۸۱ء کے ایک سروے کے مطابق مسلمانوں میں بیک وقت دو شادیوں کا رواج ۳.۳ فی صد ہے، جب کہ ہندوؤں میں ۵.۶ فیصد ہے۔ بدھ مذہب میں ۸ فیصد اور قبائلی لوگوں میں ۱۵ فیصد۔ (۲۵) ۱۹۶۱ء کی رپورٹ کے مطابق جینیوں میں یہ تناسب ۹ فیصد ہے۔ تمل ناڈو کے ایک سروے کے مطابق تقریباً یہی اعداد و شمار سامنے آتے ہیں۔ مسلمانوں میں یہ تناسب ۴ فیصد اور ہندوؤں میں ساڑھے پانچ فیصد ہے۔ (۲۶) ہندو جنسی خواہش اور ہوس رانی کی تکمیل کے لیے تعدد ازدواج پر عمل کرتے ہیں۔ اور مسلمان شدید مجبوری کی بنا پر دوسری شادی کرتے ہیں، جس کا شریعت نے انہیں مجاز بنایا ہے۔

مغربی ممالک میں نکاح اور طلاق کے ناقص نظام کی وجہ سے گھر میں بیوی کے ہوتے ہوئے لوگ دوسری عورت سے بلا روک ٹوک جنسی تعلق قائم کرتے ہیں، اسی طرح بیوی بھی دوسرے مرد سے آشنا ہوتی ہے۔ ہم جنس پرستی کی لعنت بھی موجود ہے۔ یہ خرابیاں صرف اس لیے پیدا ہو رہی ہیں کہ فطری قانون سے بغاوت کی جارہی ہے اور لوگوں کو یک زو جگی کا پابند بنایا جا رہا ہے۔ مولانا دریس کاندھلویؒ نے اس تعلق سے جس حقیقت کو واضح کیا ہے اس سے مغرب کی بددیانتی واضح ہوتی ہے:

”افسوس صد افسوس کہ اہل مغرب اسلام کے اس جائز اور سراپا مصلحت آمیز تعدد ازدواج پر تو عیش پسندی کا الزام لگائیں اور غیر محدود ناجائز تعلقات اور بلا نکاح کی لاتعداد آذنائیں کو تہذیب اور تمدن سمجھیں۔ مدعیان زمانہ جو کہ تمام انبیاء و مرسلین کی

شریعتوں میں حرام اور تمام حکما کی حکمتوں میں قبیح اور شرمناک فعل رہا، مغرب کے داعیان تہذیب کو اس کا قبیح نظر نہیں آتا اور تعدد ازدواج کہ جو تمام انبیاء و مرسلین اور تمام حکما اور عقلا کے نزدیک جائز اور مستحسن رہا وہ ان کو قبیح نظر آتا ہے۔ ان مہذب قوموں کے نزدیک تعدد ازدواج تو جرم ہے اور زنا اور بدکاری اور غیر عورتوں سے آشنائی جرم نہیں۔ ان مہذب قوموں میں تعدد ازدواج کی ممانعت کا تو قانون موجود ہے مگر زنا کی ممانعت کا کوئی قانون نہیں۔“ (۲۷)

حاصل بحث

ان تفصیلات کی روشنی میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ کثرت ازدواج کے حوالے سے حضرت محمدؐ پر جو اعتراضات کیے جاتے ہیں وہ بے بنیاد ہیں۔ تمام مذاہب میں تعدد ازدواج کی اجازت تھی۔ نبیؐ نے دینی مصالح کی بنا پر کئی شادیاں کی تھیں مگر اس سے قبل جو چار بیویاں آپ کے حرم میں تھیں وہ اس وقت کے سماجی حالات کے تحت تھیں اور ممانعت کثرت ازدواج کا کوئی حکم بھی نازل نہیں ہوا تھا، اس لیے ایسا کرنے میں کوئی حرج بھی نہ تھا۔ چوں کہ حضور اللہ کے حکم کے تابع تھے، وہ اپنی طرف سے اپنے مفاد میں یا امت کے حق میں کوئی حکم نافذ کرنے یا بتانے کے مجاز نہ تھے۔ اس لیے سابقہ رواج پر عمل کرتے رہے۔ لیکن جب اس سلسلے میں واضح حکم نازل ہو گیا تو اس کے مطابق عمل کیا گیا۔ معاندین اسلام خاص کر مغرب کے علماء اور دانشوروں کو نبیؐ کی نبوت اور ان کے پیش کردہ معتدل و متوازن دین سے ان کی برتری کی دیوار منہدم ہوتی نظر آتی ہے، اس لیے وہ اسلام کے نظام قانون اور سیرت رسول کی عالم گیر افادیت کو مجروح کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگاتے رہتے ہیں، جو حق و انصاف اور علمی دیانت داری کے خلاف ہے۔



مآخذ و مراجع

- (۱) عہد نامہ قدیم، کتاب پیدائش، باب: ۲۱، درس: ۱۔ باب: ۲۵، درس: ۱
- (۲) ایضاً، باب: ۹، درس: ۱
- (۳) ایضاً، کتاب خروج، باب: ۲، درس: ۲۲۔ کتنی، باب: ۱۲، درس: ۱۔ استثنا، باب: ۲۱، درس: ۱۰-۱۳
- (۴) ایضاً، کتاب سلاطین، باب: ۱-۲ سموئل: باب: ۱۹-۱۱ اور باب: ۲۷
- (۵) ایضاً، کتاب سلاطین، باب: ۱۱، درس: ۱-۳
- (۶) انجیل متی، باب: ۲۵، درس: ۱-۱۲
- (۷) مولانا سید حامد علی، تعدد ازدواج، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، دہلی، ۲۰۰۳ء، بحوالہ: انسائیکلو پیڈیا آف برٹانیکا، ج: ۸، ص: ۱۸۶-۱۸۷، عنوان: مسیحیت اور دور جدید ص: ۳۶-۳۷
- (۸) قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری، رحمۃ للعالمین، فرید بک ڈپو، دہلی، ۱۹۹۹ء، ص: ۱۲۷
- (۹) سرمایہ تحقیقات اسلامی، علی گڑھ، اکتوبر-دسمبر ۱۹۸۷ء، ص: ۷۴-۷۵، مضمون: تعدد ازدواج پر ایک تحقیقی نظر
- (۱۰) ابوالرحمان محمد الیورنی، فی تحقیق ما لہند مقولۃ مقبولۃ فی الحق او مرذولۃ، مطبوعہ حیدرآباد، ۱۳۷۷ھ، ص: ۲۶۹-۲۷۰
- (۱۱) مولانا اشرف علی تھانوی، المصالح العقلیہ (احکام اسلامی عقل کی نظر میں) کتب خانہ نعیمیہ، دیوبند، ص: ۲۰۱-۲۰۲
- (۱۲) مولانا عبد الماجد دریا آبادی، تفسیر ماجدی، مجلس تحقیقات و نشریات اسلام، لکھنؤ، ۲۰۰۸ء، ج: ۱، ص: ۶۹۰
- (۱۳) مولانا ادریس کاندھلوی، سیرۃ المصطفیٰ، دارالکتاب، دیوبند، ج: ۳، ص: ۳۶۰
- (۱۴) عزالدین ابن اثیر الجزری، اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ، دارالشعب، قاہرہ، ۱۹۷۰ء، ج: ۳، ص: ۲۸۲

- (۱۵) ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، دار الفکر، بیروت، لبنان، ۱۹۹۳ء، ج: ۶، ص: ۱۹۸۔ ازواج مطہرات کی شادیاں کب اور کن حالت میں ہوئیں اس کی تفصیل کے لیے ملاحظہ کریں۔ اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ، ج: ۷۔ سیرۃ النبی، ج: ۴، ص: ۳۲۱-۳۲۵
- (۱۶) مفتی محمد شفیع عثمانی، معارف القرآن، اشرفی بک ڈپو، دیوبند، ج: ۲، ص: ۱۹۴۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی، تفہیم القرآن، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، دہلی، ۲۰۰۲ء، ج: ۴، ص: ۱۱۶
- (۱۷) معارف القرآن، ج: ۷، ص: ۱۷۲ اور ج: ۲، ص: ۱۹۶
- (۱۸) ایضاً، ج: ۷، ص: ۱۷۲۔ ماہ نامہ نقوش (رسول نمبر) ادارہ فروغ اردو، لاہور، جنوری ۱۹۹۳ء، ج: ۴، ص: ۶۶۲
- (۱۹) امین قیوم جوزیہ، اعلام الموقنین، ادارہ الطباعۃ المنیریہ، دمشق، ج: ۱، ص: ۹
- (۲۰) ڈاکٹر محمد حمید اللہ، محمد رسول اللہ، فرید بک ڈپو، دہلی، ۲۰۰۳ء، ص: ۲۱۳-۲۱۴
- (۲۱) ڈاکٹر عبدالقادر جیلانی، اسلام پیغمبر اسلام اور مستشرقین مغرب کا انداز فکر، اریب پبلیکیشنز، دہلی، ۲۰۰۷ء، ص: ۳۳۷
- (۲۲) ڈاکٹر ذاکر نانک، مذاہب عالم میں خدا کا تصور اور اسلام کے بارے میں غیر مسلموں کے ۲۰ سوال، اسلامک بک سروس، نئی دہلی، ۲۰۰۸ء، ص: ۶۳
- (۲۳) ماہ نامہ ملی اتحاد، نئی دہلی، ستمبر ۲۰۰۹ء، ص: ۱۲، مضمون: یک زوجگی، کثرت ازواج اور لائکیشن کی رپورٹ
- (۲۴) ہفت روزہ عالمی سہارا، نئی دہلی، ۳ اکتوبر ۲۰۰۹ء، ص: ۲۸-۲۹، مضمون: مسلمانوں سے زیادہ ہندوؤں میں تعدد ازواج
- (۲۵) سہ ماہی تحقیقات اسلامی، جلی گڑھ، اکتوبر-دسمبر ۱۹۸۷ء، ص: ۷۷، بحوالہ: روزنامہ دکن ہیرالڈ، ۲۴ اپریل ۱۹۸۴ء
- (۲۶) سہ ماہی تحقیقات اسلامی، جلی گڑھ، اکتوبر-دسمبر ۱۹۸۷ء، ص: ۷۷، بحوالہ: روزنامہ اسٹیشنرین، کلکتہ، ۲۸ ستمبر ۱۹۸۴ء
- (۲۷) سیرۃ المصطفیٰ، ج: ۳، ص: ۳۶

باب: یازدہم

نکاح زینبؓ کی حقیقت

اللہ کے رسولؐ نے اپنے منہ بولے بیٹے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کا نکاح اپنی پھوپھی زاد بہن حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے کر دیا تھا۔ بعض وجوہ سے دونوں کا نباہ نہ ہو سکا اور ایک سال کے بعد طلاق واقع ہو گئی۔ اس کے بعد حضرت زینبؓ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کر لیا۔ اس واقعہ کو معاندین اسلام بالخصوص مستشرقین نے ایسا مکروہ بنا کر پیش کیا ہے کہ بعض پڑھ لکھے مسلمان بھی ان کی فریب کاری کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اس سلسلے میں ان کی ہرزہ سرائی کا لب لباب یہی ہوتا ہے کہ نعوذ باللہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر شہوت پرست تھے کہ ایک شادی شدہ عورت کو طلاق دلوا کر اس سے اپنی شادی کر لی۔ پھر اس کی تفصیل بیان کرتے ہوئے ایک گروہ کہتا ہے کہ ایک دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زینبؓ کے گھر گئے، انہیں نیم برہنہ حالت میں اس طرح دیکھا کہ ان کی سیاہ زلفیں ان کے سینوں پر پکھری ہوئی تھیں، جن سے ان کے دل میں محبت کی لگن پیدا ہو گئی اور بعض حیلے بہانے اختیار کر کے زیدؓ سے طلاق دلوا دی، اس طرح آپؐ سے ان کی شادی کرنے کا راستہ صاف ہو گیا۔ دوسرا گروہ کہتا ہے کہ ایک دن حضورؐ زیدؓ کی غیر موجودگی میں ان کے گھر گئے، دیکھا کہ زینبؓ شب بامی کا لباس زیب تن کیے پلنگ پر لیٹی ہوئی ہیں، اس وقت ان کے دل میں زینبؓ سے رغبت پیدا ہو گئی اور ’سبحان اللہ العظیم سبحان مصرف القلوب‘ کہتے ہوئے لوٹ گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ آواز زینبؓ کے گوش گزار ہوئی تو ان کے دل میں امید جاگ گئی۔ زیدؓ گھر آئے تو زینبؓ نے ان سے سارا واقعہ بیان کر دیا۔ ازراہ مروت و محبت زیدؓ نے زینبؓ کو طلاق دینے کا فیصلہ کیا، مگر نبی ﷺ نے انہیں ایسا کرنے سے منع کر دیا۔ پھر بھی زیدؓ نے انہیں طلاق دے دی۔ اس کے بعد

نبی اکرم ﷺ نے ان سے نکاح کر لیا۔ اس تضاد بیانی سے واقعہ کے غلط ہونے کا بہ خوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ اس طرح کی بے بنیاد باتیں وضع کرنے والے مستشرقین کی بڑی تعداد ہے۔ سرولیم میور، درنگھم، واشنگٹن اورنگ، لامنس وغیرہ ان ہی لوگوں میں شامل ہیں۔ درج ذیل سطور میں اسی واقعہ کا قدرے تفصیل سے جائزہ لیا گیا ہے۔

حضرت زیدؑ اور زینبؑ

حضرت زید بن حارثہؑ حضرت خدیجہؑ کے غلام تھے، مطابق انہیں عکاظ کے بازار سے حکیم بن حزام نے خرید کر اپنی پھوپھی خدیجہؑ کو ہبہ کر دیا تھا۔ (۱) جب خدیجہؑ کی شادی حضور ﷺ سے ہوئی تو انہوں نے زیدؑ کو آپؐ کی نذر کر دیا۔ (۲) در رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر انہیں اتنا انس و آرام ملا کہ جب ان کے والدین انہیں تلاش کرتے ہوئے مکہ پہنچے اور زینبؑ کو لے کر تہجد کی دعا پڑھ رہے تھے تو ان کو اپنے ساتھ لے جانے کی درخواست کی تو انہوں نے اپنی آزادی پر غلامی کو ترجیح دی اور جانے سے انکار کر دیا۔ (۳) زید کے اس غیر معمولی تعلق کو دیکھ کر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مجمع میں کھڑے ہو کر اعلان کیا: لوگو! گواہ رہنا آج سے یہ میرا بیٹا ہے اور ہم دونوں ایک دوسرے کے وارث ہوں گے۔ (۴) اب وہ زید کے بجائے زید بن محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہے جانے لگے۔ یہ واقعہ بعثت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کا ہے۔ ان کا شمار ان چار خوش نصیب لوگوں میں ہوتا ہے جنہوں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت سے سرفراز کیے جانے کے بعد سب سے پہلے اللہ کا نبی ہونے کی تصدیق کی اور آپؐ پر ایمان لائے۔ (۵) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت زیدؑ پر حد درجہ اعما تھا۔

حضرت زینب بنت جحشؑ حضورؐ کی پھوپھی امیمہ بنت عبدالمطلب کی صاحبزادی تھیں۔ بعثت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے ۷ سال قبل پیدا ہوئیں۔ ان کا شمار بھی قدیم الاسلام خاتون میں ہوتا ہے۔ جب محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کے ساتھ مدینہ ہجرت کی تو اپنے گھر والوں کے ساتھ ہجرت کر کے یہ بھی مدینہ چلی گئیں۔ یہ بڑی نیک اور فضل و کمال والی خاتون تھیں۔ ذہین تھیں اور نوشت و خواند سے بھی واقف تھیں۔

زینبؓ کے ساتھ زیدؓ کا نکاح

حضرت زیدؓ غلام ہونے کے باوجود بہت سی خوبیوں کے مالک تھے، اس لیے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پھوپھی زاد بہن حضرت زینب سے زیدؓ کے نکاح پر زور دیا۔ شادی کا پیغام لے کر خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم زینب کے گھر گئے۔ خان دانی برتری کی وجہ سے پہلے تو زینب کے گھر والوں نے اس رشتہ سے انکار کر دیا اور ٹال مٹول کرتے رہے، یہاں تک کہ اس بارے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی نازل ہوئی، جس میں فرمایا گیا:

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا لِمُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونُوا لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ ۗ وَ مَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلًّا مُبِينًا ۝
(الاحزاب: ۳۶)

”کسی مومن مرد اور کسی مومن عورت کو یہ حق نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم کسی معاملہ کا فیصلہ کر دے تو پھر اسے اپنے اس معاملے میں فیصلہ کرنے کا اختیار حاصل رہے اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا تو وہ صریح گمراہی میں پڑ گیا۔“

اس آیت کے نزول کے بعد زینب کے بھائی عبداللہ بن جحشؓ اور خود زینبؓ بھی اس شادی سے راضی ہو گئیں۔ (۶) خطبہ نکاح اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھایا۔ زیدؓ کی طرف سے مہر کی رقم بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ادا کی اور رہنے سہنے کے لیے کچھ ضروری اشیا فراہم کیں۔ (۷)

میاں بیوی میں کشیدگی

شادی کے بعد بھی زینبؓ کے اندر خان دانی برتری کا احساس برقرار رہا۔ وہ اپنی خان دانی حیثیت کو زید کے خان دان سے ملا کر مقابلہ کرتیں، آئینہ میں اپنا چہرہ دیکھتیں اور پھر زید پر نظر ڈالتیں تو زمین آسمان کا فرق نظر آتا۔ حضرت زیدؓ ایک سادہ لوح انسان تھے، لیکن بیوی ضدی تھیں اور اپنا ہی کہنا کرتی تھیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ حالات بگڑتے گئے، اور باہمی مناقشات نقطہ عروج

پر پہنچ گئے۔ چنانچہ بات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچی۔ زیدؓ نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی بیوی کے رویہ کا ذکر اور اپنا ارادہ ظاہر کیا:

”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زینب اپنی زبان درازی سے مجھے تکلیف پہنچاتی ہیں، اس لیے میں چاہتا ہوں کہ انہیں طلاق دے دوں۔“ (۸)

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے زیدؓ کی باتوں کو بغور سنا ہوگا، انہیں جلد بازی سے کام لینے سے منع کیا اور قرآن کی زبان میں انہیں صبر کی تلقین فرمائی۔ (الاحزاب: ۳۷) کیا یہ ممکن نہیں تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم زیدؓ کی باتوں کو سن کر زینب کو سمجھانے ان کے گھر گئے ہوں، کبھی زیدؓ کی موجودگی اور کبھی غیر موجودگی میں۔ تھیں تو وہ متنبی کی بیوی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی زاد بہن۔ بعض تصریحات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے جس طرح زیدؓ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنا درد سناتے تھے، اسی طرح زینبؓ بھی زیدؓ کی ناگواری کا ذکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کرتی تھیں۔ علامہ زرقانیؒ لکھتے ہیں اللہ تعالیٰ نے زیدؓ کے دل میں زینبؓ سے متعلق کراہیت ڈال دی تھی۔ (۹)

محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اس کشیدگی کا اثر

اس کشیدگی سے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پس و پیش میں مبتلا ہو گئے کہ خدا نخواستہ ایسا ہو گیا تو اس دیرینہ مفاد کو زود پہنچے گی جس کے لیے ان دونوں کا نکاح ہوا تھا۔ اور زینبؓ کے اہل خانہ کو کہنے کا موقع مل جائے گا کہ یہ ساری خرابی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے ہوئی ہے۔ خود زینبؓ کا کیا ہوگا، کون مطلقہ سے شادی کرے گا۔ منافقین الگ طعنہ دیں گے کہ زینبؓ کے اندر شوہر کے ساتھ زندگی بسر کرنے کی صلاحیت نہیں رہی۔ گویا مختلف قسم کے خیالات و شبہات نبی ﷺ کے قلب و ذہن میں پیدا ہو رہے تھے۔ خیالات کے اس ہجوم میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں یہ بات بھی آئی کہ اگر زیدؓ زینبؓ کو طلاق دے دیں گے تو ان کی دل جوئی کے لیے میں خود ان سے شادی کر لوں گا۔ مفسرین اور سیرت نگاروں کے مطابق یہ ہمدردی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنے ذہن کی پیداوار نہیں تھی، بلکہ وحی کے ذریعہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی تھی کہ زیدؓ انہیں طلاق ا دیں گے، بعدہ آپ زینبؓ سے نکاح کریں گے۔ (۱۰) اس کے باوجود

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خاموشی اختیار کی اور زید کو سمجھاتے رہے کہ وہ زینب کو طلاق نہ دیں اور صبر سے کام لیں۔ اشارہ غیبی پانے کے باوجود اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کو ظاہر کیوں نہ کیا اور زید کو سمجھاتے رہے، اس کی وجہ کیا تھی؟ اس مصلحت پر روشنی ڈالتے ہوئے ہوئے مفسر قرآن مفتی محمد شفیع عثمانیؒ لکھتے ہیں:

”دو وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید کو طلاق دینے سے روکا۔ اول یہ کہ طلاق دینا اگرچہ شریعت اسلام میں جائز ہے مگر پسندیدہ نہیں، بلکہ انقض الباحات یعنی جائز چیزوں میں سب سے زیادہ مبغوض و مکروہ ہے اور تکنوی طور پر کسی کام کا وقوع تشریحی حکم کو متاثر نہیں کرتا۔ دوسرے قلب مبارک میں یہ بھی خیال پیدا ہوا کہ اگر انہوں نے طلاق دے دی اور پھر زینبؓ کا نکاح آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوا تو عرب اپنے دستور جاہلیت کے مطابق یہ طعنے دیں گے کہ اپنے بیٹے کی بیوی سے نکاح کر لیا۔“ (۱۱)

عرب معاشرے میں منہ بولے بیٹے کی حیثیت

عرب معاشرے میں منہ بولے بیٹے کو وہی حیثیت حاصل تھی جو حقیقی بیٹے کو۔ اس جاہلی تصور کو اسلام ختم کرنا چاہتا تھا کہ کسی کو گود لینے سے وہ حقیقی بیٹا نہیں ہو جاتا۔ اس سے دونوں کا فرق مٹ کر رہ جائے گا اور حقیقی اولاد کی قدر و قیمت گھٹ کر رہ جائے گی۔ چنانچہ اس جاہلی تصور کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے یک لخت اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ختم کر دیا۔ (الاحزاب: ۴) گود لینے کے ساتھ لوگ اس بچہ کے حقیقی والدین کو بھلا دیتے تھے۔ جس نے گود لیا ہے، اسی کی جانب اس بچہ کا انتساب ہوتا تھا اور لوگ اسے اسی نام سے جانتے اور پکارتے تھے اور دونوں ایک دوسرے کے وارث بھی ہوتے تھے۔ جیسا کہ خود زید بن حارثہؓ کے بجائے زید بن محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہے جاتے تھے۔ اس سے حقیقی والدین کو کتنی اذیت ہوتی ہوگی اور انہیں کتنا صدمہ پہنچتا ہوگا اس کا صحیح اندازہ دینی کر سکتے ہیں جن کے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا ہو۔ چنانچہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنا فیصلہ صادر کیا اور فرمایا کہ جس کے نطفہ سے بچہ پیدا ہوا ہے اسی کی جانب اس کا انتساب ہوگا اور انہیں ان کے باپ کے نام سے ہی پکارا جائے گا۔ (الاحزاب: ۵)

اس حکم کے نازل ہوتے ہی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو سختی سے منع کر دیا کہ زید کو میری نسبت سے نہیں بلکہ ان کے باپ کی نسبت سے پکارو۔ اب وہ زید بن محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بجائے زید بن حارثہ کہے جانے لگے۔ (۱۲) اس پر دشمنان اسلام سرپیٹ کر رہ گئے۔ کیوں کہ یہ اس بغاوت کے بھی خلاف تھا کہ جس کو کوئی اولاد زینہ نہ ہوتی تھی تو وہ کسی کو مستثنیٰ بنالیتے اور اللہ کو طعنہ دیتے کہ دیکھ لیا تم نے بیٹا نہیں دیا تو کیا ہوا، ہم نے بیٹا حاصل کر ہی لیا۔ (۱۳)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادۂ نکاح ظاہر نہ کرنے کی ایک اور وجہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ہی فیصلہ کیا ہو یا وحی کے ذریعہ حکم دیا گیا ہو کہ زینبؓ سے نکاح کریں۔ لیکن اس اقدام سے رکے رہنے کی بڑی اہم وجہ یہ بھی تھی کہ نکاح کا عام اور واضح حکم نازل ہو گیا تھا جس میں ہدایت دی گئی تھی کہ کوئی بھی مرد اپنے نکاح میں بہ یک وقت چار بیویوں سے زیادہ نہیں رکھ سکتا۔ (النساء: ۳) اس حکم کے نازل ہونے کے بعد جن لوگوں کے پاس چار سے زیادہ بیویاں تھیں انہوں نے انہیں طلاق دے کر الگ کر دیا۔ (۱۴) حضور ﷺ کی زوجیت میں اس وقت چار بیویاں تھیں۔ ایسی صورت میں کیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پانچویں شادی کرتے، جب تک کہ کوئی واضح حکم من جانب اللہ نہ مل جاتا۔ ایسے وقت میں زینبؓ سے نکاح کرنے سے مفسدین اسلام کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت کو مجروح کرنے کا ایک سنہرا موقعہ ہاتھ لگ جاتا۔ وہ کہنے لگتے یہ کیسے نبی ہیں جو اپنے ماننے والوں کو زیادہ سے زیادہ چار عورتیں ہی رکھنے کی اجازت دیتے ہیں اور خود اس کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس تردد کو اللہ نے اس آیت کے ذریعہ دور کر دیا:

وَتَخْفَىٰ فِي نَفْسِكَ مَا اللَّهُ مُبْدِيهِ وَتَخْشَى النَّاسَ ۚ وَاللَّهُ
أَحَقُّ أَنْ تَخْشَاهُ ۖ

(الاحزاب: ۳۷)

”اور اس وقت تم اپنے دل میں وہ بات چھپائے تھے، جسے اللہ کھولنا چاہتا تھا، تم لوگوں سے ڈر رہے تھے، حالانکہ اللہ اس کا زیادہ حق دار ہے کہ تم اس سے ڈرو۔“

اس آیت سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وحی کے ذریعہ منشاءً مولیٰ کا علم ہونے کے بعد بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فوری پیش قدمی نہیں کی اور راز کی باتوں کو چھپائے رکھا، جس کو بعد

میں اللہ تعالیٰ نے ظاہر کر دیا۔ اور شخصی الناس کے معنی یہ ہیں کہ آپ اس کے اظہار سے شرماتے تھے کہ کسی کو یہ حکم کریں کہ اپنی بیوی کو طلاق دے دیں۔ خثیت سے مراد شرمانا یا ڈرنا ہے اور ڈر اس بات کا تھا کہ منافقین زبان طعن دراز کریں گے یا لوگ ہدگمانی کر کے اپنی عاقبت خراب کریں گے۔ (۱۵) یہاں تک کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مزید نکاح کرنے کی جور کا وٹیں تھیں انہیں دور کر دیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اجازت دی:

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنْ أَخْلَلْنَا لَكَ أَزْوَاجَكَ الَّتِي آتَيْتَ أَجُورَهُنَّ
وَمَا مَلَكَتْ يَمِينُكَ مِمَّا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَيْكَ وَ بَلَيتِ عَمِكَ وَ
بَلَيتِ عَمَّتِكَ وَ بَلَيتِ خَالَكَ وَ بَلَيتِ خَلَّتِكَ الَّتِي هَاجَرَنَ
مَعَكَ وَأَمْرَاءَ مُؤْمِنَةٍ إِنْ وَهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ إِنْ أَرَادَ النَّبِيُّ
أَنْ يَسْتَنْكِحَهَا خَالِصَةً لَكَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ قَدْ عَلِمْنَا
مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِي أَزْوَاجِهِمْ وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ لِكَيْلَا
يَكُونَ عَلَيْكَ حَرَجٌ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا ۝ (الاحزاب: ۵۰)

”اے نبی، ہم نے تمہارے لیے حلال کر دیں تمہاری وہ بیویاں جن کے مہر تم نے ادا کیے ہیں اور وہ عورتیں جو اللہ کی عطا کردہ لوٹ پوٹ میں سے تمہاری مملکت میں آئیں اور تمہاری وہ چچا زاد اور پھوپھی زاد اور ماموزاد اور خالہ زاد بہنیں جنہوں نے تمہارے ساتھ ہجرت کی ہے اور وہ مومن عورت جس نے اپنے آپ کو نبی کے لیے ہبہ کیا ہو۔ اگر نبی اسے نکاح میں لینا چاہے۔ یہ رعایت خالصتاً تمہارے لیے ہے، دوسرے مومنوں کے لیے نہیں ہے۔ ہم کو معلوم ہے کہ عام مومنوں پر ان کی بیویوں اور لوٹ پوٹ کے بارے میں ہم نے کیا حدود عائد کیے ہیں۔ (جسہیں ان حدود سے ہم نے اس لیے مستثنیٰ کیا ہے) تاکہ تمہارے اوپر سختی نہ رہے اور اللہ غفور و رحیم ہے۔“

حضرت زینبؓ کا نبیؐ سے نکاح

ایک دن حضرت زینبؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو آکر اطلاع دی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زینبؓ کے رویے سے تنگ آ کر میں نے اسے طلاق دے دی ہے۔ زینبؓ فوراً ہی ان کے گھر

سے نکل آئیں اور زیدؓ کو اطمینان کی سانس لینے کا موقع ملا۔ اس میں شک نہیں کہ ان کا حسن راحت چشم تھا، لیکن ان کا رخصت ہونا راحت قلب معلوم ہونے لگا۔ بعض سیرت نگار لکھتے ہیں کہ اس طلاق کا زینبؓ اور ان کے گھر والوں پر کچھ بھی اثر نہ ہوا ہوگا، کیوں کہ وہ پہلے ہی اس رشتے کو نا منظور کر چکے تھے۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اس طلاق کا جو اثر ہوا ہوگا اس کا ذکر کرتے ہوئے قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری لکھتے ہیں:

”اول تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دیرینہ مصلحت دینیہ کو صدمہ پہنچا جس کے استحکام کے لیے اس نکاح پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے زور دیا تھا اور اپنے خاندان کی ممتاز عورت کو ایک ایسے شخص سے تزویج پر رضامند کیا جو غلام ہو کر بکا تھا اور مالی کہہ کر پکارا جاتا تھا۔ دوم زینبؓ اور اس کے خاندان والوں کی اطاعت اور اس اطاعت کے ضمن میں ان کی آماج گاہ مصیبت ہونے کا واقعہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رحم پر در قلب کے لیے کچھ کم صدمہ رساں نہ تھا۔ اس پیچیدہ حالت میں اللہ تعالیٰ کی وحی قرآنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مطلع کرتی ہے کہ زینبؓ کو ام المومنین کا درجہ عطا کیا گیا۔ اب خدا کا نبی بذات خود اس کی دل شکنی کا معاوضہ ہو گیا۔“ (۱۶)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے نکاح کا پیغام لے کر زیدؓ ہی کیوں گئے؟

حضرت زیدؓ کے طلاق دینے کے بعد حضرت زینبؓ نے عدت پوری کی، اس کے بعد اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح کرنے کا حتمی فیصلہ کیا۔ نکاح کا پیغام لے کر حضرت زیدؓ کو ہی بھیجا، تاکہ لوگوں پر یہ واضح ہو جائے کہ اس طلاق کے واقع ہونے میں نبی ﷺ کا کوئی عمل دخل نہیں ہے، زیدؓ نے اپنی مرضی سے طلاق دی ہے۔ مفسرین کے مطابق یہ وقت زیدؓ کے لیے سخت آزمائش کی گھڑی تھی۔ زیدؓ کو پیغام لے جانے میں ہچکچاہٹ ہوئی تو انہوں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا: میری آنکھیں زینبؓ کا سامنا نہیں کر سکتیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں اس کام کے لیے تم سے زیادہ موزوں آدمی کسی کو نہیں پاتا۔ حکم کی تعمیل کرتے ہوئے وہ پیغام لے کر گئے۔ زیدؓ جب زینبؓ کے گھر پہنچے تو دیکھا کہ وہ کسی کام میں مشغول ہیں، چاہا کہ ان کی طرف دیکھیں، لیکن کچھ سوچ کر منہ پھیر لیا اور دروازے کی طرف پشت کر کے فرمایا: زینبؓ

مجھے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے تم سے اپنے نکاح کا پیغام دے کر بھیجا ہے، اس بارے تمہاری کیا رائے ہے۔ زینب نے فوری طور پر کوئی جواب نہ دیا اور نماز استخارہ کے لیے مصلىٰ پر کھڑی ہو گئیں۔ (۱۸) ادھر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اس نکاح کے واقع ہونے کی اطلاع بذریعہ وحی دی گئی۔ (احزاب: ۴)

حضرت زینبؓ کا نکاح نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ تعالیٰ نے آسمان پر فرشتوں کی موجودگی میں کر دیا۔ (۱۹) ایک دوسری روایت سے پتا چلتا ہے کہ ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہؓ کے پاس تھے۔ اچانک آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کی کیفیت طاری ہوئی۔ جب یہ کیفیت زائل ہو گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے اور فرمایا کون ہے جو جائے اور زینبؓ کو شادی کی خوش خبری سنائے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ آیت تلاوت فرمائی۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ آیت تلاوت فرما چکے تو میرے دل میں خیال آیا کہ زینبؓ تو حسین و جمیل ہیں ہی، اب وہ اس بات پر بھی فخر کریں گی کہ میرا نکاح اللہ تعالیٰ نے آسمان پر کیا ہے۔ (۲۰) زینبؓ کے پاس اس شادی کی خوش خبری لے کر حضرت سلمیٰؓ گئیں۔ جسے سنتے ہی زینبؓ سجدے میں گر گئیں۔ اس کے بعد اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر تشریف لے گئے اور انہیں مبارک باد دی۔ اطمینان دہی اور دوسرے محدثین نے الفاظ کے فرق کے ساتھ کئی حدیثیں نقل کی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ زینبؓ کو اپنے اس نکاح پر فخر تھا اور وہ ازواج مطہرات سے کہا کرتی تھیں کہ تمہارا نکاح تمہارے والدین نے کیا ہے اور میرا نکاح اللہ نے ساتویں آسمان پر کیا ہے اور میرے دلیمہ میں روٹی اور گوشت کھلانے کا اہتمام کیا گیا۔ (۲۱) ان کا یہ فخر کرنا تحدیثِ نعمت کے طور پر غرور و تکبر کے طور پر نہیں تھا۔ صحیح مسلم کی ایک حدیث میں ہے کہ ازواج مطہرات میں زینبؓ ہی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ میں عزت و مرتبہ میں حضرت عائشہؓ کا مقابلہ کرتی تھیں۔ (۲۲) شععی فرماتے ہیں کہ وہ تین وجہوں سے رسول ﷺ پر ناز کرتی تھیں: اول یہ کہ میرے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جد امجد ایک ہی ہیں (یعنی عبدالمطلب)۔ دوسرے یہ کہ اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح مجھ سے آسمان پر کیا اور تیسرے یہ کہ جبرئیل امین اس بارے میں سفیر بنے۔ (۲۳)

اس نکاح کا ایک اور فائدہ

اس شادی کی خبر منافقین کو معلوم ہوئی تو وہ کہنے لگے کہ کیا زمانہ آ گیا ہے، نبی ﷺ اپنے منہ بولے بیٹے کی بیوی سے نکاح کر بیٹھے۔ عرب کے خود ساختہ معاشرتی قوانین میں یہ تو جائز تھا کہ کوئی شخص اپنی ساس سے بیاہ رچالے یا اپنے باپ کی بیواؤں میں سے کسی سوتیلی ماں کو پسند کر کے اسے اپنی بیوی بنا لے، لیکن منہ بولے بیٹے کی مطلقہ بیوی کا باپ کی مناکحت میں آنا قطعاً ناجائز اور ناقابل قبول تھا۔ یہ جانتے ہوئے کہ منہ بولالڑکا کسی صورت میں بھی حقیقی فرزند نہیں ہو سکتا، ان کی طبعی جہالت اس رشتہ کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں تھی، مخالفت قہنجی کی طرح تیزی سے چل رہی تھی اور زینبؓ کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے رشتہ سخت مخالفت کی آماج گاہ بن گیا تھا۔ (۲۴)

چوں کہ یہ نکاح مشیت الہی کے مطابق اور بڑے مقصد کے حصول کے لیے ہوا تھا، اس لیے اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس قصے کو بہت اچھے طریقہ سے حل کیا۔ منہ بولے بیٹے کی جو حیثیت اللہ نے تسلیم کرائی اس کا ذکر کیا جا چکا ہے۔ متنبی کے متعلق باپ بیٹے کا جو تصور تھا اور بہو سے شادی کرنے کے کے سلسلے میں جو غلط فہمی پائی جاتی تھی اس کا ازالہ کرتے ہوئے اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا:

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلَكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ ۚ وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا ۝ (الاحزاب: ۴۰)

”لوگو! محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں، مگر وہ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں اور اللہ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے۔“

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مردوں میں سے کسی کے باپ ہی نہیں ہیں تو پھر لڑکے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس جاہلی تصور پر اگر اسی وقت ضرب نہ لگائی گئی ہوتی تو شاید منہ بولے بیٹے کا بیٹا وراثت نبوی کا بھی دعوے دار ہوتا اور وصال نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہی نوزائیدہ مملکت اسلامیہ خانہ جنگی اور دھڑے بندیوں کا شکار ہو جاتی، دین کا ارتقا ختم کر اسلامی معاشرہ فطری نمو سے محروم ہو جاتا۔ (۲۵)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے زینبؓ سے ملاقات کے مواقع

حضرت زینبؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قریبی رشتہ دار تھیں اور عمر میں بھی تفاوت تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نظروں کے سامنے ہی پبلی بڑھیں اور جوان ہوئیں۔ ان کے افعال و کردار سے بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم بخوبی واقف تھے۔ مہاجر ہونے کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ان کے اور ان کے گھر والوں کے ساتھ ہمدردی بھی اپنی جگہ مسلم تھی۔ باوجود اس کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فکر و خیال میں یہ بات نہ آئی کہ میں ان سے اپنی شادی کروں گا۔ زیدؓ کی عزت افزائی اور ایک اہم سماجی اصلاح کی خاطر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بہ ذات خود اس نکاح پر زور دیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب شادی کا پیغام لے کر گئے تو ان لوگوں نے یہی سمجھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا رشتہ قائم کرنا چاہتے ہیں:

”زینب اور ان کے بھائی نے سمجھا کہ یہ رشتہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے لیے کرنا چاہتے ہیں، اس لیے قبول کرنے میں کوئی تردد نہ ہوا، مگر جب معلوم ہوا کہ زید کے لیے رشتہ لے کر آئے ہیں تو انکار کر دیا۔“ (۲۶)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں کوئی ایسی بات ہوتی تو اسے منظور کرنے میں اس وقت کیا موانع تھے۔ پھر انعقاد نکاح کے بعد زینبؓ سے ملنے کے کئی مواقع پیش آئے ہوں گے، کیوں کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ بولے بیٹے کی بیوی تھیں۔ اس وقت بھی آپ کے دل میں ان سے شادی کا خیال نہ آیا۔ یکا یک جب بات بگڑتی ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں زینبؓ سے متعلق شہوانی خواہش جاگ جاتی ہے، مستشرقین اور معاندین اسلام کی یہ کتنی غیر منصفانہ اور مضحکہ خیز بات ہے۔ یہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا احسان اور شریعت کی مصلحت تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مطلقہ کو اپنی زوجیت میں لے کر عزت بخش دی۔

نکاح زینبؓ کے دور رس اثرات

اس پورے واقعہ کا غیر جانب دارانہ جائزہ لیا جائے تو مستشرقین اور معاندین اسلام کی بے بنیاد باتوں کی قلعی کھل جاتی ہے بلکہ اس واقعہ کی وجہ سے شریعت اسلامی کے پانچ اہم فائدے مسلمانوں کے سامنے ابھر کر آئے:

- ۱۔ کوئی بھی آدمی خاندانی اور نسبی تفاخر کی بنا پر معزز نہیں ہو سکتا، بلکہ معزز وہ ہے جس کے اندر دین داری اور تقویٰ ہے۔ اس حیثیت سے ایک غلام کو بھی باعزت طریقے سے چینیے اور زندگی گزارنے کا حق ہے اور کوئی بھی اس وجہ سے کم تر نہیں ہو سکتا کہ اس کی پیشانی پر کبھی غلامی کا داغ لگا ہو۔
- ۲۔ جس کسی نے کسی کو اپنا منہ بولا بیٹا بنایا ہوا سے ساج میں وہ مقام و مرتبہ ہرگز حاصل نہیں ہو سکتا جو ایک حقیقی بیٹے کو حاصل ہوتا ہے۔
- ۳۔ منہ بولا بیٹا بھی وراثت میں اتنے ہی حصے کا حق دار ہوگا جتنا کہ حقیقی بیٹا ہوتا ہے، اس باطل تصور کی اس واقعے نے جڑ کاٹ کر رکھ دی۔
- ۴۔ منہ بولے بیٹے کی مطلقہ بیوی سے نکاح کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ ضرورت پڑنے پر ایسا کیا جاسکتا ہے۔
- ۵۔ حضرت زینبؓ کا نکاح حضورؐ سے ہونے کے بعد ہی حجاب کا واضح حکم نازل ہوا۔

☆☆☆

تآخذ و مراجع

- (۱) عزالدین بن الاثیر الجزری، اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ، دار الشعب، قاہرہ، ۱۹۷۰ء، ج: ۲، ص: ۲۸۱
- (۲) ایضاً
- (۳) ابو محمد عبد الملک بن ہشام، سیرۃ النبی، مطبع مجازی، قاہرہ، ۱۹۳۷ء، ج: ۱، ص: ۲۶۵-۲۶۶
- (۴) صحیح البخاری، کتاب فضائل صحابہ، باب من فضائل زید بن حارثہ ولینہ۔ جامع الترمذی، کتاب المناقب، باب مناقب زید بن حارثہ۔ ابی عبد اللہ محمد بن احمد القرطبی، الجامع لاحکام القرآن، معروف بتفسیر القرطبی، مرکز تحقیق التراث المصریہ، ۱۹۷۷ء، ج: ۱۳، ص: ۱۸۶۔ اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ، ج: ۲، ص: ۲۸۱۔ ابن حجر العسقلانی، الاصابہ فی تميز الصحابہ، دار المعرفۃ، بیروت لبنان، ۲۰۰۳ء، ج: ۱، ص: ۶۳۵
- (۵) حافظ ابن کثیر الدمشقی، البدایہ والنہایہ، دار الریان للتراث، قاہرہ، ۱۹۸۸ء، ج: ۲، جز: ۳، ص: ۲۶
- (۶) اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ، ج: ۷، ص: ۱۲۵
- (۷) ابی الفضل شہاب الدین محمود آلوسی، روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی، ادارۃ الطبائعہ المسمیریہ، ج: ۲۲، ۲۳۔ عماد الدین ابی الفدا اسماعیل بن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، دار الکتاب، دیوبند، ۲۰۰۲ء، ج: ۳، ص: ۶۴۲
- (۸) جامع الترمذی، کتاب التفسیر، باب سورۃ الاحزاب۔ روح المعانی، ج: ۲، ص: ۲۳۔ احمد بن حجر العسقلانی، فتح الباری بشرح صحیح البخاری، دار المعرفۃ، بیروت لبنان، ج: ۸، ص: ۵۲۳
- (۹) محمد بن عبد اللہ عبد الباقی الزرقانی، شرح زرقانی علی المواہب اللدنیہ، مطبع الازہریہ، مصر، ۱۳۲۶ھ، ج: ۳، ص: ۲۴۳
- (۱۰) روح المعانی، ج: ۲۲، ص: ۲۳۔ زرقانی، ج: ۳، ص: ۲۴۳
- (۱۱) مفتی محمد شفیع عثمانی، معارف القرآن، اشرفی بک ڈپو، دیوبند، ج: ۷، ص: ۳۰

- (۱۲) اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ، ج: ۲، ص: ۲۸۱
- (۱۳) رحمۃ للعالمین، ج: ۲، ص: ۱۶۸
- (۱۴) سنن ابوداؤد، کتاب الطلاق، باب من اسلم وعنده نساء اکثر من اربع او اختان۔ جامع الترمذی، ابواب النکاح، باب ما جاء فی الرجل یسلم وعنده عشر نسوة
- (۱۵) ادريس كاندهلوی، سیرۃ المصطفیٰ، دار الکتاب، دیوبند، ج: ۳، ص: ۳۱۵
- (۱۶) رحمۃ للعالمین، ج: ۲، ص: ۱۷۰
- (۱۷) شرح زرقانی، ج: ۳، ص: ۲۴۵۔ تفسیر القرطبی، ج: ۱۴، ص: ۱۹۲
- (۱۸) صحیح مسلم، کتاب النکاح، باب زواج زینب بنت جحش ونزول الحجاب۔ سنن نسائی، کتاب النکاح، باب صلاة المرأة اذا خطبت واستحارتهار بها۔ مسند احمد بن حنبل، ج: ۳، ص: ۱۹۵
- (۱۹) صحیح البخاری، کتاب التوحید، باب وكان عرش علي السماء۔ تفسیر القرآن العظیم، ج: ۳، ص: ۶۳۳
- (۲۰) اسد الغابہ فی معرفۃ صحابہ، ج: ۷، ص: ۱۲۶۔ شرح زرقانی، ج: ۳، ص: ۲۴۶۔ الطبقات الکبریٰ، ج: ۶، ص: ۷۵
- (۲۱) جامع الترمذی، کتاب التفسیر، باب سورة الاحزاب
- (۲۲) صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب فضل العائشة
- (۲۳) تفسیر القرطبی، ج: ۱۴، ص: ۱۹۵
- (۲۴) خالد لطیف گابا، پیغمبر صحرا، فرید بک ڈپو، دہلی، ۲۰۰۴ء، ص: ۱۷۳
- (۲۵) ڈاکٹر عبدالقادر جیلانی، اسلام، پیغمبر اسلام اور مستشرقین مغرب کا انداز فکر، اریب پبلیکیشنز، دہلی، ۲۰۰۷ء، ص: ۳۴۸
- (۲۶) محمد الحجازی الحنفی، شرح سنن الترمذی المسمی سروق الانوار لمن الکبریٰ الالهیۃ بکشف اسرار السنن الصغریٰ التسمیۃ، ریاض، ۱۴۲۵ھ، ج: ۱، ص: ۸۶۱

کتابیات

۱ القرآن المجید

متون حدیث

- ۲ ابی عبد اللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن المغیرہ بن بردزبہ البخاری، الجامع المسند الصحیح المختصر من امور رسول اللہ وسننه وایامہ
- ۳ حافظ ابی الحسین مسلم بن الحجاج بن مسلم القشیری، المسند الصحیح المختصر من السنن مقل العادل عن رسول اللہ
- ۴ حافظ ابی داؤد سلیمان بن الاشعث بن اسحاق الازدی البجستانی، السنن
- ۵ حافظ ابی یحییٰ محمد بن یحییٰ بن سورۃ ابن موسیٰ الترمذی، الجامع المختصر من السنن عن رسول اللہ ومعرفۃ الصحیح والمعتول وما علیہ العمل
- ۶ ابی عبد الرحمن احمد بن شعیب بن علی بن سنان النسائی، المعجم من السنن
- ۷ حافظ ابی عبد اللہ محمد بن یزید الرقی ابن ماجہ القزوینی، السنن
- ۸ ابو عبد اللہ مالک بن انس بن مالک بن ابی عامر، موطا امام مالک
- ۹ حافظ ابو عبد اللہ احمد بن حنبل بن ہلال بن اسد بن ادريس الذہلی الشیبانی، مسند احمد بن حنبل، المطبعة المیمنۃ مصر، ۱۳۱۳ھ
- ۱۰ ابی بکر احمد بن الحسین ابن علی البیہقی، السنن الکبریٰ، دارۃ المعارف اسلامیه، حیدرآباد، ۱۳۵۲ھ

عربی

- ۱۱ ابو الفضل جمال الدین محمد بن کرم بن منظور، لسان العرب، دار صادر، بیروت، ۱۹۵۵ء
- ۱۲ ابوبکر احمد بن علی الرازی البصاح، احکام القرآن، مطبعة المیمنۃ، مصر، ۱۳۴۷ھ
- ۱۳ ابوجعفر عبد الملک بن ہشام المغافری، سیرۃ النبیؐ، مطبع حجازی، قاہرہ، ۱۹۳۷ء

- ۱۴ ابوالریحان محمد بن احمد البیرونی، فی تحقیق المہندس من مقولہ مقبولہ فی الحقل اور مذولہ، دائرۃ المعارف العثمانیہ، حیدرآباد، ۱۳۷۷ھ
- ۱۵ ابی جعفر محمد بن جریر الطبری، تفسیر الطبری (جامع البیان عن التأویل القرآن) دارالمعارف، مصر ۱۹۶۹ء
- ۱۶ ابی جعفر محمد بن جریر الطبری، تاریخ الطبری (تاریخ الرسل والملوک) دارالمعارف، قاہرہ، ۱۹۹۷ء
- ۱۷ ابی الحسن علی بن ابی الکرم محمد بن عبدالکریم المسلوب بہ عزالدین، اکامل فی التاریخ، دارالکتب العربی، بیروت، ۱۹۸۶ء
- ۱۸ ابی حیان الاندلسی، تفسیر البحر المحیط، داراحیاء التراث العربی، بیروت لبنان، ۲۰۰۲ء
- ۱۹ ابی عبداللہ محمد بن احمد القرطبی، الجامع لاحکام القرآن، مطبعۃ المدینۃ المصریہ، ۱۹۸۷ء
- ۲۰ ابی العباس تقی الدین احمد بن عبداللیم ابن تیمیہ، مجموعہ فتاویٰ شیخ الاسلام، دارالعربیہ للطباعة والنشر والتوزیع، بیروت، لبنان، ۱۳۹۸ھ
- ۲۱ ابی الفضل شہاب الدین محمود آلوسی، روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی، ادارۃ الطباعة المیسریہ، مصر
- ۲۲ احمد بن علی بن حجر العسقلانی، فتح الباری بشرح صحیح البخاری، دارالمعرفۃ، بیروت، لبنان
- ۲۳ احمد بن علی بن حجر العسقلانی، الاصابہ فی تمیز الصحابہ، دارالمعرفۃ، بیروت لبنان، ۲۰۰۳ء
- ۲۴ احمد شہاب الدین الخفاجی، نسیم الریاض فی شرح قاضی عیاض، مطبع الاذہریہ، مصر، ۱۳۲۷ء
- ۲۵ بدرالدین العینی، عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری، مطبع مصطفیٰ البابی الکلی، مصر، ۱۹۷۲ء
- ۲۶ جلال الدین السیوطی، الاتقان فی علوم القرآن، مطبعۃ الاذہریہ، مصر، ۱۹۲۵ء
- ۲۷ راغب اصفہانی، مفردات القرآن، دارالمعرفۃ، بیروت، لبنان، ۱۹۹۹ء
- ۲۸ الترید، تاج العروس، دارلیبیائینخاری، ۱۳۸۶ء
- ۲۹ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، حجۃ اللہ البالغہ، فیصلہ پبلیکیشنز، دہلی
- ۳۰ شمس الدین ابی عبداللہ محمد بن ابی بکر، بایں قیم الجوزیہ، اعلام الموقعین عن رب العالمین، ادارۃ الطباعة المیسریہ، دمشق
- ۳۱ شمس الدین ابی عبداللہ محمد بن ابی بکر، بایں قیم الجوزیہ، زادالمعانی ہدی خیر العباد، دارالریان، بیروت، ۱۹۸۷ء
- ۳۲ صفی صالح، مباحث فی علوم القرآن، مطبعۃ جامعہ، دمشق، ۱۹۶۲ء

- عبدالعظیم زرقانی، متان القرآن فی علوم القرآن، مطبع عیسیٰ البابی النحس، مصر، ۱۳۷۲ھ ۳۳
- عبدالله بن محمد القرطبی، المعرفة فی الاسلام: مصادرہا وجمالاتہا، دار عالم الفوائد، ریاض، مکتبہ المکتبہ، ۱۴۱۹ھ ۳۴
- عزالدین بن اثیر ابی الحسن علی بن محمد الجزری، اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ، دارالشعب، قاہرہ، ۱۹۷۰ء ۳۵
- عمادالدین ابی الفدا اسماعیل بن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، دارالاشاعت، دیوبند، ۲۰۰۲ء ۳۶
- عمادالدین ابی الفدا اسماعیل بن کثیر، البدایہ والنہایہ، دارالفکر، بیروت، لبنان، ۱۹۹۳ء ۳۷
- مجدالدین ابی السعادات المبارک المعروف بابن اثیر، النہایہ فی غریب الحدیث والاثار، مطبع عثمانیہ، مصر، ۱۳۱۱ھ ۳۹
- محمد سعید رمضان البوطی، فقہ السیرۃ النبویہ، دارالفکر المعاصر، بیروت، لبنان، ۱۹۹۱ء ۴۰
- محمد الغزالی، فقہ السیرۃ، مطبعہ حسان، قاہرہ، ۱۹۷۶ء ۴۱
- محمد انور شاہ کشمیری، فیض الباری علی صحیح البخاری، مطبع جاززی، قاہرہ، ۱۹۳۸ء ۴۲
- محمد البخاری بن محمد احمد الشنقیطی، شرح سنن الترمذی سروق الانوار المعنی الکبریٰ اللہیہ یکشف اسرار السنن الصغریٰ الترمذیہ، ریاض، ۱۴۲۵ھ ۴۳
- محمد بن سعد، الطبقات الکبریٰ، دارالفکر، بیروت، لبنان، ۱۹۹۳ء ۴۴
- محمد حسین بیگل، حیات محمد، مکتبۃ النہضۃ، قاہرہ، ۱۹۵۲ء ۴۵
- محمد رشید رضا مصری، الوعی المحمدی، المکتب الاسلامی، مصر ۴۶
- محمد عبداللہ بن عبدالباقی الزرقانی، شرح زرقانی علی المواہب اللدنیہ، مطبع الازہریہ، مصر، ۱۳۲۶ھ ۴۷
- مصطفیٰ السباعی، المرقاة بین الفقہ والقانون، المکتبۃ الاسلامی، بیروت، ۱۹۷۵ء ۴۸
- ملائیون، نور الانوار، مطبع مجبائی، دہلی ۴۹
- منار خلیل القطان، مباحث علوم القرآن، دارالسعودیہ للنشر، ۱۹۷۱ء ۵۰
- سبکی بن شرف نووی، شرح صحیح مسلم، دارالریان التراث، قاہرہ، ۱۹۸۷ء ۵۱
- یوسف موسیٰ، العقیدۃ الشریعہ فی الاسلام (انگریزی سے ترجمہ)، مصر، ۱۹۳۸ء ۵۲
- اردو ۵۳
- ابوسعید یزید، تاریخ انقلاب عالم، کتاب منزل، لاہور، ۱۹۳۹ء ۵۳
- اکبر شاہ نجیب آبادی، آئینہ حقیقت نما، شیخ الہند اکیڈمی، دیوبند، ۱۹۹۷ء ۵۴

- ۵۵ امین احسن اصلاحی، تدبیر قرآن، فاران فاؤنڈیشن، لاہور پاکستان، ۱۹۷۹ء
- ۵۶ خالد مسعود، حیات رسول امی، دارالتذکیر، اردو بازار، لاہور، ۲۰۰۳
- ۵۷ ڈاکٹر ذاکر نانک، مذاہب عالم میں خدا کا تصور اور اسلام کے بارے میں غیر مسلموں کے ۲۰ سوال، اسلامک بک سروس، نئی دہلی، ۲۰۰۸ء
- ۵۸ ڈاکٹر محمد حمید اللہ، خطبات بھاول پور، اسلامک بک فاؤنڈیشن، نئی دہلی، ۱۹۹۷ء
- ۵۹ ڈاکٹر عبدالقادر جیلانی، اسلام، پیغمبر اسلام اور مستشرقین مغرب کا مذاکرہ، اریب پبلیکیشنز، دہلی، ۲۰۰۷ء
- ۶۰ رئیس احمد جعفری، اسلام اور رواداری، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ۱۹۵۵ء
- ۶۱ سر سید احمد خاں، الخطبات الاحمدیہ فی الحرب والسمیرۃ المحمدیہ، سر سید اکیڈمی، علی گڑھ، ۲۰۰۳ء
- ۶۲ سعید احمد اکبر آبادی، اسلام میں غلامی کی حقیقت، ندوۃ المصنفین، دہلی
- ۶۳ سعید احمد اکبر آبادی، غلامان اسلام (الرق فی الاسلام) ندوۃ المصنفین، دہلی، ۱۹۳۰ء
- ۶۴ سعید احمد اکبر آبادی، وحی الہی، ندوۃ المصنفین، دہلی، ۱۹۷۰ء
- ۶۵ سعید انصاری، سیر الصحابیات، دار المصنفین، شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، ۲۰۰۱ء
- ۶۶ سید ابوالاعلیٰ مودودی، تفہیم القرآن، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی، ۲۰۰۲ء
- ۶۷ سید ابوالاعلیٰ مودودی، تفہیم الاحادیث، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی، ۲۰۰۵ء
- ۶۸ سید ابوالاعلیٰ مودودی، تفہیمات، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی، ۲۰۰۵ء
- ۶۹ سید ابوالاعلیٰ مودودی، سنت کی آئینی حیثیت، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی، ۲۰۰۵ء
- ۷۰ سید ابوالاعلیٰ مودودی، سیرت سرور عالم، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی، ۲۰۰۵ء
- ۷۱ سید ابوالاعلیٰ مودودی، الجہاد فی الاسلام، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی، ۲۰۰۷ء
- ۷۲ سید حامد علی، تھنڈ وازدواج، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، دہلی، ۲۰۰۳ء
- ۷۳ سید سلیمان ندوی، سیرۃ النبیؐ، دار المصنفین، شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، ۲۰۰۳ء
- ۷۴ سید سلیمان ندوی، خطبات مدراس، فرید بک ڈپو، دہلی، ۲۰۰۴ء
- ۷۵ سید سلیمان ندوی (مرتب) مقالات شبلی، دار المصنفین، شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ
- ۷۶ سید صباح الدین عبدالرحمن (مرتب) اسلام اور مستشرقین، دار المصنفین، شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ
- ۷۷ سید صباح الدین عبدالرحمن (مرتب) مقالات سلیمان، دار المصنفین، شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، ۲۰۰۶ء
- ۷۸ سید محمد اسماعیل، سیرت رسول اور عصر جدید، اریب پبلیکیشنز، دہلی، ۲۰۰۸ء
- ۷۹ شبلی نعمانی، سیرۃ النبیؐ، دار المصنفین، شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، ۲۰۰۳ء
- ۸۰ شبیر عثمانی، فضل الباری، اسلامی اکیڈمی، ڈھاکہ، ۱۳۰۹ھ
- ۸۱ عبدالجبار عظمیٰ، اہدای الباری تشرح صحیح البخاری، مکتبہ حرم، مراد آباد، ۱۳۰۳ھ

- ۸۲ عبد الماجد دریا آبادی، تفسیر ماجدی، مجلس تحقیقات و نشریات اسلام، لکھنؤ
- ۸۳ قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری، رحمۃ اللعالمین، فرید بک ڈپو، دہلی، ۱۹۹۹ء
- ۸۴ گنگا پرساد دواہیائے، مصابیح الاسلام، ٹریک و بھاگ، آریہ سماج چوک الدہ آباد، ۱۹۶۳ء
- ۸۵ محمد ادریس کاندھلوی، سیرۃ المصطفیٰ، دارالکتب، دیوبند
- ۸۶ مفتی محمد شفیع عثمانی، معارف القرآن، اشرفی بک ڈپو، دیوبند
- ۸۷ مولانا اشرف علی تھانوی، احکام اسلامی محل کی نظر میں (المصابیح العقلیہ) کتب خانہ نعیمیہ، دیوبند
- ۸۸ مولوی عبدالحق، البیان فی علوم القرآن، مطبع تحفہ ہندی، دہلی، ۱۳۲۴ھ
- ۸۹ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، دائرہ معارف اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور
- تراجم (دیگر زبانوں کی کتابیں جن کا اردو ترجمہ پیش نظر تھا)
- ۹۰ عہد نامہ قدیم و جدید
- ۹۱ شری مدیحکوت پران
- ۹۲ بیگزویہ
- ۹۳ آسی ضیائی، برتاہاس کی انجیل، اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ، لاہور، پاکستان، ۱۹۷۳ء
- ۹۴ ابوبکر سراج الدین (مارٹن لٹکس) حیات سرور کائنات، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی، ۲۰۰۵ء
- ۹۵ جرجی زیدان، تاریخ تمدن اسلام، فرید بک ڈپو، دہلی، ۲۰۰۷ء
- ۹۶ خالد لطیف گابا، پیغمبر صحرا، فرید بک ڈپو، دہلی، ۲۰۰۳ء
- ۹۷ ڈاکٹر عائشہ عبدالرحمن بنت الشاطی، قرآن کریم کا اعجاز بیان، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی، ۱۹۹۹ء
- ۹۸ ڈاکٹر عبدالعلیم، سیرۃ النبی اور مستشرقین، مطبوعہ لکھنؤ، ۲۰۰۰ء
- ۹۹ ڈاکٹر محمد ثناء اللہ ندوی (مرتب) عربی اسلامی اور مستشرقین، توحید ایجوکیشنل ٹرسٹ، کشن گنج، بہار، ۲۰۰۳ء
- ۱۰۰ ڈاکٹر محمد حمید اللہ، محمد رسول اللہ، فرید بک ڈپو، دہلی، ۲۰۰۳ء
- ۱۰۱ ڈاکٹر محمد حمید اللہ، پیغمبر اسلام، ملی پبلیکیشنز، نئی دہلی، ۲۰۰۹ء
- ۱۰۲ ڈاکٹر محمد ابو زہرہ، تاریخ حدیث و محدثین، کتب خانہ نعیمیہ، دیوبند، ۲۰۰۲ء
- ۱۰۳ سید امیر علی، روح اسلام، اسلامک بک سینٹر، دہلی، ۲۰۰۵ء
- ۱۰۴ شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی، مکتوبات امام ربانی
- ۱۰۵ شیخ عبدالحق محدث دہلوی، مدارج النبوۃ، مکتبہ دانش، دیوبند
- ۱۰۶ عبدالرحمن ابن جوزی، الوفا فی باحوال المصطفیٰ، اعتقاد پبلیشنگ ہاؤس، دہلی، ۱۹۸۳ء
- ۱۰۷ کونستین ویرٹیل جو ریچو، عکس سیرت، رحمن پرنٹر و پبلشرز، کوکاٹا، ۲۰۰۸ء
- ۱۰۸ محمد اسد، اسلام و ورثہ، آزاد کتاب گھر، دہلی، ۱۹۶۸ء

- ۱۰۹ محمد بن اسحاق بن یسار، سیرت ابن اسحاق، علی پبلیکیشنز، نئی دہلی، ۲۰۰۹ء
- ۱۱۰ محمد قطب، اسلام اور جدید ذہن کے شبہات، مرکزی مکتبہ اسلامی، دہلی، ۱۹۹۰ء
- ۱۱۱ محمد صدیق قریشی، رسول اکرمؐ کی سیاست خارجہ، فرید بک ڈپو، دہلی، ۲۰۰۲ء
- ۱۱۲ وکٹری مارسڈن، وثائق یہود، ہمزاز پبلشرز، دہلی، ۲۰۰۵ء

رسائل و جرائد

- ۱۱۳ سرمایہ تحقیقات اسلامی، علی گڑھ، اکتوبر-دسمبر ۱۹۸۷ء
- ۱۱۴ ماہ نامہ تہذیب الاخلاق، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، ستمبر ۲۰۰۵ء
- ۱۱۵ ماہ نامہ ملی اتحاد، نئی دہلی، ستمبر ۲۰۰۹ء
- ۱۱۶ ماہ نامہ نقوش (رسول نمبر) ادارہ فروغ اردو، لاہور، جنوری، ۱۹۹۳ء
- ۱۱۷ ہفت روزہ عالمی سہارا، نئی دہلی، ۳ اکتوبر ۲۰۰۹ء
- ۱۱۸ ہفت روزہ فرارنگے اشعل، کراچی، پاکستان، ۱۲-۱۸ دسمبر، ۲۰۰۸ء

انگریزی

- ۱۱۹ *Chamber's Encyclopedia*, Edinburgh, London, 1874
- ۱۲۰ D.S.Margoliouth, *Mohammad and the Rise of Islam*, London/New York, 1965
- ۱۲۱ Dr.Micheal H. Hart, *The 100*, New York, 1978
- ۱۲۲ Joseph Schicht, Muhammad, *Encyclopedia of Social Ssiene*, New York, 1959
- ۱۲۳ Philip K. Hitti, *The Arabs a short History*, London, 1968
- ۱۲۴ Stanlely Lanepool, *Introduction to selection from Quran*
- ۱۲۵ Thoms Carlyle, *The hero as prophet*, Islam Service Lea gue Dongri, Bomby
- ۱۲۶ William Montgomery Watt, *Muhammad Prophet and States man*, Oxford University Prees London
- ۱۲۷ William Montgomery Watt, *Islam A short History*, OneworldPublication, Oxford, 1999

(کتاب میں قرآنی آیات کا ترجمہ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی تفسیر 'تفہیم القرآن' سے منقول ہے۔)

